سانچ کو آنچ

(مزاحیہ)

شوکت تھانوی

* * *

حضور میں ایک مہاجر ہوں اور اصلیت میری یہ ہے کہ قوم کا علم تو خیر والد صاحب کو ہو گا لیکن اگر پیشہ کا کوئی تعلق قوم سے سمجھا جا سکتا ہے تو میں عرض کروں کہ ہجرت سے پہلے ہم لوگوں کا ایک ہیئر کٹنگ سیلون شہر کے ایک نہایت بارونق بازار میں تھا جس میں بال کٹوانے عام لوگ نہیں بلکہ وہ بڑے آدمی آیا کرتے تھے جو بال کٹوائی ٹھیک دو روپیہ دیتے تو خیر کم دیتے ہی نہ تھے مگر کبھی کبھی پانچ روپیہ تک مل جاتے تھے۔ بڑے۔ بڑے موٹر والے ہمارے یہاں آتے تھے اور ہم بھی بال بنانے میں ان کے ساتھ عجیب عجیب چونچلے برتا کرتے تھے، والد صاحب نے طرح طرح کے بجلی کے آلات منگا رکھے تھے۔ ایک گیلے بالوں کو خشک کرنے کا برقی پنکھا تھا۔ ایک خضاب سکھانے کا ٹوپ تھا برقی بالوں میں گھونگر پیدا کرنے کے مختلف آلے تھے اور اس سلسلہ میں بڑے بڑے گھرانوں کی بیگمات اور صاحبزادیاں بھی آیا کرتی تھیں بلکہ بہت سی لڑکیاں تو بال کٹوانے بھی آیا کرتی تھیں۔ مختصر یہ کہ ہمارا یہ ہیئر کٹنگ سیلون خوب چل رہا تھا اور مجھ کو اچھی طرح یاد ہے کہ والد صاحب کبھی کبھی گھر میں کہا کرتے تھے کہ انہوں نے کیسی معمولی حیثیت سے یہ ترقی کی ہے۔ ان ہی سے ہم کو بھی معلوم ہوا تھا کہ دادا جان مرحوم و مغفور ریلوے اسٹیشن کے باہر ایک میدان میں اپنے استرے اور قینچیاں ایک چھوٹے سے ٹین کے صندوقچہ پر رکھ کر بیٹھا کرتے تھے اور اپنے گاہکوں کے لئے دو اینٹیں جوڑ کر سامنے رکھ لی تھیں ان ہی پر گاہک آکر بیٹھ

"ہمانشو پبلی کیشنز"
الیف۔یو۔6__وشاکھا انکلیو
پیتم پورہ۔دہلی ۳۴ فون نمبر: ۷۳۴۲۹۲۱

Publishers:
" Himanshu Publications "
F-U-6 Vishakha Enclave
Pitampura, Delhi-34- Tel:7342921

جاتے تھے اور دادا جان ان کی داڑھی مونڈ دیا کرتے تھے یا سر پر استرا پھیر دیا کرتے تھے۔ والد صاحب نے ترقی کی تو پہلے اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر ہر آنے والی ٹرین کے وقت پہنچ جاتے تھے اور مسافروں کے شیو بنایا کرتے تھے۔ اس کام میں خدا نے اتنی برکت دی کہ کچھ ہی دنوں کے بعد انہوں نے ایک در کی ایک دکان کرایہ پر لے کر بال بنانا شروع کیے اور اسی دکان پر ان کا کام ایسا چلا کہ آخر شہر کے سب سے بڑے بازار میں ایک اعلیٰ درجے کا ہیئر کٹنگ سیلون کھول کر دو تین نائی خود نوکر رکھ لئے۔

والد صاحب کو تجارت کی بڑی اچھی سوجھ بوجھ تھی وہ اپنی دکان کی آمدنی دکان ہی پر لگایا دیا کرتے تھے اور گھر میں خواہ جس طرح بھی رہیں مگر دکان پر ہمیشہ پتلون پہن کر جاتے تھے اور جو نائی نوکر رکھے تھے ان کو بھی بڑا فیشن ایبل بنائے رکھتے تھے۔ ان کو رفتہ رفتہ یہ کمی محسوس ہونے لگی کہ جس اعلیٰ طبقہ سے ان کو آئے دن واسطہ پڑتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ یا خود انگریزی میں بات کریں یا کوئی انگریزی جاننے والا نائی ان کے سیلون میں ہو اس لئے کہ اکثر صاحب لوگ بھی سیلون میں آجایا کرتے تھے۔ خیر کام نکالنے بھر کی انگریزی تو والد صاحب بھی بول لیتے تھے مثلاً یس سر۔ نو سر۔ مگر مصیبت یہ تھی کہ وہ انگریز عورتوں سے بھی جب یس سر اور نو سر کہا کرتے تھے تو وہ مسکرایا کرتی تھیں اور بعض اوقات وہ صاحب لوگوں کے بڑے بڑے انگریزی جملوں پر محض انکل سے یس سر اور نو سر کہا کرتے تھے اس لئے ان کا خیال یہ تھا کہ ان کا یہ کاروبار اور بھی چمک سکتا تھا بشرطیکہ وہ انگریزی جانتے ہوتے۔

اس کمی کو پورا کرنے کے لئے والد صاحب نے ہم کو اس کاروبار میں حصہ لینے کے علاوہ اسکول میں بھی داخل کر رکھا تھا شام کو ہم اپنے ہیئر کٹنگ سیلون پر چلے جاتے تھے اور دن بھر اسکول میں رہتے تھے۔ بال بنانا وغیرہ تو خیر آہی چکا تھا مگر پڑھنے لکھنے کے سلسلہ میں بھی ہم پیچھے نہ رہے اور میٹرک پاس کر کے اپنے گاہکوں سے انگریزی

بولنے کے قابل ہو گئے۔ ہمارے میٹرک پاس کرنے کے بعد والد صاحب کا ارادہ یہ بھی تھا کہ کالج میں داخل کر دیں مگر یہ فساد ہی شروع ہو گیا اور ہم لوگ سب کچھ چھوڑ چھاڑ اس طرف آ گئے۔

یہاں آ کر معلوم نہیں والد صاحب نے کیا چال چلی کہ ہم کو فوراً ایک مقفل مکان پر قبضہ حاصل ہو گیا اور اس مقفل مکان میں ہم کو ایسی ایسی چیزیں مل گئیں جن کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔ زیور اور کپڑا۔ فرنیچر اور برتن۔ غرض تو کیا کہ ایک بھرا ہوا گھر جس میں ایک اونچے خاندان کی ضرورت کی ہر چیز موجود تھی اور تو اور نقد روپیہ بھی اتنا مل گیا کہ اب ہمارے لئے ہیئر کٹنگ سیلون کھولنے اور بال کاٹ کر پیٹ پالنے کی ضرورت باقی نہ رہی بلکہ والد صاحب نے ہم سب کو بار بار نہایت سختی سے منع کیا کہ خبردار جو کسی سے یہ کہا بھی کہ ہم لوگ حجامت بنایا کرتے تھے۔ نتیجہ یہ کہ چند ہی دن میں والد صاحب بجائے ماسٹر عظمت یا خلیفہ عظمت کے نواب عظمت اللہ خاں اور ہم صاحبزادہ فرحت اللہ خاں کے نام سے مشہور ہو گئے اور والد صاحب نے پاس پڑوس کے لوگوں کو نہایت آسانی سے اس بات کا یقین دلا دیا کہ بڑی دولت چھوڑ کر آئے ہیں۔ مدفون خزانہ۔ سونے کی اینٹیں۔ بینک کا روپیہ۔ گھر میں جو لاکھ سوا لاکھ روپیہ نقد تھا بس وہی ساتھ آ سکا۔ محلہ والے ان کے حسن سلوک سے ان کے گرویدہ ہو گئے۔ مہاجرین کی امداد کے لئے اس دریا دلی سے چندے دیئے کہ حکام بھی خوش۔ جو کوئی بھی کوئی سوال لیکر آ گیا اس کو خوش ہی کر دیا۔ یہی باتیں ہوا کرتی ہیں ایک آدمی کو ہر دلعزیز بنا دینے کے لئے۔ پھر یہ کہ آئے دن کی دعوتیں۔ کبھی کوئی حاکم چلا آ رہا ہے کبھی کوئی بڑا آدمی ہمارے دستر خوان پر موجود ہے۔ اور حال یہ کہ کبھی موٹر پر سو دو سو کمبل لیکر مہاجرین کے کیمپ میں پہنچ گئے اور حکام متعلقہ کے ذریعہ ان کو تقسیم کر دیا۔ کبھی کھانے کی دیگیں اپنے حلقہ کے تھانے پر بھجوا دیں کہ

http://www.paktunplace.com

کیمپ پہنچادی جائیں۔ جب کبھی کوئی فنڈ کھولا گیا آپ اس میں پیش پیش۔ سات آٹھ مہاجرین کو خود اپنے یہاں لے آئے اور ان کے کفیل بن گئے۔ مختصر یہ کہ اب ہر ایک کی زبان پر نواب عظمت اللہ خاں کا نام تھا۔

مگر صاحب ایک بات ہے کہ والد صاحب اگر ذرا بھی پڑھے لکھے ہوتے تو نہ جانے کیا کرتے جبکہ ان پڑھ ہونے کی حالت میں ان کا یہ عالم تھا کہ جس وقت وہ کسی موضوع پر گفتگو شروع کر دیتے تھے اپنے سامنے کسی کا چراغ نہ جلنے دیتے تھے۔ وہ دلکشی تھی ان کی گفتگو میں اور شین قاف بھی ایسا درست کہ کسی کو شبہ ہی نہ ہو سکتا تھا کہ یہ حضرت حجام واقع ہوئے ہیں اور جو کچھ ہو رہا ہے یہ بھی حجامت کا ایک طریقہ ہے۔ البتہ گھر پر آکر جب وہ اندر جاتے تھے تو کبھی کبھی اپنے اصلی رنگ میں آجاتے تھے۔ خصوصاً ایسی حالت میں جب کوئی بھی اور خاندانی مسئلہ در پیش ہو۔ چنانچہ آج بھی مسئلہ در پیش تھا ہماری سالگرہ کا۔ ہر سال یہ سالگرہ اس طرح ہوا کرتی تھی کہ برادری کا کھانا ہوتا تھا جس میں ایک سے ایک خلیفہ نظر آتا تھا۔ اور عورتیں ڈھولک پر رات بھر گانے گا کر صبح کرتی تھیں صبح یہی عورتیں گلگلے اور چراغی کے پیسے لیکر کسی مسجد میں جاتی تھیں اور طاق بھر آتی تھیں۔ چنانچہ عورتوں کا اس مرتبہ بھی یہی ارادہ تھا کہ برادری کا کھانا ہوگا اور رت جگا ہوگا مگر والد صاحب نے اس کی سخت مخالفت کی اور ایک موٹی سی گالی والدہ صاحبہ کی شان میں ارشاد فرمانے کے بعد بولے۔

”وہی مثل کہ نالی کے کیڑے کو مشک کی ڈبیہ میں بند کر دو تو اس کا پھڑ پھڑا کر دم نکل جائے۔ ہو نہ آخر اصل نسل کی نائن۔ تم بھلا اپنا نائی پن بھول سکتی ہو۔ ہزار مرتبہ منع کیا کہ اب کوئی ایسی بات نہ کرو جس سے اپنی اصلیت کا پتہ چلے۔ ہم یہاں اونچی ذات کے شریف زادے بنے ہوئے ہیں۔ کوشش کر رہے ہیں کہ کسی بڑے

گھرانے میں لونڈے لی شادی کر کے شریفوں میں شامل ہو جائیں اور وہ ہیں کہ اپنی اصلیت اچھالتی پھرتی ہیں۔ رت جگا کریں گی۔ ڈھولک ٹھنکائیں گی۔ گانے گائے جائیں گے“

والدہ صاحبہ نے جل کر کہا ”اے سنا کہ نہیں “تم بھول جاؤ اپنے باپ دادا کو مجھ سے تو یہ نہیں ہو سکتا کہ میں بزرگوں کی ریت رسم سب بھلا کر رہوں تو کیا تمہارا مطلب یہ ہے کہ سالگرہ ہی نہ منائی جائے“۔

والد صاحب نے حقے کا کش لیتے ہوئے فرمایا ”یہ کون کہہ رہا ہے۔ مگر اب سالگرہ ہوگی اس طرح جس طرح بڑے آدمیوں کے لڑکوں کی ہوتی ہے۔ دعوت ہوگی ٹھاٹھ دار۔ بڑے بڑے رئیس، حاکم، وکیل، ڈاکٹر، سوداگر یہ لوگ آئیں گے اب یہ تھوڑی ہو سکتا ہے کہ میں نائیوں کو جمع کر لوں۔ دوسرے یہاں اپنی برادری کا ہے ہی کون“۔

والدہ نے پوچھا ”اور رت جگا؟“

والد صاحب نے فوراً اصلیت پر آتے ہوئے کہا ”تیرے دماغ میں تو بھرا ہے بھوسہ۔ رت جگا کی بچی۔ رت جگا کہیں شریف آدمیوں میں ہوتا ہے ایسا ہی گانے کا شوق ہے تو مجرا کرا لو“۔

والدہ صاحبہ نے حیرت سے پوچھا۔ ”وہ کیا بھلا“۔

والد صاحب نے کہا یہ رنڈی کا ناچ۔ اب سمجھیں؟ ناک میں دم کر دیا ہے اس عورت نے۔ مجھے یہ خبر ہوتی تو ناک کاٹ کر ادھر ہی چھوڑ آتا“۔

والدہ صاحبہ اس قسم کے راز و نیاز کی ہمیشہ سے عادی تھیں ان کے لئے یہ کوئی برا ماننے کی بات نہ تھی البتہ کوفت ہوتی تھی ہم کو اس لئے کہ ہم میٹرک پاس کر کے اپنی اوقات سے باہر ہو چکے تھے مگر کہتے تو کیا کہتے ابھی دو ہزار گالیاں جن میں سے

خود والد صاحب سے متعلق اکثر ہوتیں ہم کو سنا کر رکھ دی جاتیں لہٰذا اس قسم کے موقعوں پر چپ ہی ہو رہتے تھے۔ اب والد صاحب والدہ صاحبہ کو سمجھا رہے تھے۔

"تم کو کیا معلوم کہ میں کس فکر میں ہوں۔ اللہ نے روپیہ دیا ہے۔ پیسہ دیا ہے۔ عزت دی ہے۔ اپنی ایک بات ہے جو ہر جگہ بنی ہوئی ہے بس ذرا کمی ہے تو یہی کہ قوم کا معاملہ ذرا گڑبڑ ہے سو اس کی بھی ترکیب یہ ہے کہ لونڈے کو کسی اونچے شریف گھرانے میں بیاہ دیں گے تو ظاہر ہے کہ شریف ہی ہو سکتا ہے کسی شریف کا سمدھی۔ میری نظر میں ہیں خان صاحب۔ وہی جو اکثر آیا کرتے ہیں موٹر پر ارے وہ جو سامنے والی سفید کوٹھی میں رہتے ہیں نا۔

والدہ صاحبہ نے کہا "ہاں ہاں سمجھ گئی علی حسین خان کو کہہ رہے ہو نا۔"

والد صاحب قریب کھسک کر بولے "ہاں وہی لکھ پتی ہے بڈھا اور بڑا کھرا پٹھان ہے۔ لڑکی بھی اس کی ایسی ہے کہ چندے آفتاب چندے ماہتاب دیکھو تو نظر جم کر رہ جائے۔ اکلوتی لڑکی ہے اور اسی کا سب کچھ ہے اگر اس کے ساتھ ہو جائے بات چیت پکی تو سمجھو کہ بس ہو گئے ہم بھی ہمیشہ کے لئے شریف پھر دولت کی تو کوئی انتہا ہی نہیں اور لونڈیا پڑھی لکھی۔ صورت شکل کی اچھی۔ بائیسکل پر دو بیٹھ لے۔ موٹر وہ چلا لے۔ وہ پروں والے گیند کا کھیل اس صفائی سے کھیلتی ہے کہ واہ جی واہ"

والدہ صاحبہ نے کہا "ہاں میں دیکھ چکی ہوں اس لڑکی کو۔ مگر کہاں وہ کہاں ہم"۔

والد صاحب نے آنکھیں نکال کر گھورتے ہوئے کہا "یہ کیا بات ہوئی۔ ارے بھئی یہ تو ہم کو معلوم ہے نا کہ ہم ذات کے کیا ہیں ان کو تو یہی معلوم ہے کہ ہم بھی اونچے خاندان کے کھرے پٹھان ہیں۔ رہ گئی دولت تو ہم لکھ پتی نہ سہی مگر یہ تو ان کو بھی معلوم ہے کہ کھاتے پیتے رئیس ہیں ہم بھی۔ یہ کیا تم نے کہا کہ کہاں وہ کہاں ہم

۔ تمہیں پتہ بھی ہے کہ میں اس ذکر کو چھیڑ بھی چکا ہوں اب تم جانو لڑکی والے ایک دم سے تو ہاں کر نہیں دیتے۔ ہنس کر کہنے لگے کہ دیکھا جائے گا۔ اور پھر بولے کہ اب وہ زمانہ ہے کہ لڑکے اور لڑکی دونوں کی مرضی بھی دیکھ لینا چاہئے"۔

والدہ صاحبہ نے کہا "لو اور سنو تو کیا وہ اب لڑکی سے پوچھیں گے"۔

والد صاحب نے کہا "تم نہیں جانتیں۔ بڑے آدمیوں میں یہی ہوتا ہے اور پڑھی لکھی لڑکیاں تو اپنی پسند کے سوا شادی ہونے ہی نہیں دیتیں۔ کہیں ہماری تمہاری طرح تھوڑی کہ نہ میں نے تم کو دیکھا تھا نہ تم نے مجھ کو، اندھا جوا کھیلا گیا تھا اور جب پہلے پہل تم کو دیکھا ہے تو دل دھڑک رہا تھا کہ اگر کہیں کافی کھتری ہوئیں تو کیا کروں گا میں۔ معلوم نہیں آنکھیں دونوں ہیں کہ ایک ہے"۔

والدہ صاحبہ نے کہا "کہیں بھی نہیں تمہارے یہاں سے آئی تو تھیں عورتیں مجھے دیکھنے"۔

والد صاحب نے کہا "ایک تو عورتیں اس معاملہ میں ہمیشہ جھوٹ بولا کرتی ہیں۔ دوسرے مارے شرم کے تم نے آنکھیں بند بھی تو کر لی تھیں اب کسے خبر کہ ان بند آنکھوں میں آنکھ ہے بھی کہ علاقہ ہی غائب ہے کوئی سا۔ مطلب یہ کہ اب اونچے گھرانوں میں یہ باتیں نہیں ہوتیں اب تو لڑکا لڑکی کو اچھی طرح دیکھ بھال سکتا ہے لڑکی لڑکے کو بلکہ ماں باپ تو بعد میں شادی کرتے رہتے ہیں قول قرار تو پہلے ہی دونوں میں ہو جاتا ہے اور میل جول پہلے ہی دونوں بڑھا لیتے ہیں"۔

والدہ صاحبہ نے کہا "بڑے آدمیوں کی بڑی بات۔ مگر میں یہ پوچھتی ہوں کہ اگر شادی کے بعد ان کو پتہ چلا کہ ہماری اصلیت کیا ہے تو کیا ہو گا"۔

والد صاحب نے کہا "پتہ بھلا کیسے چل سکتا ہے۔ یہ پتے چلا کرتے ہیں اپنی ہی برادری کے لوگوں سے یا ان سے جو اپنی اصلیت خود اچھالتے پھرتے ہوں اب تم ہی

بتاؤ کہ مجھے یا فرحت کو دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ یہ نائی ہیں البتہ ڈر لگتا ہے مجھ کو تم سے کہ تم کوئی ایسی بات نہ کر بیٹھو کہ یہ بھانڈا پھوٹ جائے اور بنا بنایا کھیل بگڑ جائے۔ اب جو تم یہ رت جگے اور طاق بھرنے کی سی باتیں کرو گی تو نتیجہ یہی ہو گا کہ ہماری شرافت کی طرف سے لوگوں کو شبہے بڑھیں گے۔ دوسرے ذرا اپنا یہ طور طریقہ بھی بدلو کہ کڑوا تیل سر میں ڈال کر پٹیاں چپکا لیں۔ یا کنگھی کرنے جو بیٹھیں تو کنگھی کے دندانوں سے جوئیں نکال نکال کر مارنا شروع کر دیں۔

والدہ صاحبہ نے بڑی حیرت سے کہا "اوئی ؟ تو کیا جوئیں مارنا بھی گناہ ہے چاہے جوئیں موتی سر میں ہڑونگے مارتی پھریں"۔

والد صاحب نے کہا "بڑے آدمیوں کی بیگموں کے سر میں جوئیں پڑتی ہی نہیں ہیں وہ اس قدر سر کی صفائی رکھتی ہیں کہ جوئیں پیدا ہی نہیں ہوتیں۔ تم کو چاہئے کہ روز نہاؤ اچھے سے اچھا تیل استعمال کرو۔ بلکہ میں تو اس فکر میں ہوں کہ تمہارے لئے کوئی ڈھنگ کی استانی مل جائے تو رکھ لوں جو تم کو کچھ تو آدمی بنائے فی الحال تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ نہ جانے کہاں سے پکڑ کر لائی گئی ہو۔ نہ میں تم کو کسی سے ملا سکتا ہوں نہ کسی کو اپنے یہاں بلا سکتا ہوں۔ اچھا دیکھو میں جلد ہی کسی ایسی عورت کا انتظام کرتا ہوں جو تمہاری ایسی جانور کو بھی آدمی بنا سکے"۔

اور واقعی والد صاحب نے سنجیدگی سے ایک ایسی عورت کی تلاش شروع کر دی جو والدہ صاحبہ کو ہر اعتبار سے نکھار اور سنوار سکے۔

⁂

جن صاحبزادی کا والد صاحب نے والدہ محترمہ سے ذکر کیا تھا ان کے متعلق اب اس سے زیادہ ہم اور کیا عرض کر سکتے ہیں کہ جب سے ہم یہاں آئے ہیں ہر طرف سے ہماری نظروں کو سمیٹ کر اپنی ہی طرف یہ صاحبزادی متوجہ کئے ہوئے ہیں۔ اتفاق سے ہماری کوٹھی کا جو حصہ خاص ہمارے لئے مخصوص ہے اس کے بالکل مقابل ہے خانصاحب کی کوٹھی کا وہ حصہ جس کے سامنے کے کمروں میں ان صاحبزادی کی عملداری ہے۔ اور ان کمروں کے سامنے ہی کے سبزہ زار پر کبھی بیڈمنٹن کا جال لگ جاتا ہے اور وہ کھیل شروع ہو جاتا ہے جس کو والد صاحب پروں والے گیند کا کھیل کہہ رہے تھے۔ کبھی سائیکل پولو ہونے لگتی ہے کبھی یوں ہی وہ اوڑ دھوپ جس میں ہرنیوں کی سی کلیلیں شامل ہوتی ہیں اور ہم نے اپنے ایک کمرے میں لکھنے کی میز ایک ایسے گوشے میں لگائی ہے کہ اس میز کے قریب بیٹھ کر ہم یہ سب کچھ جب تک دیکھ سکتے ہیں دیکھا کرتے ہیں اور اس لکھنے پڑھنے کی میز پر ایک عجیب مطالعے کا سلسلہ جاری ہے۔

سنہرے رنگ کے ریشم کا ایک انبار سر پر لئے۔ اپنی بادام جیسی آنکھوں میں شرارت بھرے۔ پتلے پتلے گلابی ہونٹوں پر شاداب تبسم کی موجوں میں صبح سے شام تک یہ لڑکی تھپیڑے کھایا کرتی ہے۔ کبھی کسی بات پر کھلکھلا کر ہنس دی اور فضاؤں میں زمردے کھنک اٹھے کبھی کسی سہیلی کو اس طرح آواز دی کہ ہم کو محسوس

http://www.paktunplace.com

ہونے لگا کہ ہمارے سینہ میں دل نہیں بلکہ ایک بڑا سا ریکارڈ ہے جو بج رہا ہے یا اس آواز کو بھرنے کی ریکارڈنگ مشین ہے جو چل رہی ہے۔ کبھی وہ اپنے سبزہ زار پر بڑا سا چھاتہ گاڑ کر اس کے نیچے بیٹھی پڑھ رہی ہے اور چشمہ لگائے ہوئے ایک میم صاحب اس کو پڑھا رہی ہیں۔ اور تو اور ایک آدھ مرتبہ تو اس کو ہم سے بات کرنے کی بھی ضرورت مجبوراً پیش آئی مثلاً اس کا وہی پروں والا گیند چڑیا کی طرح اڑ کر ہمارے کمپاؤنڈ کے کسی درخت پر آگیا اور اس کو مجبوراً کہنا پڑا ہم کو سامنے دیکھ کر ”اے جناب۔ میں نے کہا مسٹر۔ ہمارا شٹل کاک آگیا ہے ادھر“۔

اور ہم نے بڑی مستعدی سے بلکہ اس طرح کہ گویا سعادت حاصل کر رہے ہیں انگور کی بیل ہلا کر یا اگر کسی درخت پر چڑھنے کی ضرورت پیش آئی تو چڑھ کر وہ شٹل کاک اتار دیا اور اس نے بڑی دل آویز مسکراہٹ کے ساتھ کہا ”شکریہ“ یا انگریزی میں ”تھینکس“ اور یہی الفاظ بلکہ یہی ایک لفظ ہمارے دل و دماغ میں گونج کر رہ گیا۔

بات یہ ہے کہ اس قسم کا جب آمنا سامنا ہو تو انسان، ہمارا مطلب اس انسان سے ہے جو ہماری طرح عالی ظرف نہ ہو عجیب عجیب چھچھورے پن کیا کرتا ہے۔ مثلاً ٹہل رہے ہیں خواہ مخواہ کبھی اپنی چال میں الھڑ پن پیدا کر کے۔ کبھی بڑے آرٹسٹ بنے بال کچھ الجھائے قمیض کا کالر کچھ کھولے ہوئے اور ٹائی کچھ ڈھیلی باندھے ہوئے کبھی طرح طرح سے سگریٹ پی رہے ہیں کبھی دھوئیں سے چھلے بنا رہے ہیں تو کبھی اس طرح سگریٹ کے کش لے رہے ہیں گویا کوئی مفکر اعظم کسی بین الاقوامی گتھی کو سلجھا رہا ہے۔ کبھی سگریٹ کے بجائے پائپ سلگا لیا ہے اور سمجھ رہے ہیں کہ یہ جو آج کل کی لڑکیاں ہوتی ہیں پائپ دیکھ کر تو اپنے دل کو قابو میں رکھ ہی نہیں سکتیں۔ کبھی پورا سوٹ پہنے ہوئے اپنی چھب دکھا رہے ہیں تو کبھی صرف قمیص اور

پتلون میں جسم اور جامہ زیبی دونوں کی نمائش ہو رہی ہے۔ کبھی جالی دار بنیائن پر تنزیب کا باریک کرتا ہے ڈھیلا پاجامہ ہے جے پوری جوتا ہے ہاتھ میں ایک کتاب ہے اور ٹہل ٹہل کر گویا پڑھ رہے ہیں حالانکہ مقصد صرف یہ ہے کہ اپنے کو دکھائیں اور ان کو دیکھیں۔ اور اگر کبھی ادھر سے ایک آدھ رسید بھی کسی طرح مل جائے پھر تو قیامت ہی سمجھئے چنانچہ کچھ اسی قسم کی قیامت گذر چکی تھی۔

ہوا یہ کہ ایک دن ہم کچھ اپنے کو بڑا آرٹسٹ بنائے ہوئے، بالوں کو منتشر کئے۔ ڈھیلا کشمیری پاجامہ اور نہایت نفیس ململ کا کڑھا ہوا لکھنوی کرتا پہنے ایک کتاب لئے ٹہل رہے تھے کہ یکایک سماعت میں جیسے جلترنگ بج گیا نظر اٹھا کر جو دیکھتے ہیں تو آج وہ تنہا نہ تھی بلکہ اپنی بہت سی ہمجولیوں کے ساتھ اپنے لان پر موجود تھی اور ہم کو محسوس ہوا کہ ہمارے نظر اٹھاتے ہی ان سب نے ہنس کر نظریں چرا لیں ورنہ وہ اسی طرف دیکھ رہی تھیں اور اب ان کی ہنسی کچھ اور بڑھ گئی تھی۔ ہم پھر گویا کتاب کی طرف متوجہ ہو گئے۔ تو ایک آواز آئی۔

”علم نباتات کے طالب علم عموماً باغ ہی میں مطالعہ کرتے ہیں“

اور اس کے بعد باقی سب ہنس دیں۔ ظاہر ہے کہ یہ چھینٹا اسی طرف تھا۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ ہمارا دل تیزی سے دھڑکنے لگا تھا مگر ابھی اس فقرہ کی گونج ختم نہ ہوئی تھی کہ دوسری آواز آئی“۔

”اس کو مطالعہ کا ٹہلانا کہتے ہیں“۔

سب کی ہنسی میں ایک مہین سی آواز آئی 'یہ کیا کر رہی ہو جمیلہ“۔

اور ہم نے ٹہلنا چھوڑ کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر پڑھنا شروع کر دیا۔ اس عرصہ میں کچھ ہنسی کی آوازیں آتی رہیں اور کن انکھیوں سے ہم نے دیکھا کہ ہماری پڑوسن ہنسنے والیوں کو آنکھ کے اشارے سے منع کر رہی ہے مگر اس منع کرنے کے

باوجود ایک آواز آئی۔

”ہم جہاں بیٹھ کے پڑھ لیں وہیں کالج بن جائے“

اور اس پر اس شدت کے قہقہے بلند ہوئے ہیں کہ ہم اٹھ کر اندر آ گئے۔ اور وہاں اپنی کامیابی کا جشن بڑے جوش و خروش سے منایا گیا جس کو ہم نے اپنی اسی میز سے دیکھا جو اسی کام کے لئے اس رخ پر لگائی گئی تھی۔ مگر اسی کے ساتھ ہم نے دیکھا کہ ہماری ہمسائی کے تیوروں سے یہ بات برس رہی ہے کہ گویا اس کو یہ طریقہ پسند نہیں آیا ہے۔ ایک لڑکی نے جو سب سے زیادہ بھونڈی صورت کی تھی مگر سب سے زیادہ چہک رہی تھی ہماری پڑوسن کے قریب آ کر کہا۔

”بھئی رعنا ہم کو افسوس ہے کہ ہم نے تمہارے پڑوسی کو ناراض کر دیا“۔

معلوم ہوا کہ اسم مبارک رعنا ہے۔ اس خوبصورت نام پر ابھی ہم وجد ہی کر رہے تھے کہ رعنا کی آواز آئی۔

”بات یہ ہے کہ آج تک اس قسم کی چھیڑ چھاڑ کبھی نہ ادھر سے ہوئی نہ ادھر سے“

ایک نیولے کی صورت کی مگر بڑی فیشن ایبل لڑکی نے کہا ”یہ آپ صفائی پیش کر رہی ہیں تو ہم کو پہلے ہی کب شبہ تھا“۔

ایک ڈبل روٹی نما لڑکی نے کہا ”مگر آدمی بے چارہ شریف ہے چپکے سے چلا گیا“۔

رعنا نے کہا ”خیر شریف تو وہ ہیں ہی اتنے دنوں سے ہم لوگ پڑوسی ہیں اور آج تک کبھی کوئی ایسی بات نہیں کی جس پر کوئی اعتراض کیا جا سکے۔

شرافت کی یہ سند ہی ہماری آنکھوں کے سامنے اپنا ہیر کٹنگ سیلون گھوم گیا جس میں ہم ایک ہاتھ میں قینچی اور ایک ہاتھ میں کنگھا لیکر کچ کچ کچ کچ کیا کرتے تھے۔ اور اس تصور کے ساتھ ہی ہم ایک دم سہم کر رہ گئے کہ خدانخواستہ اگر ان لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ ہم کون ہیں تو کیا ہو۔ اس خیال میں ہم ایسے کھوئے کہ اب جو نظر اٹھا کر دیکھتے ہیں تو وہاں بیڈ منٹن کھیلنے کی تیاریاں ہو رہی تھیں جال لگایا جا چکا تھا بلے سنبھالے جا چکے تھے ایک طرف رعنا اور وہ نیولے کی صورت کی فیشن ایبل لڑکی تھی دوسری طرف وہ سب سے زیادہ بھونڈی صورت کی لڑکی اور ایک اور لڑکی تھی جو اللہ میاں کی نہیں بلکہ عبدالرحمٰن چغتائی کی بنائی ہوئی معلوم ہوتی تھی اور وہ ڈبل نما لڑکی کورٹ کے باہر ایک اور لڑکی سے کھڑی ہوئی باتیں کر رہی تھی۔

ذرا حماقت ملاحظہ ہو کہ ابھی اپنی ہنسی اڑوا کر آئے تھے اور پھر باہر جانے کو جی چاہنے لگا۔ جلدی سے منہ دھویا۔ چہرہ پر اسنو رگڑی۔ دھوپ کا چشمہ لگایا اور گویا بڑے استغنا سے ٹہلتے ہوئے پھر اسی اسٹیج پر آ گئے جہاں سے ابھی ہوٹنگ کرا کے گئے تھے۔ وہاں کھیل پوری شد و مد سے جاری تھا کہ ہمارے پہنچتے ہی پھر ایک آواز آئی۔

”اے آمدنت باعث آبادی ما“

اور رعنا نے ڈانٹا ”یہ کیا واہیات ہے“

اس بھونڈی صورت کی لڑکی نے کہا ”اسی لئے تو ہم فارسی میں کہہ رہے ہیں تاکہ کوئی سمجھے نہیں“

ڈبل روٹی بولی ”ہاں اور کیا ورنہ یہ نہ کہتے کہ۔

ان کالی عینک والوں سے بچ کے رہنا جی“

رعنا ایک دم چیخ پڑی ”او کمبخت۔ اچھا رہ تو جا“

اور ایک دم وہ چڑیا ہمارے سامنے آ گری۔ اس لئے کہ اس مرقع چغتائی نے جان بوجھ کر ہاتھ ہی ایسا مارا تھا۔

رعنا نے تقریباً رو دینے کے انداز سے کہا ”بھئی یہ کیا کر رہی ہو تم لوگ۔

اب بتاؤ بھلا شٹل کاک کیسے آئے گا"

بہت آسان تھا کہ ہم شٹل کاک اس طرف پھینک دیتے مگر ہم نے بھی کہا کہ ہم کو کیا غرض ہے۔

نیولے کی صورت کی لڑکی نے کہا۔ مانگ لو نا جا کر رعنا"

رعنا نے کہا" ہر گز نہیں۔ میں تو کبھی بھی نہ مانگوں گی۔ واہ یہ بھی کوئی بات ہے"۔

وہ بھونڈی صورت والی بولی۔ میرے خیال میں وہ خود پھینک دیں گے ادھر"

اور ہم نے دل میں کہا کہ کبھی جو ہم پھینکیں۔ قوم کا ناک نہ کٹنا اگر ہم پھینک دیں۔ ڈبل روٹی نے کہا۔ اچھا دیکھو میں جاتی ہوں شٹل کاک لینے"

رعنا نے کہا" خدا کے لئے بخشئے آپ۔ میں خود مانگے لیتی ہوں"۔

اور رعنا کو اپنی طرف آتا ہوا دیکھ کر ہم دو قدم اور ٹہلتے ہوئے بڑھ گئے۔ رعنا نے اپنی سرحد تک آکر کہا:۔

"سنئے۔ میں نے کہا مسٹر۔ دیکھئے ذرا"

ہم نے گویا چونک کر کہا"۔ جی مجھ سے کہا۔"

رعنا نے کہا"۔ جی ہاں۔ ہمارا شٹل کاک آگیا ہے ادھر"۔

ہم نے کہا" اوہ۔ بہت اچھا ابھی لیجئے"

اور شٹل کاک اٹھا کر جائے ادھر اچھالنے کے لئے ہوئے خود رعنا کے قریب تک جا کر کہا" آج تو آپ کے یہاں بڑی چہل پہل ہے"۔

رعنا نے کہا" جی ہاں میری کچھ سہیلیاں آئی ہوئی ہیں"۔

شٹل کاک دیتے ہوئے ہم نے کہا" میرے متعلق آپ کی سہیلیوں نے جو طبع آزمائی کی ہے اس کا میری طرف سے شکریہ ادا کر دیجئے گا"

رعنا نے کہا" جی نہیں معاف کیجئے گا۔ آپ تو خود طالب علم ہوں گے اور جانتے ہوں گے کہ اسکول اور کالج کے طالب علم اسی قسم کی باتیں کیا کرتے ہیں بہر حال ان کی طرف سے میں معافی چاہتی ہوں"۔

ہم نے ہنس کر کہا"۔ میں برا نہیں مانتا ہوں بلکہ داد دے رہا ہوں بعض برجستہ فقروں کی خصوصاً اس مصرعہ کی۔

ہم جہاں بیٹھ کے پڑھ لیں وہیں کالج بن جائے"

رعنا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ جی ہاں یہ سرور تھیں۔ بڑی شاعر بنی پھرتی ہے۔

اور وہ شٹل کاک لیکر ادھر گئی اور ہم دانستہ اندر چلے آئے تاکہ اس گفتگو پر ان سہیلیوں کی رائے زنی کا تماشہ دیکھ سکیں۔ رعنا کے واپس جاتے ہی سب نے اس کو گھیر لیا۔ اس ڈبل روٹی نے کہا۔

"تو یہ کہئے کہ بڑی تفصیلی گفتگو ہوا کرتی ہے۔ خدا مبارک کرے۔"

رعنا نے کہا۔ "آپ لوگوں کے طفیل میں یہ نوبت صرف آج آئی ہے"

وہ بھونڈی صورت والی بولی۔ کیا میں پوچھ سکتی ہوں جناب سے کہ اس وقت گفتگو کا موضوع کیا تھا۔

رعنا نے کہا۔ گفتگو کا موضوع خود آپ کا مصرعہ تھا۔"

ہم جہاں بیٹھ کے پڑھ لیں وہیں کالج بن جائے"

اس نے اور بھی بھونڈے پن سے کہا" میں کس قابل ہوں یہ ان کا حسن سماعت ہے"

رعنا نے کہا۔ شکریہ ادا کر رہے تھے کہ میرے متعلق جس قدر طبع آزمائی ہوئی ہے اس کا میں شکر گزار ہوں"

ادھر تو چغتائی بولیں یہ سچ ؟"

معلوم نہیں اس کارعنا نے کیا جواب دیا جو فاصلہ کی وجہ سے ہم صاف نہ سن سکے مگر اس گفتگو کا نتیجہ یہ ہوا کہ بیڈ منٹن ختم۔ یہ چہل پہل ختم اور سب لڑکیاں سبزہ زار سے غائب ہو کر کمرے میں چلی گئیں البتہ ہم اسی انتظار میں دیر تک میز پر بیٹھے رہے کہ شاید ان کا رخ پھر ادھر ہو جائے مگر ہم کو کامیابی نہ ہو سکی۔

یہ تھی وہ پہلی گفتگو اور وہ پہلی سلسلہ جنبانی جس کے بعد اب یہ ہونے لگا کہ جب کبھی آمنا سامنا ہو جاتا ہم پوچھ لیا کرتے تھے کہ کہئے آج کیا ہو رہا ہے اور ادھر سے اس کا رسمی جواب مل جایا کرتا تھا۔ ایک آدھ مرتبہ جان بوجھ کر ہم نے اخبار مانگ لیا۔ پھر کسی کتاب کی ان سے سفارش کر دی کہ میں پڑھ رہا ہوں آپ بھی ضرور پڑھئے۔ نتیجہ یہ کہ کتابوں کا باقاعدہ لین دین شروع ہو گیا اور اس کے بعد ان کتابوں پر تبادلۂ خیال ہونے لگا۔ وہ کبھی کبھی ٹہلتی ہوئی اس طرف آجاتیں کبھی ہم کوئی بہانہ ڈھونڈھ کر اور ان کے نہایت خوفناک کتے سے جو گھوڑا بنتے بنتے خدا جانے کیوں کتا بن کر رہ گیا تھا۔ سے بچتے بچاتے ان کی طرف چلے جاتے تھے مگر اب تک کوئی باضابطہ میل جول نہ تھا۔ اور اس میل جول میں ان کی موٹی سی نہایت خشک والدہ محترمہ حائل تھیں جو قطعاً مرنجاں مرنج نظر نہ آتی تھیں بلکہ ان کے تیور نہایت حوصلہ شکن تھے۔

* * *

والد صاحب نے واقعی دو تین دن کے اندر ہی اندر خدا جانے کہاں سے ایک کرسچین خاتون کا بندوبست کر لیا جو مستقل طور پر ہمارے یہاں تشریف لے آئیں اور والدہ صاحبہ کی تربیت کے علاوہ گھر کو اپ ٹو ڈیٹ بنانے کی خدمت ان کے سپرد کر دی گئی۔ ان خاتون محترم کی عمر ہو گی کوئی بیس بائیس سال صورت شکل تو خیر واجبی ہی سی تھیں مگر چونکہ بے حد ہنس مکھ۔ نہایت شیریں زبان اور حد درجہ ملنسار اور خلیق تھیں لہذا بحیثیت مجموعی ان سے کوئی شخص بیزار نہیں ہو سکتا تھا۔ ان خاتون نے تشریف لاتے ہی گھر کا نقشہ ہی بدل کر رکھدیا۔ اس وقت کے علاوہ جو والدہ صاحبہ کی تعلیم پر وہ صرف کرتی تھیں باقی تمام وقت گھر کی صفائی اور تمام گھر کے انتظام کو باقاعدہ بنانے پر صرف کرتی تھیں۔ حد یہ ہے کہ اب ہمارے یہاں بجائے ناشتے کے چھوٹی بڑی حاضری اور بجائے کھانے کے لنچ اور ڈنر کا دورہ تھا۔ والد صاحب اب صاحب کہلاتے تھے اور ہم چھوٹے صاحب وہ تو کہئے کہ ہم نے بڑی کوشش سے والدہ صاحبہ کو بیگم صاحب رہنے دیا ورنہ ان مس صاحبہ نے تو ان کو بھی میم صاحب بنوا ہی دیا تھا۔

ان محترمہ کا اسم گرامی پال تھا اور واقعہ یہ ہے کہ بلا کی عورت تھی یہ۔ ہر وقت کسی نہ کسی کام میں مصروف اور ہر دم تازہ۔ کیا مجال کہ کسی وقت ذرا بھی تھکن یا پژمردگی اس کے چہرے پر نظر تو آجائے۔ ابھی والدہ صاحبہ کا لباس درست کر رہی

ہے تو ابھی ڈرائنگ روم میں مالی سے گلدستے لگوا رہی ہے۔ ڈرائنگ روم سے جو چلی تو خانساماں کے سر پر سوار اور اس کو کیک بنانے کے نسخے سمجھانے میں مصروف ہے وہاں سے روانہ ہوئی تو اپنی نگرانی میں والد صاحب کے سوٹوں پر استری کرانا شروع کر دی۔ چند ہی دن میں ان خاتون نے گھر کا یہ حال کر دیا کہ صبح آنکھ کھلتے ہی ہم کو اپنے بوٹ پالش سے جگمگاتے ہوئے ملنے لگے اور نوکروں کی یہ صدائیں کان میں آنے لگیں کہ حضور غسل لگا دیا ہے۔ حضور چائے لگا دی ہے۔ حضور حاضری لگا دی ہے۔ اب سے پہلے یہ چیزیں کبھی نہ لگتی تھیں۔ خود ہمارے کمروں کا یہ حال کہ آئینہ کی طرح جگمگانے لگے۔ ایک سے ایک میز پوش ہر میز پر نظر آنے لگا۔ کیا مجال کہ کسی دن بھی کوئی گلدان باسی پھولوں سے پژمردہ نظر آئے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ والدہ صاحبہ تو اب پہچانی نہ جاتی تھیں۔ ان بالوں کی کیفیت ہی اب کچھ اور تھی۔ لباس کا سلیقہ ہی کچھ دوسرا تھا۔ کپڑے وہ پہلے بھی ایک سے ایک قیمتی پہنا کرتی تھیں خود اسی گھر میں اتنے قیمتی کپڑے نکلے تھے کہ ان کو مدت تک نئے بنوانے کی ضرورت ہی نہ تھی مگر ان کپڑوں میں پہلے وہ بات نہ تھی جو اب نظر آتی تھی۔ رنگوں کا امتزاج اور کس کپڑے کے ساتھ کونسا کپڑا پہنا جائے اس کا سلیقہ تو اب مس پال کے بدولت حاصل ہوا تھا۔ پھل وہ پہلے بھی کھایا کرتی تھیں مگر اس طرح کہ اٹھا لیا ایک سیب اور سر کھجاتی جاتی ہیں اور اس سیب کو بھنبھوڑتی جاتی ہیں۔ کھانے کا عالم یہ تھا کہ برتنوں کی خدا کے فضل سے اس گھر میں کوئی کمی نہ تھی مگر وہ ہمیشہ روٹی پر سالن ڈال کر اسے مٹھی میں دبوچ لیتی تھیں اور اکڑوں بیٹھ کر کھا لیا کرتی تھیں۔ اب وہی والدہ صاحبہ چمچے استعمال کرتی تھیں۔ پھل چھری سے کاٹ کر کھاتی تھیں کھانا کھانے کے بعد جو ہاتھ قمیص کے دامن۔ دوپٹہ کے آنچل یا کبھی کبھی پاجامے کے پائنچوں سے صاف کر لئے جاتے تھے اب صابن اور تولیہ سے صاف ہونے لگے۔

کرسی پر خود بیٹھ کر اور میز پر کھانا رکھ کر کھانے میں ان کو تکلیف ضرور ہوئی بلکہ بقول ان کے کھانے کا نہ مزہ آیا نہ پیٹ بھرا مگر رفتہ رفتہ کھانے لگیں۔ نوالہ توڑ کر جہاں انہوں نے ڈونگے کی طرف بڑھایا اور مس پال نے ٹوکا۔

”ناہیم صاحب۔ اپنی پلیٹ میں کھایئے۔ ڈونگے سے نکال لیجئے جتنا جی چاہے مگر ڈونگے میں ہاتھ نہ ڈالیے۔“

شروع شروع میں اکثر خالی چمچہ ان کے منہ میں جاتا تھا اور چمچے کی ہر چیز پلیٹ میں واپس گر پڑتی تھی مگر آخر چمچے سے کھانے لگیں۔ اور مس پال کی توجہ سے اب سر کھجانے کی ضرورت بھی نہ پڑتی تھی۔ نہایت خوبصورت بال ہر وقت بنے رہتے تھے اور ان بالوں کو کبھی پھولوں سے کبھی ربن سے اور کبھی کانٹوں سے مس پال آراستہ کیا کرتی تھیں۔ والد صاحب کی خوشی کا عالم کچھ نہ پوچھئے معلوم ہوتا تھا کہ ان کو منہ مانگی مراد مل گئی۔ مس پال والدہ صاحبہ کو اپنے ساتھ پکچرس لے جاتیں اور والدہ صاحبہ کو تفریح کراتی پھرتی تھیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی دنوں میں ان کو واقعی مہذب محفلوں میں بیٹھنے کا نہ صرف ڈھنگ آ گیا بلکہ ان کی گفتگو سے بھی اب اس حد تک معقولیت برسنے لگی کہ کسی کو یہ شبہ تو خیر ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ یہ نائن ہے کوئی۔

شکر یہ ہے کہ مس پال کی زبان بہت صاف تھی یعنی اردو بولنے میں وہ عام کرسچین خواتین کی طرح ”کہنے سکتا ہے“ ”اور جانے مانگتا ہے“ کی قسم کی ترکیبیں استعمال نہ کرتی تھیں بلکہ نہایت سلیس اور بامحاورہ زبان بولتی تھیں اس کے علاوہ چونکہ وہ جانتی تھیں کہ یہ گھر مشرقی تمدن لئے ہوئے ہونا چاہئے لہٰذا وہ مشرقیت کو بھی نظر انداز نہ رہنے دیتی تھیں یعنی اس گھر سے پاندان اور اس کی اہمیت کو ختم کرانے کی انہوں نے کبھی کوشش نہ کی بلکہ خود اپنی نگرانی میں خوبصورت قسم کے

خاصدان۔ پانوں کے جھومر۔ تمباکو اور الائچی وغیرہ کی سبک ڈبیاں بنوائیں اور بڑے شوق کے ساتھ خود والدہ صاحبہ سے چھالیہ کاٹنے کی مشق بہم پہنچائی۔

اور تو اور سب سے بڑی بات یہ ہوئی کہ والد صاحب قبلہ کی فصیح و بلیغ بے نقط گالیوں کا سلسلہ ختم ہو گیا اور مس پال کی وجہ سے اب ان کو ہر وقت زبان سنبھالے رکھنا پڑی ورنہ گھر کے اندر آ کر تو وہ بغیر گالی کے بات ہی نہ کر سکتے تھے۔ خصوصاً والدہ صاحبہ سے تو اسی زبان میں تبادلہ خیال فرماتے تھے مگر مس پال کی موجودگی میں وہ خود نہایت خاموشی کے ساتھ شریف بننے کی کوشش کر رہے تھے۔

یہ دراصل والد صاحب کی نہایت زبردست سیاست تھی کہ وہ مس پال کو اس کام کے لئے گھر میں لائے۔ اگر وہ کسی مسلم خاتون کا انتظام کرتے تو ہماری قومیت کا بھانڈا ہر وقت پھوٹ سکتا تھا رہ گئیں مس پال ان کے یہاں ذات پات کا جھگڑا ہی نہ تھا اور خدا جانے وہ خود کس خاندان سے تھیں۔ مسلمان عورت ہوتی تو اس کو آتے ہی حسب نسب کی کھوج پڑ جاتی اور والدہ صاحبہ کے رنگ ڈھنگ دیکھ کر تو قطعی سمجھ لیتی کہ یہ خاک کس خمیر کی ہے۔ پھر ادھر ادھر لگائی بجھائی کا سلسلہ شروع ہو جاتا اور آخر یہ راز جنگل کی آگ کی طرح سارے شہر میں پھیل جاتا اور ہر ایک کو معلوم ہو جاتا کہ ہماری شرافت کی اصلیت کیا ہے۔ مگر مس پال اس طرف سے قطعاً خالی الذہن تھیں اور اپنے کام کو جس انہماک اور دیانتداری سے انجام دے رہی تھیں اس کا یہ کرشمہ سمجھنا چاہئے کہ اب والدہ صاحبہ کچھ کچھ سنورنے لگی تھیں۔

مس پال یوں تو سارے گھر پر اپنا سلیقہ صرف فرماتی تھیں مگر ہمارے کمروں پر کچھ خاص نظر عنایت تھی اور جب کبھی ہماری طرف تشریف لاتی تھیں ان کا انداز ہی کچھ اور ہوتا تھا۔ ہنس مکھ تو خیر وہ یوں بھی تھیں مگر ہمارے کمروں کی آب و ہوا ان کو کچھ زیادہ ہی راس آتی تھی اور ان کی شگفتگی کچھ خصوصیت سے بڑھ جاتی

کرتی تھی۔

آج ابھی ہم شب خوابی کے لباس میں بیٹھے اخبار ہی پڑھ رہے تھے کہ آپ تشریف لے آئیں اور اپنی آواز میں انتظاماً کچھ زیادہ مٹھاس پیدا کر کے بولیں۔

"صاحبزادہ صاحب میں صبح کا سلام دوپہر سے کچھ پیشتر عرض کرتی ہوں"

ہم نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا "مس پال ابھی سے دوپہر ابھی تو دس بجنے میں بھی کچھ منٹ باقی ہیں"

مس پال نے کہا "مگر آپ بہت تنگ کرتے ہیں مجھ کو اس وقت برک فاسٹ آپ نے نہیں لیا"

ہم نے کہا "دیکھئے مس پال آج آپ نے پھر یوروشین اردو بولی برک فاسٹ نہیں لیا۔ میں نے آپ سے کہا تھا کہ چائے نہیں لی اور برک فاسٹ نہیں لیا۔ یہ خالص گوراشاہی اردو ہے"

مس پال نے ہنس کر کہا "بڑے شریر ہیں آپ صاحبزادے صاحب میرے اعتراض کا جواب دینے کے بجائے آپ نے جلدی سے ایک اعتراض مجھ پر جڑ دیا۔ خیر آپ کے اس اعتراض کا شکریہ مگر آپ نے اب تک ناشتہ نوش نہیں فرمایا اس کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں کیا دس بجے تک سب کو ناشتے میں الجھائے رکھنا مناسب ہے"۔

ہم نے کہا "ہاں اب آپ صحیح زبان بولی ناشتہ نوش فرمانا بالکل ٹھیک ہے۔

مس پال نے ٹھنک کر پیر پٹختے ہوئے کہا "اب بھی آپ اپنی ہی بات کہے جاتے ہیں۔ میں کیا پوچھ رہی ہوں"۔

ہم نے کہا "بات یہ ہے مس پال کہ آپ سے زیادہ اس بات پر میرا ضمیر خود مجھ کو ملامت کر رہا ہے مگر میں آج ایک ایسا طویل خواب دیکھ رہا تھا جو ساڑھے نو بجے کے

قریب ختم ہو سکا لہذا میں مجبوراً ساڑھے نو بجے سو کر اٹھا"۔

مس پال نے کہا "مائی گاڈ۔ کس قدر باتیں بنانا جانتے ہیں آپ! اچھا اب تو وہ خواب ختم ہو گیا ہے اب تو ناشتے کے لئے تیار ہو جایئے"۔

ہم نے کہا "اچھا ایک رعایت چاہتا ہوں کہ آج بغیر غسل کے اگر ناشتہ کی اجازت مل جائے تو......

مس پال نے کہا "نہیں نہیں یہ کبھی نہیں ہو سکتا آج تو غسل بڑا ضروری ہے میں نے آج آپ کے لئے خود کپڑے نکالے ہیں اور بیگم صاحب سے پوچھ پوچھ کر اپنے ہاتھوں سے آپ کے کرتے کی آستینیں چنی ہیں"

ہم نے اٹھتے ہوئے کہا "اچھا صاحب اچھا غسل بھی ہوا جاتا ہے۔ آپ مجھ کو تیار سمجھ کر ناشتہ لگوایئے میز پر"۔

ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر حسب معمول ایک کتاب لئے باہر ٹہلنے کے لئے نکل آئے۔ سامنے ہی رعنا ایک گارڈن چیر پر بیٹھی ہوئی اپنے نوکروں سے جھولا لگوا رہی تھی۔ اس جھولے میں بید کا بنا ہوا گدے دار صوفہ ٹانگا جا رہا تھا تاکہ جھول جھول کر مطالعہ کیا جا سکے یا سہیلیوں کے ساتھ پینگ لے لیکر گپ بازی ہو سکے یا فلمی دھنیں الاپی جائیں۔ معلوم نہیں کیوں ہماری نگاہیں اس فیصلہ کی منتظر بن گئیں کہ دیکھیں اس صوفہ کا رخ کیا رکھا جاتا ہے۔ ایک صورت تو یہ ہو سکتی تھی کہ اس کو اس طرح ٹانگا جائے کہ ہماری طرف اس کی پشت ہو اور دوسری صورت وہی تھی جو ہم چاہتے تھے یعنی اس طرح اس کو ٹانگا جائے کہ ہماری طرف اس کا سامنا ہو۔

رعنا ہم کو دیکھ تو چکی ہی تھیں لہذا انہوں نے ملازموں کو دانستہ حکم دیا کہ صوفہ کو اس طرح ٹانگیں کہ ہماری طرف سامنا نہ ہو اور جب نوکر اس طرح اس کو ٹانگ چکے تو آپ نے کن انکھیوں سے ہماری طرف دیکھا۔ کچھ تبسم فرمایا اور پھر

نوکروں سے کہا "نہیں یہ غلط ہے اس کا رخ بدل دو اور اب ہماری طرف سامنا تھا۔ جی چاہا کہ شکریہ ادا کر دیں کہ کانوں میں آواز گونجی۔

"صاحبزادے صاحب"

مس پال اونچی ایڑی کے سفید جوتے پر تیرتی ہوئی ہماری طرف بڑھ رہی تھیں۔ ہم نے کہا "کہیے مس پال کیا بات ہے"۔

مس پال نے قریب آکر کہا "آپ یہاں ہیں میں نہ جانے کہاں کہاں آپ کو ڈھونڈھ آئی"

ہم نے کہا "جی ہاں میں ذرا کتاب پڑھ رہا تھا"

مس پال نے بڑی شرارت سے کہا "یہ کتاب یا وہ کتاب؟ اس نے رعنا کی طرف آنکھ کا اشارہ کیا۔

ہم نے اپنے کو سنجیدہ بنا کر کہا "کیا مطلب آپ کا؟"

مس پال نے کہا "کتاب پڑھنے کے لئے کیسی اچھی جگہ نکالی ہے آپ نے کہ ہاتھ میں کتاب ہو اور آنکھ کے سامنے تصویر۔ مگر واقعی صاحبزادے صاحب یہ لڑکی ہے بڑی خوبصورت۔ کیوں ہے نا"۔

ہم نے کہا "جی ہاں ہے تو سہی مگر آپ کا مطلب کیا ہے آخر؟"

مس پال نے کہا "بابا میں تو ایک بات کہہ رہی ہوں۔ یوں ہی کچھ خیال آگیا تھا مجھ کو کہ کتنا اچھا رہے گا یہ جوڑا اگر......

ہم نے بات کاٹ کر کہا "کسی کسی وقت آپ عجیب باتیں کرنے لگتی ہیں مس پال"

مس پال نے کہا "جی ہاں عجیب بیوقوف ہوں میں جو باتیں بیگم صاحب اور نواب صاحب سے کرنے کی تھیں وہ میں آپ سے کرنے لگی۔

ہم نے گھبرا کر کہا "کیا۔ کیا کونسی باتیں"

مس پال نے کہا "یہی کہ صاحبزادے صاحب بت سامنے رکھ کر یاد خدا کرنے لگے ہیں اب ان کی شادی جلدی سے کر دی جائے۔

ہم نے واقعی سٹپٹا کر کہا "خدا کے واسطے یہ کیا غضب کر رہی ہیں آپ آپ کو شبہ ہوا ہے شاید کچھ"

مس پال نے کہا "شبہ تو کل ہوا تھا جب آپ کو اسی طرح اسی لڑکی کو یونہی گھورتے ہوئے دیکھا تھا آج تو یقین ہو گیا ہے اور وہ لڑکی بھی آپ سے دلچسپی رکھتی ہے مجھ کو آپ کے قریب دیکھ کر بڑی حیران ہو رہی تھی۔ خیر میں اس کو سمجھا دوں گی کہ میں کوئی اور نہیں صاحبزادہ صاحب کی ملازمہ ہوں"۔

اب ہم نے دوسرا رخ استعمال کرتے ہوئے کہا "بڑی شریر ہیں آپ مس پال بات کا بتنگڑ بنانے میں کمال حاصل ہے"۔

مس پال نے کہا "جی بجا ارشاد۔ خیر اس وقت تو تشریف لے چلیے نواب صاحب یاد کر رہے ہیں۔ پھر تفصیلی گفتگو ہو گی۔

اور ہم سیدھے والد صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے کو روانہ ہو گئے۔

☆

والد صاحب قبلہ اس وقت اپنا دربار لگائے بیٹھے تھے کہ ہم باریاب ہوئے۔ ہم کو دیکھ کر نہایت وقار سے بولے۔

"ادھر آؤ بیٹے۔ ان کو سلام کرو یہ ہیں تمہارے چچا خان بہادر علی حسین خاں صاحب اپنے پڑوسی تم پوچھ رہے تھے۔

ہم نے ادب سے خان بہادر صاحب کو سلام کیا تو والد صاحب نے ہم کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے خان بہادر صاحب سے کہنا شروع کیا۔ ماشاء اللہ بے حد ذہین ہے۔ میرا قطعی ارادہ ہو چکا تھا کہ اس کو ولایت بھیجدوں تمام انتظامات مکمل ہو چکے تھے کہ یہ قیامت برپا ہو گئی۔ اور صاحب اب تو...... ایسے ایسے ہولناک مناظر دیکھے ہیں کہ اب تو ایک منٹ کے لئے بھی اس کو اپنے سے علیحدہ کرنے کا حوصلہ نہیں ہوتا۔ لاکھ اس کو سمجھاتا ہوں کہ تم کو آخر کس چیز کی کمی ہے اللہ نے دولت دی ہے عزت دی ہے نہ سہی اعلیٰ تعلیم مگر صاحبزادے کسی طرح مانتے ہی نہیں اب آپ ہی ان کو سمجھائیے بھائی صاحب تو شاید کچھ مانیں۔

خان بہادر صاحب سے پہلے ہی ایک اور صاحب جو کھیسیں نکالے بیٹھے تھے بول اٹھے۔ پیشانی پر بلند اقبال کا ستارہ بھی ماشاء اللہ روشن ہے حضور والا کان پکڑ کر عرض کرتا ہوں کہ قیافہ شناسی میں اس غلام نے آج تک دھوکہ نہیں کھایا۔ اگر میرا قیافہ درست ہے تو صاحبزادے کو بہت بڑا آدمی بننا ہے بیٹے ذرا اپنا ہاتھ ادھر بڑھانا"۔

خان بہادر صاحب نے ہنس کر کہا "ہمارے مرزا صاحب بھی عجیب چیز ہیں فرسات الید کا شوق جنوں کی حد کو پہنچا ہوا ہے"۔

بہر حال ہم نے ہاتھ پیش کر دیا حالانکہ ہاتھ رسید کرنے کو جی چاہ رہا تھا۔ مرزا صاحب نے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر پہلے تو بغور دیکھا پھر کچھ خود ہی ہوں ہوں "کرتے رہے اور دو تین منٹ کی خاموشی اور غور و فکر کے بعد ایک دلربا مسکراہٹ کے ساتھ بولے "حضور والا میری یہ عرضداشت گرہ میں باندھ لیجئے کہ آپ کے خاندان کا نام یہی صاحبزادے روشن کریں گے علم تو خیر ہے ہی مگر دولت کی بھی انتہا نہیں ہے۔ اگر دولت والی لکیر کو یہ چھوٹی چھوٹی لکیریں کاٹ نہ دیتیں تو یہ ہاتھ بادشاہ کا ہاتھ ہونا چاہئے۔ یہ لکیر شروع سے نہایت عمدہ چلی ہے مگر آخر میں آ کر کچھ قینچی سی بن گئی ہے۔

قینچی کا نام سن کر ہم نے تو خیر ہاتھ کھینچ ہی لیا کہ اب اس کمبخت کو استرا اور پھر ناخن گیر بھی نظر آ جائے گا مگر اس قینچی کے لفظ نے والد محترم کو بھی کچھ پریشان سا کر دیا اور ہم نے دیکھا کہ ان کے چہرے پر بھی ایک رنگ آیا اور ایک گیا مگر وہ بڑے حاضر دماغ بزرگ ہیں بات ٹال کر بولے۔

"خیر یہ تو عقیدے کی بات ہے میں ان باتوں پر اعتقاد نہیں رکھتا۔ مقدر کا لکھا نہ کسی نے پڑھا ہے نہ کوئی پڑھ سکتا ہے۔

وہ قائل ہوں یا نہ ہوں لیکن ہم تو مرزا صاحب کو مان گئے کہ ان کو ہاتھ میں نظر بھی آئی تو قینچی۔ ان کی مہارت اور فنکاری کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا تھا کہ وہ اس ہاتھ میں قینچی دیکھنے میں کامیاب ہو گئے۔ ہم ابھی مرزا صاحب کی اس مہارت پر حیران ہی ہو رہے تھے کہ خان بہادر صاحب نے ہم کو مخاطب فرمایا۔

"برخوردار پھر اب کیا ارادے ہیں۔ آپ کے والد صاحب آپ کو باہر بھیجنے پر

راضی نہیں مگر تعلیم کی تکمیل بھی ضروری ہے۔

ہم نے کہا "ویسے تو تعلیم کا سلسلہ جاری ہی ہے مگر میں تو اس لئے باہر جانا چاہتا تھا کہ پاکستان میں بھی ہم کو فی الحال وہی تعلیم دی جا رہی ہے جس کا مقصد در اصل تعلیم یافتہ بنانا نہ تھا بلکہ اطاعت شعار اور وفا کیش غلام ڈھالنا تھا۔

مرزا صاحب نے ایک نعرہ بلند کیا۔ بھئی ماشاء اللہ۔ زندہ باش۔ کیا بات کہی ہے صاحبزادے صاحب نے یہ بات میں مدت سے کہنا چاہتا تھا مگر اتنے خوبصورت الفاظ نہ مل رہے تھے کہنے کے لئے۔ آپ نے میرے دل کی بات کہہ دی صاحبزادے"

خان بہادر صاحب جو حیثیت خان بہادر کے ازلی طور پر غلامانہ ذہنیت رکھتے تھے اس بات سے بہت زیادہ خوش تو نہ ہوئے مگر چونکہ اب کسی مزید خطاب کی کوئی امید نہ تھی لہٰذا خوش بھی نہ ہوئے اور عجیب معتدل انداز سے بولے۔ یہ تو میرے خیال میں خود اپنے اوپر منحصر ہے کہ تعلیم کس نقطہ نظر سے حاصل کی جاتی ہے یہ درست ہے کہ ہمارا نظام تعلیم ناقص ہے اور اصلاح طلب بھی مگر اسی تعلیم نے ہم میں آزادی کا شعور بھی پیدا کیا اس سے آپ انکار نہیں کر سکتے۔

ہم نے کہا "درست فرمایا آپ نے مگر یہ شعور اس قدر عام نہیں ہوا جس قدر کلرکی عام ہو گئی۔ آزادی کا پرچم سنبھالنے والے تو چند ہی پیدا ہوئے مگر دفتروں میں حاضری دے کر فدوی بن جانے والے بے شمار اس تعلیم نے پیدا کئے۔ مگر میں آپ سے اس حد تک متفق ہوں کہ اسی تعلیم کو ہم فی الحال مقصدی تعلیم بنا سکتے ہیں بشرطیکہ ہم کو یہ احساس بھی رہے کہ ہم ہی ان خامیوں کو دور کریں گے جو ہم کو نظر آ رہی ہیں۔

خان بہادر صاحب نے والد صاحب کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔ بھئی نواب صاحب۔ ماشاء اللہ بڑی سمجھداری کی باتیں کرتے ہیں صاحبزادے میں ان

http://www.paktunplace.com

سے بات کر کے بے حد خوش ہوا اور اس نتیجہ پر بھی پہنچ گیا ہوں کہ حصول تعلیم کے بعد ان کو یہی مشغلہ اختیار کرنا چاہئے یہ بہت اچھے پروفیسر بن سکتے ہیں۔

مرزا صاحب نے فرمایا ”بالکل یہی میں بھی عرض کرنے والا تھا اور اظہار خیال کے لئے مناسب الفاظ تلاش کر رہا تھا کہ آپ نے میرے دل کی بات کہدی۔

والد صاحب نے فرمایا ”بھائی جان میں نے تو کبھی ان صاحبزادے کے معاملات میں دخل ہی نہیں دیا کہ تم کیا پڑھو اور کیا نہ پڑھو۔ یہ جو کچھ ہے سب خود ان کے ذاتی شوق کا نتیجہ ہے اور آئندہ بھی یہ جو کچھ کریں گے اپنے ہی شوق سے کریں گے ورنہ سچی بات تو یہ ہے کہ میرے لئے جو کچھ ہیں وہ صرف یہی ہیں اندھے کی لاٹھی سمجھتا ہوں ان کو اللہ آمین سے پالا ہے اور ان ہی صاحبزادے کو دیکھ دیکھ کر جیتے ہیں۔ اب آپ ہی بتایئے کہ ان کو کس دل سے سات سمندر پار بھیج کر میں یا ان کی ماں زندہ رہیں گے۔

خان بہادر صاحب نے کہا ”نہیں صاحب ولایت وغیرہ بھیجنا تو خیر واہیات ہے نہ یہ آپ سے ممکن ہے نہ میں اس کی رائے دوں گا۔ میں خود اسی قسم کی ضد کا مدت سے مقابلہ کر رہا ہوں صاحبزادی صاحبہ یہی چاہتی ہیں کہ ماں کلیجہ پر پتھر رکھ لے۔ باپ اپنے دل کو فولاد بنا لے اور ان کو انگلستان بھیج دیا جائے۔ میں تو کہتا ہوں کہ سلام ہے ایسی اعلیٰ تعلیم کو جو اولاد ہی کو چھوڑوا دے۔

مرزا صاحب نے فرمایا ”صاحبزادی صاحبہ یعنی وہ تو گویا لڑکی ذات ہیں اور وہ جانا چاہتی ہیں انگلستان گویا انگلینڈ۔

والد صاحب نے فرمایا۔ اے جناب اس نئی روشنی میں لڑکے اور لڑکی کا فرق بھی تو اس تعلیم نے اٹھا دیا ہے۔ مگر ایک بات ہے کہ ماشاء اللہ رعنا بی بی بھی لکھنے پڑھنے کی بے حد شوقین ہیں“۔

خان بہادر صاحب نے بجائے والد صاحب کو جواب دینے کے ہم سے کہا ”فرحت میاں تم ملے ہو کبھی رعنا سے“

خان بہادر صاحب نے فرمایا ”یہ بھی تو آج کل کا ایٹی کیٹ ہے کہ براہ راست ملاقات پیدا نہیں کی جاتی۔ خیر میں تقریب ملاقات پیدا کروں گا اگر آپ یہی چاہتے ہیں کہ اس سلسلہ میں ایک آدھ مرغی اپنی جان سے جائے اور کچھ مچھلیوں کا خون ہو تو یہی سہی کل آپ میرے ساتھ رات کا کھانا کھائیں وہاں آپ دونوں کا تعارف کرا دیا جائے گا اور آپ دونوں کے طفیل میں ہم لوگ بھی ذرا تکلف قسم کا کھانا کھا لیں گے تو پھر نواب صاحب طے رہا۔ مرزا صاحب آپ بھی بھولئے گا نہیں“۔

والد صاحب نے کہا ”مرزا صاحب زیادہ سے زیادہ اگر بھولے تو بجائے رات کے شاید دن کے کھانے پر پہنچ جائیں ویسے اس قسم کے معاملات میں ماشاء اللہ حافظہ کافی تیز ہے“

مرزا صاحب نے حسب معمول کھیسیں نکال کر کہا ”کیا بات فرمائی ہے حضور والا نے بہر حال میں انشاء اللہ حاضر ہو جاؤں گا۔ کل ہے گویا دو شنبہ۔ جی ہاں ٹھیک ہے میں حاضر ہو جاؤں گا۔

والد صاحب نے کہا ”گویا دو شنبہ نہ ہوتا تو شاید آپ تشریف نہ لا سکتے۔ مرزا صاحب بس یہی باتیں بری لگتی ہیں۔

مرزا صاحب نے جلدی سے کہا ”یہ بات نہیں ہے قبلہ بلکہ قصہ دراصل یہ ہے کہ مجھے سہ شنبہ کا خیال رہا۔ سہ شنبہ کو مجھے ایک اور کرم فرما کے یہاں اتفاق سے کھانے پر جانا ہے اگر کل سہ شنبہ ہی ہوتا خدانخواستہ تو مجھے بے حد قلق ہوتا۔

یہ بیچارے مرزا صاحب والد صاحب اور خان بہادر صاحب دونوں کے مصاحب کی حیثیت رکھتے ہیں، دریافت ہیں والد صاحب کی مگر اب خان بہادر

صاحب سے بھی پینگ بڑھائے ہیں۔ کام آپ کا صرف یہ ہے کہ بس روسا کی دربارداری کرتے رہیں اور ان ہی کو خوش کر کے اپنا بھلا کرتے ہیں۔ مصاحب میں جو خصوصیات ہونا چاہئیں ان میں سے سوائے عقل کے اور سب کچھ مرزا صاحب میں موجود ہیں جا اور بے جا رئیس کی تائید کر رہے ہیں وہ دن کو رات کہہ رہا ہے تو آپ ثبوت بہم پہنچا رہے ہیں دن کے رات ہونے کے۔ رئیس کو جو شوق ہے اس میں آپ پیش پیش ہیں کہیں تاش کھیل رہے ہیں تو کہیں شطرنج کے شاطر بنے ہوئے ہیں۔ ہم کو تو اس بیچارے پر ترس آیا کرتا ہے کہ غریب کی ذاتی زندگی گویا کچھ ہے ہی نہیں پیٹ جو کچھ بھی کرائے۔ سنا ہے کہ کبھی خود بھی اچھے دن دیکھ چکے ہیں اور اپنا سب کچھ اپنی شوقینیوں کے پیچھے لٹا کر اب دوسروں کے دستر خوان کی مکھی بنے ہوئے ہیں اس لئے کہ خود نہ کوئی صلاحیت نہ علم۔

خان بہادر صاحب کے رخصت ہونے کے بعد والد صاحب نے مرزا صاحب سے کہا۔ بھئی مرزا تمہارا احدود ارعہ سمجھ میں نہ آیا۔ آخر اس قدر بننے کی کیا ضرورت تھی کہ کل دوشنبہ ہے نا”

مرزا صاحب نے بہت عاجزی کے ساتھ کہا ”اب میں کیا عرض کروں آپ تو سفید پوشی کا پول کھول دیتے ہیں۔ پس و پیش صرف یہ تھا کہ دعوت تو خیر انہوں نے دے دی مگر میں پہن کر کیا جاؤں گا دھوبی کمبخت کو بھی میری اکلوتی شیروانی لے جا کر مرنا تھا۔

والد صاحب نے کہا ” تو یہ کہو نا کہ شیروانی چاہئے تم کو فرحت میاں میری کوئی شیروانی لا کر مرزا صاحب کو دے دو۔ میرے خیال میں وہ سرمئی شیروانی لا دو جس کے ساتھ کی تمہاری شیروانی بھی ہے۔“

ہم نے والد صاحب کے کپڑوں کی الماری سے سرمئی شیروانی لا کر مرزا

صاحب کو دے دی اور مرزا صاحب کے چہرے پر اس قدر شادابی پیدا ہو گئی گویا یہ شیروانی ان کے لئے آب حیات ثابت ہوئی۔ سرو قد کھڑے ہو کر شیروانی پہنی اور زمین دوز تسلیمات بجا لا کر رخصت ہو گئے۔ مرزا صاحب کے جانے کے بعد ہم نے بڑے تاثر کے ساتھ کہا ”بیچارہ سخت مصیبت زدہ ہے“

والد صاحب نے قہقہہ لگا کر کہا ” صاحبزادے ہیں آپ۔ یہ بڑے بہروپئے ہیں۔ یہ تو کاریگری تھی ان حضرت کی اس قسم کی ترکیبیں نہ کریں تو کام کیسے چلے ان کا یوں ہی مارتے کھاتے رہتے ہیں۔ میں خوب سمجھتا ہوں اور جان بوجھ کر اعانت کرتا ہوں مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مجھے ان سے کوئی توقع بھی ہے۔ اگر اسی وقت کوئی دو ہزار گالیوں میں اپنی طرف سے بھی اتنا ہی اضافہ کر دیں گے۔ میرا اصول تو یہ ہے کہ پہچانو سب کو مگر موقع ملے تو سلوک ضرور کرو اور پھر کوئی توقع کسی سے نہ رکھو“

والد صاحب یہ باتیں کر رہے تھے اور ہم غور کر رہے تھے کہ واہ ری تیری شان کہ تو نے ایک حجام کو کتنا بڑا دماغ عطا کیا ہے۔ یہ عالی ظرفی اور ایک نائی میں۔ یہی والد صاحب وہ ہیں جو بال کاٹنے کے بعد رئیسوں سے کہا کرتے تھے کہ آئینہ دیکھ کر اگر حضور خوش ہو جائیں تو بال کٹوائی کے بعد انعام کا بھی حقدار ہو جاؤں گا اور آج ان ہی کی سیر چشمی اور عالی ظرفی کا یہ عالم ہے سچ کہا ہے کسی نے کہ۔

خدا جب حسن دیتا ہے نزاکت آ ہی جاتی ہے

والد صاحب اس وقت غیر معمولی طور پر خوش تھے اور خوش ہونے کی بات بھی تھی کہ خان بہادر صاحب نے ہم کو اپنی بیٹی سے متعارف کرنے کے لئے کھانے پر بلایا تھا اس کا مطلب ظاہر ہے کہ وہ گویا خود تو پسند ہی کر چکے تھے اپنی غلامی میں اس خاکسار کو لینے کے لئے اور اب گویا اپنی صاحبزادی اور اپنی بیگم صاحبہ کو دکھانا

چاہتے تھے۔ والد صاحب نے مارے خوشی کے کہا "کل وہی سوٹ پہن کر جانا وہ جو کالا ہوا لیا ہے۔ کیا کہتے ہیں اس کو"

عرض کیا "ڈرس سوٹ"

کہنے لگے "ہاں وہی۔ کھانے پر وہی تو پہن کر جاتے ہیں نا فیشن ایبل لوگ مگر میں سوچ رہا ہوں کہ میں کیا پہنوں گا"

ہم نے کہا "آپ سیاہ شیروانی پہنیئے گا وہ بھی تو کھانے کا لباس ہے"

والد صاحب نے کہا "میاں یہ کھانے کا لباس اور کھانے کا جوتا۔ سچ پوچھو تو میری سمجھ ہی میں نہیں آتا۔ میں کہتا ہوں وہ جامے وار کی شیروانی کیوں نہ پہنوں جو س گھر میں سے نکلی ہے"

ہم نے کہا "ہے تو وہ بھی قیمتی چیز مگر ڈر یہی لگتا ہے کہ اس گھر کے پچھلے مالک کو پہنے ہوئے نہ دیکھی ہو کسی نے"

والد صاحب نے کہا "اب کون دھرا ہوا ہے یہاں اس گھر کے پچھلے مالک کو دیکھنے والا اور اس کے کپڑے پہچاننے والا۔ وہ جو مرزا کو ابھی دی ہے، میں نے شیروانی وہ بھی تو اس گھر کے پچھلے مالک ہی کی تھی۔ بہر حال احتیاطاً اچھی چیز ہے میں سیاہ شیروانی ہی پہن لوں گا اور میرا کیا ہے۔ بر دکھو۲ تو تمہارا ہے ذرا سلیقہ سے جانا اور سوٹ میں جس چیز کی کمی ہو اس کا انتظام آج ہی کل کر لینا۔ اللہ نے چاہا تو تم کو دیکھ کر جس طرح خان بہادر ریجھے ہیں ان کی بیگم بھی پسند کریں گی۔ بہت ہی نپی تلی باتیں کرنا۔ بس کسی بات سے یہ اندازہ نہ ہونے پائے کہ ان کی شان دیکھ کر گویا مرعوب ہو گئے ہیں"

اس دعوت کے سلسلے میں اس قسم کی نصیحتوں کا سلسلہ دیر تک جاری رہا۔

* * *

مس پال کو اطلاع مل چکی تھی کہ آج ہم کو ڈنر پر جانا ہے۔ بس ان کے لئے اتنا ہی کافی تھا۔ صبح ہی سے ڈرس سوٹ اور اس کے لوازمات کی ان کو فکر تھی۔ کپڑوں پر استری ہو رہی ہے۔ جوتا چمکایا جا رہا ہے۔ والد صاحب کی شیروانی پر استری ہو رہی ہے۔ ان کے پمپ کو آئینہ ساماں بنانے کی فکر ہے۔ وہ تو ان باتوں میں الجھی ہوئی تھیں اور والد صاحب اور والدہ صاحبہ کی کانفرنس الگ ہو رہی تھی جس کے ایک خاموش تماشائی ہم بھی تھے۔

والدہ صاحبہ نے سخت حیرت سے کہا "میری تو عقل چکر میں ہے کہ بیٹی سے ملانے کے لئے باپ نے خود دعوت دی ہے"

والدہ صاحبہ نے کہا۔ مگر کیا سچ مچ وہ بیٹی سے کہیں گے کہ یہ لڑکا میں نے تمہارے لئے پسند کیا ہے۔

والد صاحب نے کہا "رہیں گھامڑ کی گھامڑ۔ ہزار مرتبہ کہہ چکا ہوں کہ آج کل کا طریقہ یہی ہے کہ بڑے گھرانوں میں لڑکی سے پسند کرایا جاتا ہے لڑکا۔

والدہ صاحبہ نے کہا "ہائے میرے اللہ۔ پسند کرایا جاتا ہے"۔

والد صاحب کو غصہ آنے لگا "مس پال نے حلیہ تو ضرور بدل دیا ہے تمہارا مگر دماغ کا کوڑا اب تک صاف نہیں کیا ہے"۔

والدہ صاحبہ نے پہلو بدل کر کہا "نابابا۔ میں نے تو نہ کبھی دیکھا نہ سنا۔ اور میں تو یہ کہتی ہوں کہ ایسی بہو بیاہ کر آبھی گئی تو دو ہی دن میں ساس کا چونڈا کاٹ کر ہتھیلی

پر رکھدے گی۔

والد صاحب نے کہا "اب ایسا خوش نصیب میں نہیں ہوں کہ وہ تمہارے ساتھ یہ سلوک کرے۔ جی تو یہی چاہتا تھا کہ تمہارے ساتھ اس کا یہی برتاؤ ہو مگر انسان کا جو کچھ جی چاہتا ہے وہ ہوا نہیں کرتا۔ تو تمہارے خیال میں یہ جو کچھ ہو رہا ہے غلط ہے"

والدہ صاحبہ نے کہا "میں تو یہی جانتی ہوں کہ ٹاٹ میں مخمل کا پیوند راس نہیں آسکتا ہے"۔

والد صاحب اب بے تکلف ہو گئے۔ چغد ہیں آپ۔ عجیب اوندھی کھوپڑی پائی ہے۔ اصل میں حماقت میری ہی ہے کہ میں تم سے یہ باتیں کرنے بیٹھ جاتا ہوں، تم تو اسی وقت ٹھیک تھیں جب پچاس جوتے صبح اور پچاس شام کو بلاناغہ برس جایا کرتے تھے۔

والدہ صاحبہ نے برا مانے بغیر کہا۔ میرا کیا ہے تم بھی تو بھگتو گے۔ داڑھی کا ایک بال جو چھوڑے"

والد صاحب نے کہا "جی نہیں وہ آپ کی طرح قوم کی نائن نہیں ہے کہ سر کا شیو بنانے بیٹھ جائے"

والدہ صاحبہ نے اب مطلب کی بات کہی "اچھا تو میں پوچھتی ہوں کہ نجو میں کیا برائی ہے"

والد صاحب نے سنبھل کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ نجو؟۔ تمہارے بھائی کی لونڈیا۔ اب اتاروں میں جوتا۔ خون تھکوا دیا ہے حرامزادی نے۔ ہم ہیں کہ میم نوکر رکھ کر اس کو آدمیت کے جامے میں لا رہے ہیں مگر وہی مثل کہ کتے کی دم بارہ برس کے بعد نلکی سے نکالی گئی تو ٹیڑھی کی ٹیڑھی نکلی۔ چلی ہے اپنے بھائی کی لونڈیاں کو بہو بنانے چندھی چپڑی۔ جاہل۔ گنوار کی لٹھ نائی کی اولا نائن۔ وہ آئے گی گویا اب نواب عظمت

اللہ خان کی بہو بن کر۔ تھو ہے میری واقعات پر"

والدہ صاحبہ نے ترکی بہ ترکی کہا۔ "آدمی اتنا بھی اپنی اصلیت کو نہ بھولے کہ اپنوں ہی کو ذلیل سمجھنے لگے"

والد صاحب نے واقعی عاجز آکر کہا۔ دیکھ میں تجھ سے کہتا ہوں کان کھول کر سن لے کہ اگر تو اپنی ان باتوں سے باز نہ آئی تو فارغ خطی دے کر نکال باہر کروں گا سمجھی کہ نہیں۔ کوئی پوچھے اگر ہم کو ان ہی نائیوں حجاموں سے رشتے جوڑنا ہوتے تو یہ سب ڈھونگ رچنے کی آخر ضرورت ہی کیا تھی، ساری دنیا کی زبان سوکھ رہی ہے، نواب صاحب نواب صاحب کہتے ہوئے اور یہ چلی ہے اپنے بھیا کو سمدھی بنانے جو اب تک سلی پر استرے تیز کرتا پھرتا ہوگا وہیں ہندوستان میں۔ خبردار جو اب کبھی اس کا نام بھی لیا"

والدہ صاحبہ نے کہا "لو اور سنو تو کیا تمہارا مطلب یہ ہے کہ میں اپنے ماں جائے کو بھول جاؤں گی۔

والد صاحب نے بہت ضبط سے کام لے کر ہم کو مخاطب کیا "فرحت میاں اب تم سمجھاؤ اس کو نہیں تو میں شروع کرتا ہوں جوتہ کاری"

اور ہم مس پال کو اس طرف آتا ہوا دیکھ کر لپکے اسی کی طرف تاکہ اس کو ٹال لے جائیں ورنہ وہ بھی دیکھ لیتی کہ یہ نواب صاحب اور بیگم صاحبہ کس زبان میں محبت کرتے ہیں۔ دروازے کے اسی طرف مس پال کو روک کر ہم نے کہا "مس پال آپ ذرا میرے ساتھ آیئے"

مس پال کو تو خدا یہ موقع دے کہ ہم ان کو بلائیں۔ ایک دم کھل کر اور ستر بل کھا کر بولیں۔ خیریت تو ہے۔ آپ کو اور مجھ سے کام؟'

ہم واقعی مس پال سے ذرا دور ہی کی علیک سلیک کے قائل تھے اس لئے کہ

ان کے متعلق رفتہ یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ کچھ ضرورت سے زیادہ ہی دلچسپی لینے لگی تھیں اس خاکسار سے اور کچھ عجیب شکاری نگاہوں سے دیکھا کرتی تھیں ہم کو مگر اس وقت تو ان کو ٹال لے جانا مقصود تھا۔ لہٰذا ہم نے نہایت میٹھے انداز سے کہا "کیوں کیا آپ سے کام نہیں پڑ سکتا کسی کو"

مس پال نے ہمارے پیچھے لپکتے ہوئے کہا۔ کسی اور کی بات نہیں یہاں سوال آپ کا ہے جو مجھ سے خدا جانے کیوں ناراض رہتے ہیں"

ہم نے اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا "ناراض ؟ یعنی میں ناراض رہتا ہوں آپ سے ؟ ناراضگی کی بھلا کونسی بات ہے"

مس پال نے اپنے خرانٹ چہرے پر زبردستی معصومیت پیدا کرتے ہوئے کہا "یہ تو آپ کو معلوم ہوگا۔ میں تو ہر کوشش کر کے تھک چکی ہوں کہ آپ مجھ سے اس قدر بیزار نہ رہیں مگر سوائے اپنی بدقسمتی کے اور کیا سمجھ سکتی ہوں اس کو کہ آپ کبھی سیدھے منہ بات بھی نہیں کرتے۔

ہم نے بھی زبردستی مسکرا کر کہا "نہیں مس پال یہ آپ کا شبہ ہے۔ میں آپ سے بھلا کیوں ناراض ہونے لگا۔ آپ تو میرا اتنا خیال رکھتی ہیں اور مجھ کو اندازہ ہے کہ سب سے زیادہ توجہ آپ میرے ہی کاموں پر صرف کرتی ہیں کیا میں اتنا احسان فراموش ہوں کہ پھر بھی آپ سے ناراض ہوں"

مس پال نے بڑے دلیرانہ انداز سے فرمایا "شکر ہے آپ کو اتنا بھی اندازہ ہے۔ بہر حال آپ بتائیے کام کیا تھا اس وقت"۔

ہم نے کہا "جی نہیں اب تو سب سے بڑا کام یہ ہے کہ آپ اپنے دل سے یہ غلط فہمی دور کیجیے کہ میں آپ سے ناراض یا بقول آپ کے بیزار ہوں"

ہم کو کیا معلوم تھا کہ مس پال اس موقع سے اتنا بڑا فائدہ اٹھالیں گی ایک دم کچھ

مجوب سی ہو کر بولیں۔ "تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ بڑے بھولے ہیں جو ایک عورت کی نظریں بھی نہیں پہچان سکتے اور ان نظروں کی التجائیں بھی نہیں سمجھ سکتے"

ایمان کی بات یہ ہے کہ ہم اس صاف گوئی کے متوقع ہی نہ تھے ایک دم بھونچکا سے رہ گئے اور سب کچھ سمجھ لینے کے بعد بڑی معصومیت سے کہا "یہ آپ کو کیسے معلوم کہ میں نہیں سمجھتا ہوں میں تو برابر ابا جان سے کہا کرتا ہوں کہ مس پال میرے کاموں سے غیر معمولی دلچسپی لیتی ہیں۔ اور میں ان سے بہت خوش ہوں وہ میرے لئے ایک بہترین دوست ثابت ہو رہی ہیں"

مس پال نے آنکھوں کو مٹکا کر کہا "بس دوست.... یعنی صرف دوست"

مس پال تو اس وقت بری طرح گلے پڑ رہی تھیں۔ آئے تھے نماز بخشوانے یہاں تو روزے بھی گلے پڑ گئے۔ ہم نے پھر بھی اپنے حواس بجا رکھتے ہوئے کہا "دوست کو آپ آخر کیا سمجھتی ہیں۔ بڑی چیز ہوتا ہے دوست مس پال۔ آپ کو معلوم ہے میرے صرف چند دوست ہیں اور ان میں سے ایک آپ بھی ہیں۔

مس پال نے کہا "غالباً آپ خان بہادر صاحب کی لڑکی کو دوست سے زیادہ کچھ سمجھتے ہیں"

ہم نے اب سچ بولنا شروع کیا "وہ تو خیر بات ہی دوسری ہے۔ یہ ان کا ذکر آپ کہاں لے دوڑیں"

مس پال نے دل شکستہ ہو کر کہا "جی ہاں میں بیکار ہی یہ ذکر لے دوڑی تھی۔ خیر چھوڑیے اس ذکر کو۔ آپ کام بتائیے"

ہم نے بھی موقع غنیمت جان کر کہا۔ "کام یہ تھا مس پال کہ آج تو خیر ہم لوگ خان بہادر صاحب کے یہاں کھانے پر جا رہے ہیں مگر میں اپنے چند دوستوں کو کل یا پرسوں کھانے پر بلانا چاہتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ کھانا رات ہی کا ہوگا میں صبح آپ کو

http://www.paktunplace.com

قطعی فیصلہ کر کے بتادوں گا اب آپ یہ فرمایئے کہ چھ سات آدمیوں کے کھانے کے لئے کیا اہتمام کرنا چاہئے“

مس پال نے کہا ”آپ کے حکم کی دیر ہے اہتمام تو میرا کام ہے وہ میں کرلوں گی۔ “

ہم نے کہا ”میرا مطلب یہ ہے کہ ڈشز کیا کیا ہوں گی“

مس پال نے بے رخی سے کہا ”جب آپ فیصلہ کریں گے تو فہرست بتادوں گی اور آپ کی منظوری لے لونگی“

ظاہر ہے کہ نہ کوئی دعوت تھی نہ کسی کا کھانا مقصد تو تھا مس پال کو ذرا ٹالے رکھنا حالانکہ جب مس پال چوبیس گھنٹے اسی گھر میں ہیں اور یہ راز و نیاز جو والد صاحب اور والدہ صاحبہ کے درمیان ہوتے ہیں معمول کی حیثیت رکھتے ہیں تو آخر مس پال سے یہ بات کب تک چھپائی جا سکتی ہے۔ مس پال کو بمشکل وہاں سے ٹال کر یہاں لائے تھے تو اتنی ہی دیر میں والد صاحب غصہ سے بے قابو یہاں بھی تشریف لے آئے۔ ان کو دیکھتے ہی ہم نے سب سے پہلے مس پال سے کہا ”اچھا تو میں آپ کو صبح اطلاع دوں گا آپ جا سکتی ہیں“ ان کے جانے کے بعد والد صاحب نے غصہ سے کانپتے ہوئے کہا ”یہ جو تمہاری ماں ہے حرامزادی نائن کہیں کی یہ مجھ کو زندہ نہ رہنے دیگی اور اسی کے ہاتھوں سارا بھانڈا پھوٹے گا“

ہم نے موقع غنیمت جان کر کہا ”آپ جس وقت ان پر غصہ کرتے ہیں اس وقت یہ بھی بھول جاتے ہیں کہ ان سے پہلے بھانڈا پھوڑے گا آپ کا غصہ آپ کو یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ مس پال اس گھر میں ہیں وہ یہ گالم گلوچ سنیں گی تو کیا کہیں گی اب اس وقت آپ ان کو نائن کہہ رہے ہیں اور یہ بھی خیال نہیں کہ دیوار کے بھی کان ہوتے ہیں“

والد صاحب نے ذرا دھیمے پڑ کر کہا ”تو بتاؤ میں کیا کروں۔ اب اس کو یہی رٹ لگی ہوئی ہے کہ اپنے بھائی کو نجو کے لئے زبان دے چکی ہے وہ کسی طرح نہیں چاہتی کہ خان بہادر کے یہاں نسبت ہو“

ہم نے کہا ”اس کا طریقہ یہ ہے کہ میں خود ان کو سمجھاؤں گا اور ان کو یقین دلادوں گا کہ نجو کا سوال اس لئے پیدا نہیں ہوتا کہ میں خود اس کے ساتھ شادی کرنے کو تیار نہیں ہوں۔ مگر آپ تو اپنے غصے کو قابو میں رکھئے“

والد صاحب نے کہا ”میں تو خود گھر میں قدم نہیں رکھتا۔ زیادہ تر باہر ہی رہتا ہوں اسی سر پھری عورت کی وجہ سے مگر کبھی تو بات کرنا ہی پڑتی ہے اور جب بات کرتا ہوں کوفت ہوتی ہے۔ میں جتنا جتنا آگے بڑھتا جاتا ہوں اتنا ہی اس عورت کا ڈر میری جان نکالے رہتا ہے کہ اگر اس نے حقیقت کھول دی تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں گے۔

ہم نے کہا ”آپ اس طرف سے اطمینان رکھئے میں پوری کوشش کروں گا کہ وہ نجو کا خیال اپنے دماغ سے نکال دیں“

والد صاحب نے کہا ”ایک نجو کا خیال کیا ضرورت تو ہے کہ وہ ایک دم سب کی بھول جائے اور نظر یہ آرہا ہے کہ وہ اپنی اصلیت کسی طرح نہ بھولے گی مس پال کے بدولت سلیقہ آگیا ہے۔ کچھ لکھ پڑھ بھی گئی ہے مگر دماغ وہی نائن کا ہے سیدھی بات کرتے کرتے ایک دم وہی رگ پھڑکتی ہے اور قابو سے باہر ہو جاتی ہے، اب کہہ رہی تھی کہ مجھ کو مار ڈالو مگر میں اپنے بھائی کو تو نہیں چھوڑ سکتی“

ہم نے کہا ”اس کا بھی علاج ہے۔ آپ ذرا سیاست سے تو کام لیں کچھ دن چپ رہئے جب وہ اس نئی زندگی کے معیار کی عادی ہو جائیں گی اور جب اونچی سوسائٹی کا مزہ چکھ لیں گی تو خود ہی سب کچھ بھول جائیں گی۔ عورت ہیں بچاری اور جس ماحول

http://www.paktunplace.com

http://www.paktunplace.com

میں اپنی خامیوں کو پختہ کر چکی ہیں اس سے مجبور بھی ہیں"

والد صاحب نے بدستور مایوسی کے ساتھ کہا "سو باتوں کی ایک بات یہ ہے کہ اصل نسل کی نائن ہے۔ اصلیت مشکل ہی سے بھولے گی اور اس کی وجہ سے مجھ کو ہمیشہ یہ دھڑکا لگا رہے گا کہ کب بھانڈہ پھوڑتی ہے۔ مس پال بیچاری اوپر سے قلعی تو کر سکتی ہے مگر تانبے کو چاندی نہیں بنا سکتی۔

تانبے کو چاندی بنانے کی کیمیاگری مس پال سے کیا کسی سے ممکن نہ تھی والدہ صاحبہ کو تو کہتے ہیں مگر خود بدولت جب اپنی اصلیت پر آتے ہیں تو کیا کمی اٹھا رکھتے ہیں بیوی سے گالم گلوچ اور شریک زندگی کو بات بیچھے حرامزادی کہنا آخر کیا ہے مگر اب کوئی سمجھائے بڑے میاں کو اگر صاف صاف کہدیں تو خود بھی دو چار گالیاں سن لیں۔ مصلحت اسی میں ہے کہ سنتے جائیں اور پیتے جائیں ورنہ واقعہ تو یہ ہے کہ اصلیت کا اظہار دونوں طرف سے ہوتا رہتا ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ والدہ صاحبہ بے چاری اس قوم سے بھی ہیں اور بیوقوف بھی ہیں۔ والد صاحب اس قوم سے ضرور ہیں مگر بیوقوف نہیں ہیں بلکہ ساری دنیا کو بیوقوف بنائے ہوئے ہیں حد یہ ہے کہ خان بہادر صاحب کا ایسا کائیاں آدمی جس نے زندگی بھر جوڑ توڑ کیے ہیں اور حکومت وقت تک کو بیوقوف بنا کر خطاب تک حاصل کیا ہے وہ بھی والد صاحب کا شکار بنا ہوا ہے اور اس کھرے پٹھان کی سمجھ میں یہ بات آگئی ہے کہ یہ اجنبی مہاجر ان کی ٹکر کا خاندانی رئیس ہے بہر صورت والد صاحب کا غصہ کسی نہ کسی طرح اس وقت ٹھنڈا کیا اور اس کو اطمینان دلا دیا کہ وہ خود اپنے کو قابو میں رکھ کر ذرا صبر سے کام لیں اور دیکھیں کہ والدہ صاحبہ میں ان کا یہ تحت جگر کیا تبدیلیاں پیدا کرتا ہے۔

* * *

خان بہادر صاحب نے تو کھانے کا ایسا انتظام کیا تھا جیسے واقعی کوئی باقاعدہ ڈنر ہو۔ یہ ٹھیک ہے کہ ہم لوگ بھی کچھ کم اہتمام سے نہیں آئے تھے مثلاً دارم چرانہ پوشم کے اصول پر عمل کرتے ہوئے ہم خود باقاعدہ ڈنر جیکٹ میں تھے۔ والد صاحب کھانے کے دیسی لباس میں تھے مگر تھا وہ بھی کھانے کا مخصوص لباس سیاہ شیروانی سفید چوڑی دار پاجامہ وارنش کا پمپ اور سیاہ موزے۔ مرزا صاحب بھی والد صاحب کی شیروانی میں پھوٹے نکلتے تھے۔ مگر یہاں تو شاہانہ ٹھاٹھ تھے پگڑیاں اور پیٹیاں باندھے بیرے ادھر ادھر ٹہلتے پھر رہے ہیں۔ خود خان بہادر صاحب ڈنر جیکٹ میں موجود ہیں اور تو اور ان کی عظیم الشان بیگم صاحبہ عمارت کی عمارت نہایت قیمتی لباس میں ایک صوفے پر رکھی ہوئی تھیں۔ ہم لوگوں کا خیر مقدم کرنے کے بعد ہم کو گول کمرے میں لایا گیا اور خان بہادر صاحب نے جو اس وقت بزلہ سنج بھی بنے ہوئے تھے بڑے شگفتہ انداز میں بیگم صاحبہ سے سب کو متعارف کرتے ہوئے کہا۔ "صاحبان یہ میری پاسبان عقل ہیں۔

والد صاحب نے کہا "خوب گویا آپ ان کے دل ہیں"

مرزا صاحب نے جلدی سے کہا "کیا بات فرمائی ہے گویا۔ لازم ہے دل کے ساتھ رہے پاسبان عقل"

خان بہادر صاحب نے کہا "یہ مصرعہ پڑھنا اتنا ضروری نہ تھا البتہ دوسرے مصرعے کی سفارش کر دیجئے کہ کبھی کبھی مجھ کو تنہا بھی چھوڑ دیا کریں"

والد صاحب نے بیگم صاحبہ کے سامنے نہایت مہذب طریقہ پر خم ہوتے ہوئے کہا "بڑی مسرت ہوئی آپ سے مل کر۔ آپ کو تو بہن ہمسائی کہنا چاہئے۔"

خان بہادر صاحب نے اپنی بیگم کو باقاعدہ شرمانے بھی نہ دیا نہایت بھونڈی ہنسی ہنس کر بولے "مگر بندہ نواز آپ سے شکایت ضرور ہے کہ آپ ہماری بہن ہمسائی کو نہ لائے"۔

اور اب بیگم صاحبہ نے بھی اپنا طباق سا منہ ساری کے آنچل میں چھپاتے ہوئے کہا "بیگم صاحبہ کیوں نہیں آئیں"

والد صاحب نے بڑی برجستگی سے فرمایا "ارے صاحب ان بیچاری کو آئے دن کی بیماریوں نے اس قابل ہی نہیں رکھا ہے کہ کہیں آئیں جائیں چوبیس گھنٹے نرس کے سہارے رہتی ہیں"

خان بہادر صاحب نے کہا "وہ تو میں دیکھتا ہوں کہ مس پال بیچاری غالباً ان ہی کی فکر میں دن رات سرگرداں رہتی ہے۔ آخر شکایت کیا ہے محترمہ بھابی صاحبہ کو"

ہم نے ارادہ کیا کہ جلدی سے کوئی مناسب سا مرض بتا دیں اندیشہ تھا کہ نہ جانے والد صاحب کیا بیماری کہہ جائیں مگر توبہ کیجئے وہ بھلا چوکنے والے ہیں عجیب ذہن رسا پایا ہے نہایت برجستگی سے بولے "حضرت کیا عرض کروں کسی نے کہا مراق ہے کسی نے کہا جنون ہے طرح طرح کے علاج کراتا رہا مگر واقعہ صرف یہ ہے کہ فسادات کے وہ ہولناک مناظر دیکھے ہیں کہ دماغ پر نہایت ناگوار اثر پڑ گیا ہے اور اعصابی خلل واقع ہو گیا ہے"

خان بہادر صاحب نے کہا "اللہ رحم کرے" اور پھر اپنی بیگم سے مخاطب

ہوئے کسی وقت مزاج پرسی کر آؤ نا تم ہی۔

بیگم صاحبہ نے کہا "میں ضرور جاؤں گی۔"

اتنے ہی میں ۔

نظر بھی حجاب اٹھا ہوئی اک روشنی پیدا
پھر اس کے بعد چھا گیا سنبھلنا سخت مشکل تھا

ایک دم سب کی نظر اس نووارد لڑکی کی طرف اٹھ گئی جو ایک سلام میں ساری محفل کو ٹال لے جانے کے بعد اپنی ماں کے پاس سمٹ کر بیٹھ چکی تھی۔ کھلے ہوئے روکھے سنہری بالوں پر آتشیں رنگ کا چوڑا سا ربن بندھا ہوا اور اسی رنگ کا شلوار سوٹ رعنا کو واقعی اس وقت شعلہ جوالہ بنائے ہوئے تھا۔ خان بہادر صاحب نے رعنا کو دیکھ کر بڑی فخر آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا:۔

"آپ مہمانوں سے بھی زیادہ مہمان ثابت ہوئیں۔ سب کے بعد تشریف لائی ہیں۔ بیٹی تم نے چچا کو بھی سلام کیا"۔

والد صاحب نے کہا "میں اس بے چاری کا سلام وصول کر کے دعائیں بھی دے چکا آپ کو اب تک سلام ہی کی پڑی ہوئی ہے۔ ادھر آؤ بیٹی تم میرے پاس اس صوفے پر بیٹھو"

رعنا صوفے سے اٹھ کر والد صاحب کے قریب ہی جا بیٹھی اور والد صاحب نے خالص مشرقی انداز سے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا "تم بھی کہتی ہو گی اچھے چچا ہیں کہ اتنے دنوں سے دیوار بیچ رہتے ہیں اور اب تک بھتیجی کو پوچھا بھی نہیں"۔

خان بہادر صاحب نے کہا "یہی بات چچا بھی تو کہہ سکتے ہیں کہ اچھی بھتیجی ہے کہ چچا کو کبھی سلام کا بھی مستحق نہ سمجھا"

بیگم صاحبہ نے کہا "اس کی دنیا تو بس اس کی کتابیں ہیں"

خان بہادر صاحب نے کہا ”خیر تو جناب غلط فرما رہی ہیں اس غریب کو گھر کی بھی کچھ کم فکر نہیں ہے۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے تو محض اس کمرے میں ہر کشن اسی کا بنایا ہوا ہے۔ ہر پردہ اسی نے بنایا ہے۔ یہ منٹل پیس کی جھالر ہی دیکھ لیجیے“

والد صاحب نے کہا ”سبحان اللہ۔ چشم بد دور۔ یہ تو بڑی سگھڑ بیٹی نکلی“۔

اور مرزا صاحب اپنی کرسی سے خاموشی کے ساتھ اٹھ کر منٹل پیس کے قریب پہنچ کر جھالر کو چشمہ لگا کر دیکھتے ہوئے بولے ”گویا سب ہاتھ کا کام ہے“

والد صاحب نے کہا ”جی نہیں تھوڑا سا مشین کا کام بھی ہے“

رعنا نے کہا ”جی نہیں مشین کا تو اس میں کوئی کام بھی نہیں ہے“

والد صاحب نے کہا ”وہ حاشیے جو تم نے سیے ہیں وہ تو مشین ہی سے سیے ہیں نا“

رعنا نے ہنس کر کہا ”وہ تو خیر دوسری بات ہے۔ کام تو نہ ہوا وہ“

مرزا صاحب نے کہا ”وہی تو میں کہنے والا تھا کہ مشین میں یہ صفائی کہاں خدا نظر بد سے بچائے کیا دستکاری ہے۔ ہر پھول معلوم ہوتا ہے جیسے ابھی کھلا ہے“

خان بہادر صاحب نے کہا ”بھئی مرزا تم میری لڑکی کی تعریف کر کر کے چوپٹ نہ کر دینا کہیں۔ وہ بیچاری قصیدہ کے ممدوح رئیسوں میں سے نہیں ہے“

مرزا صاحب نے کہا ”آپ کا سر جائے قرآن کے واللہ ہے کہ ایسی ہاتھ کی صفائی نظر سے نہ گذری تھی اور یہ گدوں کے غلاف بھی سبحان اللہ سبحان اللہ کیا موتی پروئے ہیں۔ حضور یہ بگلہ بنایا ہے کہ خدا دہائی ہے“

رعنا نے ہنس کر کہا ”جی بگلہ نہیں ہے سارس ہے......“

مرزا صاحب نے ہنس کر کہا ”وہی تو میں بھی کہوں کہ بگلہ یہ کچھ عام بگلوں سے مختلف ہے۔ سارس ہے تب تو کیا کہنا ہے ہو بہو سارس“

والد صاحب نے کہا ”مرزا صاحب دیکھ بھی خوب رہے ہیں آپ ہو بہو

سارس“

مین اسی وقت بیرا نے آ کر میز کی تیاری کی اطلاع دی اور خان بہادر صاحب ہم سب کو لیکر کھانے کے کمرے میں آ گئے جہاں ایک لمبی میز پر انواع و اقسام کے کھانے رکابداری کے جملہ چونچلوں کے ساتھ سجے ہوئے تھے اور ٹہل ٹہل کر کھانے کا اہتمام تھا۔ رعنا نے بڑھ کر پلیٹ کانٹا پہلے والد صاحب کو دیا پھر مرزا صاحب کو اور آخر میں ہم منتظر ہی تھے کہ اس نے قریب سے گزرتے ہوئے کہا ”آپ خود زحمت کیجیے“

چنانچہ خود ہی زحمت کرنا پڑی مگر سچ پوچھیے تو اصل زحمت بے چارے مرزا صاحب کو ہو رہی تھی جن کو اس طرح کھڑے کھڑے کھانے کی غالباً مشق نہ تھی۔ کھانے کا یہ طریقہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے خصوصاً وہ لوگ جو دونوں ہاتھوں سے کھاتے ہوں۔ مرزا صاحب غریب کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا کہ کس طرح پلیٹ پکڑیں اور کس طرح نوالہ بنائیں ان کا بس چلتا تو دونوں ہاتھوں سے پلیٹ پکڑ کر پانی پینے کے انداز سے پلاؤ کھانا شروع کر دیتے طرح طرح کے کھانوں کو نہایت حسرت سے دیکھ رہے تھے کہ اگر یہی طریقہ ہے کھانے کا تو یہ سب نعمتیں دھری رہ جائیں گی اور نہ نیت بھرے گی نہ پیٹ۔ ہم کو سب سے زیادہ اندیشہ والد صاحب کی طرف سے تھا مگر توبہ کیجیے وہ میز کے سامنے کرسی پر بیٹھا کر حجامت بنانے کے عادی ٹھہرے اس وقت بھی ایک ہاتھ میں پلیٹ دوسرے میں کانٹا اس طرح لیے ہوئے تھے جیسے ایک ہاتھ میں کنگھا اور دوسرے میں قینچی لیے رہتے تھے اور اس تیزی سے کھا رہے تھے کہ گویا نہایت صفائی سے کھچا کھچ بال کاٹ رہے ہوں۔ رعنا کی والدہ محترمہ البتہ اپنی پلیٹ کو مال گودام بنا کر ایک کرسی پر بیٹھی کھا رہی تھیں۔ رعنا مختلف کھانوں کی ڈشیں لے لیکر کبھی والد صاحب کے پاس جاتی تھی کبھی اپنے والد

http://www.paktunplace.com

صاحب کے پاس اور کبھی مرزا صاحب کے پاس۔ ضد تھی تو ایک ہم سے آخر خود خان بہادر صاحب نے اس کو متوجہ کیا "بیٹی ذرا اس غریب کو بھی پوچھ لو خالی پلیٹ لئے کھڑا ہے"

ہم نے عرض کیا "کئی مرتبہ خالی کر چکا ہوں کوئی کہاں تک پوچھے"

رعنا نے قریب آ کر کہا "پلیٹ میز پر رکھ دیجئے اور یہ مرغ ذبح کرنے کی کوشش کیجئے"

مرزا صاحب قریب ہی تھے مشاعروں کے ٹکسالی سامعین کی طرح ایک دم بے قابو ہو کر بولے "اے سبحان اللہ مرغ کاٹنے کے لئے مرغ کو ذبح کرنا کس قدر برمحل بات کہی ہے۔ ماشاء اللہ صاحبزادی"

خان بہادر صاحب نے کہا "آپ واہ وا ہی دیتے رہیں گے یا کچھ لیں گے بھی۔ بھئی مرزا صاحب آپ کو اگر اس طرح زحمت ہو رہی ہے تو بیٹھ جائیے آپ کرسی پر"

مرزا صاحب نے کرسی کی طرف بڑھتے ہوئے کہا "حضور والا یہی میں بھی کہنے والا تھا۔ اس طرح کھانے کے لئے دو ہاتھ ذرا ناکافی ثابت ہو رہے ہیں کس طرح کوئی پلیٹ کو پکڑے اور کس طرح نوالہ بنائے"۔

والد صاحب نے کہا "اسی لئے آپ سے عرض کیا گیا ہے کہ آپ تشریف رکھیں تاکہ ذرا ہاتھ دکھا سکیں"

کھانے کے آخر میں میٹھی ڈش سب سے زیادہ پسند کی گئی اور والد صاحب نے ایک مرتبہ کے بعد دوسری مرتبہ خود فرمائش کی تو بیگم صاحبہ نے شرماتے ہوئے کہا "آج رعنا نے یہ پوڈنگ بنائی تھی اور یہی سب کو پسند آئی ہے"

خان بہادر صاحب نے کہا "یہ تو کوئی نئی بات نہیں ہے کھانا میری بیٹی اول

تو پکاتی نہیں اور اگر کبھی پکا دیتی ہے تو وہی چیز بازی لے جاتی ہے جو اس نے پکائی ہو"

مرزا صاحب نے بھی دوسری مرتبہ پوڈنگ سے اپنی پلیٹ بھرتے ہوئے کہا "جواب نہیں ہے اس میٹھے کا حضور والا کیا توازن ہے شیرینی کا اور کیا لطافت ہے"

چنانچہ مرزا صاحب سب کے آخر میں کھانے کے کمرے سے برآمد ہوئے اور اس وقت تک اس پڈنگ کی تعریف کرتے رہے جب تک کافی نہ آ گئی رعنا نے مرزا صاحب کو اپنے ہاتھ سے کافی بنا کر دی اور چپکے سے کہہ گئی کہ یہ بھی میں نے بنائی ہے۔ مگر کافی کا مزہ مرزا صاحب کی سمجھ میں نہ آ سکا یوں پینے کو علی الحساب دو پیالیاں پی گئے وہ تو شاید اور بھی پیتے مگر والد صاحب نے پان پیش کر دیا تاکہ کسی طرح یہ سلسلہ ختم ہو۔

* * *

خان بہادر صاحب کے یہاں آنا جانا باقاعدہ شروع ہو گیا تھا اور خدا کا شکر ہے کہ والد صاحب نے والدہ صاحبہ کی طرف سے خان بہادر صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ کو یہ یقین دلا دیا تھا کہ دماغی توازن واقعی ٹھیک نہیں ہے بیگم صاحبہ ایک آدھ مرتبہ والدہ صاحبہ سے ملیں بھی مگر جب کوئی یہ سمجھ کر ملے کہ جس سے مل رہا ہے اس کا دماغی توازن درست نہیں ہے تو دماغ خواہ مخواہ خراب ہی محسوس ہوتا ہے۔ والدہ صاحبہ کو خود بھی بیگم صاحبہ کے متعلق یہی شبہ تھا کہ دماغ کا کوئی پرزہ ڈھیلا ہے۔ داد دیجئے والد صاحب کی ذہانت کی کہ ادھر بیگم صاحبہ سے والدہ محترمہ کے لئے کہہ دیا کہ دماغ پر اثر ہے ادھر والدہ صاحبہ کو سمجھا دیا کہ پڑوسن کچھ سنکی ہوئی ہیں۔ پچھلے فسادات میں کچھ عزیز مارے گئے ہیں اس کا دماغ پر اثر ہے ذرا احتیاط رہنا۔ نتیجہ یہ کہ دونوں ایک دوسرے کو پاگل سمجھ کر ملیں اور دونوں کو ایک دوسرے کے پاگل ہونے کا یقین ہو گیا۔ آج ہی جب بیگم صاحبہ والدہ صاحبہ سے مل کر چلی گئیں اور والد صاحب زنانہ مکان میں آئے تو ہماری موجودگی میں والدہ صاحبہ نے کہا۔

ویسے تو بے چاری بالکل اچھی معلوم ہوتی ہیں مگر چہرے پر پاگل پن برستا ہے مجھ سے پوچھ رہی تھیں کہ فساد کا خیال اب مجھے کیوں ہے اور سمجھا رہی تھیں کہ اب تو امن ہی امن ہے۔"

والد صاحب نے کہا "بات یہ ہے کہ خود اس بچاری کے دماغ میں یہی ایک

http://www.paktunplace.com

خیال جڑ پکڑ گیا ہے نا اور یہ تو عام طریقہ ہے کہ پاگل جس خبط میں مبتلا ہوتا ہے اسی خبط میں وہ ساری دنیا کو مبتلا سمجھتا ہے۔ طریقہ صرف یہ ہے کہ پاگل سے الجھا نہ جائے اور اس کی ہاں میں ہاں ملائی جائے ورنہ جنون شدت اختیار کر لیتا ہے"

والدہ صاحبہ نے کہا "میں تو خود ڈرتی ہوں کہ کہیں ان پر دورہ نہ پڑ جائے اور میرا منہ نہ نوچ لیں۔ جو کچھ وہ کہتی ہیں میں کہتی ہوں ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔ مگر سچ پوچھو تو مجھے ان کی لڑکی بھی کچھ بہکی ہوئی معلوم ہوتی ہے"

والد صاحب نے چونک کر کہا "کون رعنا...... لاحول ولا قوۃ۔ وہ تو ایسی ذہین بچی ہے کہ میں کیا کہوں۔ سارا گھر سنبھالے ہوئے ہے اور اس قدر سلیقے سے گھر چلا رہی ہے کہ واہ واہ۔

والدہ صاحبہ نے کہا "نہ کہیں مجھے تو وہی وحشت اس میں نظر آئی جو ماں میں ہے۔ ایسی پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھ کو دیکھتی ہے کہ خود مجھے ڈر لگنے لگتا ہے اور اس طرح دور دور رہتی ہے کہ جیسے وہ نہیں بلکہ میں پاگل ہوں"

والد صاحب نے کہا "خیر یہ بھی وہ کچھ غلط نہیں سمجھتی ہے۔ جناب کی صحیح الدماغی سے بھی خدا ہی محفوظ رکھے۔ اب اس سے بڑھ کر اور کیا پاگل پن ہو گا کہ رعنا کو بھی مارے عقلمندی کے پاگل سمجھ بیٹھیں۔ وہ غریب اس لئے پریشان نظر آتی ہو گی کہ پاگل ماں کو لے کر آتی ہے اور خطرہ یہی رہتا ہے کہ کہیں وہ سنک نہ جائیں کسی بات پر اور پرائے گھر میں کوئی ایسی ویسی حرکت نہ کر گذریں۔ ابھی بے چارے خان بہادر کے منہ پر گلدان جو تاک کر مارا ہے تو منہ گلدستہ بن کر رہ گیا۔"

والدہ صاحبہ نے ڈرتے ہوئے کہا "ان ہی باتوں سے تو میں ڈرتی رہتی ہوں ہر وقت کہ کہیں وہ میری شامت نہ لے آئیں۔ اور اب تو میں نے طے کر لیا ہے کہ کبھی جو میں اپنے بچے کی سسرال اس پاگل خانے کو بھیج دوں"

اب تک مفروضہ جنون کا ذکر تھا مگر اب والد صاحب کو واقعی غصہ آگیا پھر وہی اوندھی کھوپڑی والی باتیں شروع کیں۔ “

والدہ صاحبہ نے کہا” اوندھی کھوپڑی والی بات میری ہے یا تمہاری، ایک تو میری اولاد اور قسمت اس کی پھوڑنا چاہتے ہیں پاگلوں سے رشتہ جوڑ کر۔ تم مجھ سے لکھوالو کہ صرف ماں نہیں بیٹی کے دماغ میں بھی خرابی ہے“

والد صاحب نے اپنی شگفتہ بیانی شروع کر دی۔ ”دماغ کی خرابی اصل میں ہے تمہاری۔ اور تم بھی اپنی اصلیت سے ہو مجبور آخر کتنی دیر شرافت کے ساتھ بات کر سکتی ہو۔“

والدہ صاحبہ نے کہا” تم جو چاہو کہو مگر میں اچھی طرح سمجھ چکی ہوں ان لوگوں کو۔ بھٹ پڑے وہ سونا جس سے ٹوٹیں کان۔ چولھے میں گیا وہ بڑا گھر جس میں ہر وقت پاگلوں خبطیوں کا ساتھ ہو۔ نوج میں ایک پاگل لڑکی بیاہ کر لاؤں۔ بہو میرے غریب بھائی کی لڑکی ضرور ہے مگر ہے اپنا گوشت پوست“۔

والد صاحب نے جلبلا کر کہا” پھر وہی نخ۔ میں تم کو زبانی تو ہزار مرتبہ سمجھا چکا ہوں اب جوتے کے ذریعے سمجھانا باقی ہے......۔

یہ وقت تھا ہماری مداخلت کا لہٰذا ہم نے والدہ صاحبہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا” یہ آپ نخو نخو وظیفہ ہر وقت پڑھتی ہیں۔ کبھی آپ نے مجھ سے بھی پوچھا کہ میری کیا رائے ہے“

والدہ صاحبہ نے تیوریوں پر بل ڈال کر کہا” تو کیا اب تمہاری بھی رائے لیتی پھروں گی۔ میرے یہاں کا دستور نہیں کہ جس کی شادی ہو اس کی بھی رائے لی جائے“

والد صاحب نے کہا” تمہارا علاج واقعی جوتہ کاری کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

بہت دن سے سر ترس رہا ہے ناتانپوشی کے لئے بس دماغ ٹھکانے نہیں رہا ہے“

ہم نے والدہ صاحبہ سے کہا” اب وہ زمانہ گیا کہ جس کی شادی ہو اس کی رائے نہ لی جائے اب تو صرف اسی کی رائے چلتی ہے جس کی شادی ہو میں تو خیر لڑکا ہوں اگر لڑکی ہوتا تو بھی یہی کہتا“

والد صانب نے ہم سے کہا” بکنے دو جی اس کو سنتا کون ہے اس نائن کی۔ خدا مجھے چاہئے تھا کہ یہاں آتے وقت چٹیا کاٹ کر اسی طرف چھوڑ آتا نہ جانے اس مصیبت کو کیوں ساتھ لے آیا“

والدہ صاحبہ نے کہا” خیر اب تو یہ مصیبت آہی گئی ہے اور اب تو یہ زندگی بھر کی مصیبت ہے۔ تم چاہے مجھے مار ڈالو مگر میں تمہاری طرح اپنی اصلیت کو اور اپنوں کو نہیں بھول سکتی۔ بھول گئے وہ دن جب استروں پر دھار رکھوانے میں زندگی گھسی جا رہی تھی“

والد صاحب نے ہم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا” دیکھ رہے ہو کیسی قینچی سی زبان چل رہی ہے“

نائی ہونا دوسری بات ہے مگر یہ محاورہ تھا واقعی بے محل۔ اس وقت والدہ محترمہ واقعی قینچی کی طرح زبان چلا رہی تھیں اور اندیشہ تھا کہ اگر والد محترم بھی اصلیت پر اتر آئے تو مس پال پر اسی وقت سارا قصہ روشن ہو جائے گا۔ مصلحت اسی میں تھی کہ والد صاحب کو یہاں سے ٹال لے جائیں چنانچہ ہم نے کہا” ان کو اگر خیال نہیں ہے تو آپ ہی غور کیجئے کہ اگر یہ تو تو میں میں اور یہ قینچی استرے مس پال نے سن لئے تو وہ کیا رائے قائم کرے گی پھر دیوار درمیان کیا یہ بات خان بہادر صاحب سے چھپائی جا سکے گی۔“

والد صاحب نے اٹھتے ہوئے کہا” خدا زندگی سے عاجز آگیا ہوں اس عورت

کی وجہ سے۔ ابھی تو میں نے صرف بہانے کے طور پر پاگل کہا ہے اسے، مگر معلوم یہ ہوتا ہے کہ اسے واقعی پاگل خانے میں بھرتی کرانا پڑے گا"

والدہ صاحبہ نے کہا "دماغ اپنا بہک رہا ہے اور پاگل میں بنائی گئی ہوں"

والد صاحب غصے میں یہ عجیب بات کہہ گئے تھے۔ ہم تو سناٹے میں آگئے کہ ان بزرگ محترم سے یہ کیا لغزش ہو گئی جس کو انتظاما پاگل بنایا ہے اسی کے سامنے اس سازش کا انکشاف بھی کیے دیتے ہیں۔ خیر وہاں سے تو خاموشی کے ساتھ والد صاحب کو اپنے کمرے میں لے آئے مگر یہاں لا کر ان سے پوچھے بغیر بھی نہ رہ سکے "بعض وقت آپ بھی غصے میں کمال کر جاتے ہیں۔ خان بہادر صاحب کی بیگم صاحبہ سے کہا ہے کہ والدہ صاحبہ کے دماغ میں خلل ہے۔ والدہ صاحبہ سے کہا ہے کہ خان بہادر صاحب کی بیگم صاحبہ کا دماغ چلا ہوا ہے اور اس وقت غصہ میں یہ بھی کہہ دیا کہ ابھی تو پاگل بہانے کے طور پر کہا ہے اب پاگل خانے میں بھرتی بھی کرانا پڑے گا"

والد صاحب نے بے پروائی سے کہا "وہ تو خیر میں نے جان بوجھ کر کہا ہے تاکہ تمہاری ماں کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس کو میں نے پاگل مشہور کیا ہے۔ اب وہ یقیناً اپنے صحیح الدماغ ہونے پر اصرار کرے گی اور جب کوئی اپنے دماغ کی صحت پر اصرار کرتا ہے تو اس کا پاگل پن قطعی اور یقینی سمجھا جاتا ہے۔ وہ ضرور خان بہادر صاحب کی بیگم سے کہے گی کہ مجھے پاگل مشہور کر رکھا ہے اور اسی اصرار سے وہ اپنا پاگل پن خود اچھالے گی۔"

مان گئے صاحب واقعی والد صاحب کی ذہانت کا جواب نہیں ہے۔ ہر پاگل اپنے صحیح الدماغ ثابت کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے اور یہ کوشش بجائے خود پاگل پن نظر آتی ہے۔ والد صاحب اس غصے کے باوجود پیچ و تاب کھا رہے تھے ایک دم ہنس کر کہا "خان بہادر کی بیوی کی عجیب وحشت سے تمہاری ماں کو دیکھ رہی تھی اور

تمہاری ماں بھی اس سے ڈری ہوئی تھی واقعی اس وقت دونوں کی دونوں پاگل نظر آ رہی تھیں اور لطیفہ یہ ہے کہ بے چاری رعنا کے چہرے پر ان دونوں کا عکس پڑ رہا تھا وہ بھی عجیب سناٹے میں تھی۔ بس یہ ترکیب اپنا کام کر گئی۔ اب مجھے تمہاری ماں کی کسی بیہودگی کا کوئی خطرہ نہیں ہے کاش یہی بات میں نے مس پال کو بھی بتادی ہوتی مگر خیر کوئی مضائقہ نہیں مس پال تو خود ہی ایک خاص قسم کی پاگل ہے۔ اس کو اپنے کام سے کام وہ کسی بات میں دخل ہی نہیں دیتی لیجیے نام لیا ہی تھا کہ وہ تشریف لا رہی ہیں۔"

مس پال نے اپنی اونچی ایڑی کٹ کٹ کے ساتھ کمرے میں تشریف لا کر گلدان کے باسی پھول نکال کر تازہ پھول لگاتے ہوئے کہا۔

"نواب صاحب کا غسل آج دو مرتبہ لگایا گیا اور پانی خراب ہوا۔ حکم ہو تو اب تیسری مرتبہ غسل لگایا جائے۔"

والد صاحب نے کہا "بھئی مس پال تم نہلا نہلا کر مجھ کو مار ڈالو گی ہفتے میں ایک دن تو چھٹی بھی دے دیا کرو۔"

مس پال نے آنکھیں گول کرتے ہوئے کہا "آپ بغیر غسل رہنا چاہتے ہیں اس طرح تو بیمار پڑ جائیں گے"

والد صاحب نے اٹھتے ہوئے کہا "اچھا بابا اچھا جاتا ہوں غسل کرنے۔ اور والد صاحب بڑبڑاتے ہوئے کمرے سے نکل گئے۔ ان کے جانے کے بعد بلکہ ان کے اپنی آواز کی پہنچ سے آگے نکل جانے کا انتظار کرنے کے بعد مس پال نے کہا "آج میں نے دیکھا ہے خان بہادر صاحب کی لڑکی کو اچھی طرح آپ سے اب میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ آپ کے دل پر جو گذر رہی ہے وہ ٹھیک ہی ہے"

ہم نے بڑی معصومیت سے کہا "میرے دل پر گذر رہی ہے کیا گذر رہی ہے

میرے دل پر"

مس پال نے بڑی شرارت سے کہا "آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہیے مگر میں آپ کو مبارکباد دیتی ہوں کہ رعنا بھی آپ کے خیال سے خالی نہیں ہے میں نے اتنی ہی دیر میں سب اندازہ کرلیا ہے"

ہم نے کہا "مس پال مجھ سے اس طرح معموں میں باتیں نہ کیا کرو۔ کیا اندازہ کرلیا ہے تم نے۔"

مس پال نے کہا "جب آپ اپنے دل کی بات چھپاتے ہیں تو مجھ سے یہ تقاضا کیوں ہے کہ میں نے جو اندازہ کیا ہے وہ بتادوں آپ کو۔ کیا ہوگا میں نے کچھ اندازہ آپ سے مطلب ؟۔

ہمارے ضبط و تحمل کی داد دیجئے کہ ہم نے مس پال کی قطعاً خوشامد نہ کی کہ وہ اپنا اندازہ بتادے۔ اس نے یہ نخرہ اسی لئے کیا تھا کہ ہم خوشامد کریں گے مگر اس کے اس پندار کو کیسا صدمہ پہنچا ہوگا جب ہم نے مس پال کی یہ بات سنی ان سنی کردی اور نہایت بے فکری سے سیٹی جاتے ہوئے اس طرح کمرے سے نکل آئے کہ مس پال دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ اس کی آنکھوں میں دیر تک یہ انتظار رہا کہ شاید ہم اب اسے متوجہ کریں مگر ہم نے رسید تک نہ دی اور وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گئی۔

* * *

خان بہادر صاحب تو واقعی بڑے ترقی پسند بزرگ نکلے۔ ڈھونڈھ ڈھونڈھ ان حضرت نے اس بات کے موقعے دینا شروع کردیئے کہ ہم اور رعنا ایک دوسرے کو باقاعدہ سمجھ بوجھ لیں۔ یہ بات مناسب ہو یا نہ ہو مگر خطرناک ضرور ہوتی ہے۔ ایک نوجوان مرد اور ایک نوجوان عورت کے درمیان شیطان کو تشریف لاتے کیا دیر لگتی ہے۔ فرض کرلیجئے کہ ان بزرگ محترم کی طرح ہم بھی ترقی پسند بن جاتے اور آزاد شاعری شروع کردیتے تو کیا ہوتا مگر شکر ہے کہ اس اعتماد کی ذمہ داری ہم اور رعنا دونوں کچھ ضرورت سے زیادہ ہی محسوس کرتے رہے۔ تنہائیاں نصیب ہوئیں۔ خوشگوار تنہائیاں۔ ارمان انگیز تنہائیاں۔ مگر نہ رعنا بہکی نہ ہم اپنی اصلیت پر اترے۔ البتہ یہ ضرور ہوا کہ رعنا ہمارے مطالعے کے بعد کچھ اور بھی ہمارے قریب آگئی اور ہم رعنا کی طرف کھنچتے ہی گئے۔

آج کی شام کلب جانے کے لئے خالی رکھی تھی کہ کچھ دیر ٹینس ہوگی اس کے بعد اگر کوئی ساتھی مل گیا تو پکچر دیکھنے چلے جائیں گے مگر ابھی ٹینس کا جوتا پہن ہی رہے تھے کہ خان بہادر صاحب کے بیرا نے آکر سلام کیا اور بتایا کہ خان بہادر صاحب سلام دے رہے ہیں۔ ہم جوں کے توں اپنی کوٹھی کا تار پھاند کر خان بہادر صاحب کے یہاں پہنچ گئے وہ اپنے دو خوفناک کتوں سے دل بہلا رہے تھے ہم کو دیکھ کر بولے "ہلو۔۔ تو گویا آپ ٹینس کھیلنے کے لئے تیار تھے۔ مگر یہاں دوسرا ہی پروگرام بن گیا

http://www.paktunplace.com

ہے۔ بھئی بات یہ ہے کہ مجھے تو ایک پارٹی میں جانا ہے اور رعنا تلی ٹلے کے بیٹھی ہیں کہ آج سینما ضرور جائیں آپ دونوں کی وجہ سے میں نے کار ایک دوست سے منگائی ہے تاکہ اس پر میں جاؤں اور گھر کی کار آپ کے ساتھ رہے“

ہم نے کہا ”آپ نے خواہ مخواہ منگائی کسی سے کار میں اپنی کار پر چلا جاتا“

خان بہادر صاحب نے کہا ”میرے ذہن میں آپ کی کار بھی تھی مگر خیال آیا کہ شاید بھائی صاحب کو کہیں جانا ہو۔ بہر حال اس قصہ کو چھوڑیے رعنا کے کمرے میں جا کر ان سے پروگرام طے کر لیجئے اور مجھ کو اجازت دیجئے“

یہ کہہ کر خان بہادر صاحب تو اپنے کمرے میں غروب ہو گئے اور ہم نے رعنا کے کمرے کے دروازے پر دستک دی جس کا جواب فوراً ملا ”تشریف لے آیئے“

اندر جا کر دیکھا کہ رعنا ابھی غسل کر کے نکلی ہیں اور بالوں کو خشک کرنے کی مہم جاری ہے ہم کو دیکھتے ہیں نہایت شگفتہ تبسم کے ساتھ فرمایا یہ کہئے کیسی رہی یہ اچانک گرفتاری۔ کوئی خاص پروگرام تو نہیں تھا“

عرض کیا ”آپ کے ساتھ جو پروگرام بنتا ہے اس کے علاوہ میرا ہر پروگرام عام پروگرام ہوتا ہے۔ بلکہ آپ کو تو اس بات کا اب تک اندازہ ہو جانا چاہیئے تھا کہ میں آپ سے نہ مل سکنے والا وقت کاٹنے کے لئے خواہ مخواہ کے پروگرام بنایا کرتا ہوں تاکہ وقت آسانی سے کٹ جائے“

رعنا نے بالوں کو سمیٹ کر ادھر ادھر پن پیوست کرتے ہوئے مسکرا کر کہا ”شکریہ مگر آپ کو بھی اتنے دنوں کے بعد یہ اندازہ ہو جانا چاہیے تھا کہ میرے **وقت** کا بہترین حصہ وہی ہوتا ہے جو آپ کے ساتھ گذرے۔ مگر یہ کتنا چھچھورا پن ہے کہ ہم لوگ اپنی ان کیفیات کے اظہار کی ضرورت بھی محسوس کرتے ہیں“

عرض کیا ”ہے تو گھٹیا بات ضرور مگر کیا کیا جائے کہ تسکین کچھ اسی طرح

ہوتی ہے“

رعنا نے بالوں کا جوڑا مکمل کرتے ہوئے کہا ”آج میں نے یہ پروگرام ایک خاص مصلحت سے بنایا ہے۔ آپ یہ ٹینس کے کپڑے جلدی سے بدل کر آ جائیے تو سینما چل کر تفصیلی باتیں ہوں گی۔

ہم نے احتیاطاً یا غالباً بے ساختگی کے ساتھ پوچھا ”خیریت تو ہے“

رعنا نے کہا ”گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ اب جلد تیار ہو کر آ جائیے میں بالکل تیار ہوں“

ہم نے لمبے لمبے قدم تقریباً بھاگنے کے انداز سے اٹھا کر اپنی کوٹھی پہنچنے میں واقعی جلدی کی۔ اب رعنا کے بنگلے کے لان میں دوڑ کر چلنے میں بھی مضائقہ نہ تھا اس لئے کہ ان کے شتر نژاد کتوں کی خدمت میں نہ صرف نیاز حاصل ہو چکا تھا بلکہ تھوڑی بہت بے تکلفی بھی ہو چکی تھی ورنہ شروع شروع میں تو ان دونوں خونخوار کتوں کو مضبوط بندھوانا پڑتا تھا تب کہیں اس طرف کا ارادہ کرتے تھے۔ اپنے کمرے میں آ کر جلدی جلدی کپڑے بدلے۔ اور مس پال کی ان باتوں کا جو اس وقت نہایت مہمل محسوس ہو رہی تھیں رسمی جواب دیتے ہوئے رعنا کے پاس پہنچ گئے وہ پورچ میں موٹر کے پاس ہی کھڑی انتظار کر رہی تھی۔ ارادہ تھا خود ڈرائیو کرنے کا اس لئے کہ شوفر بھی موجود نہ تھا۔ ہم نے جاتے ہی پوچھا“

”کیا جناب کا ارادہ ہے ڈرائیو کرنے کا“

عرض کیا ”نہیں میں نے تو اس لئے پوچھا تھا کہ اگر واقعی آپ ڈرائیو کرنے والی ہوں تو والدہ سے دودھ بخشوا کر چلوں“

رعنا نے بڑے فخر سے کہا۔ ”جناب کو معلوم ہونا چاہیے کہ اسی کار میں پانچ گھنٹے کے اندر لاہور سے کوہ مری جا چکی ہوں۔“

ہم نے بیٹھتے ہوئے کہا ”بہر حال یاد رکھئے گا اس وقت ہم لوگ نہ مری جا رہے ہیں نہ مرنے جا رہے ہیں صرف سنیما تک کا ارادہ ہے“

اور رعنا نے کار اسٹارٹ کر دی۔ وہ نہایت مشاق ڈرائیور تھی اور ساتھ ہی ساتھ نہایت محتاط بھی۔ یوں مذاق میں کچھ کہنا دوسری بات ہے ورنہ واقعہ تو یہ ہے کہ ہم سے زیادہ خود اعتمادی کے ساتھ گاڑی چلاتی تھی۔ کوٹھی سے نکل کر لارنس روڈ پر گاڑی ڈالتے ہی اس نے کہنا شروع کیا۔

”آج یہ پروگرام میں نے اس لئے اور بھی بنایا تھا کہ کل ہمارے یہاں ایک صاحب کراچی سے تشریف لا رہے ہیں۔ یہ حضرت میرے چچازاد بھائی بھی ہوتے ہیں اور اس غلط فہمی میں بھی مبتلا ہیں کہ بھائی بہن کا یہ رشتہ ختم کرانے میں گویا کامیاب ہو جائیں گے۔“

ہم نے کہا ”اچھا یعنی خریدار ہیں جناب کے“

رعنا نے روانی کے ساتھ کہا ”جی ہاں اسی غلط فہمی میں مدت سے مبتلا ہیں اور عالم یہ ہے کہ اونٹ رے اونٹ تیری کونسی کل سیدھی اس قدر واہیات آدمی ہے کہ۔

ہزاروں سال الو اپنی محرومی پہ روتا ہے
بڑی مشکل سے تب ہوتا ہے جا کر ایک خر پیدا

ہم نے کہا ”کیا خوب کیا مٹی پلید کی ہے آپ نے کتنے عمدہ شعر کی۔ اور یہ الو کے رونے سے خر کیونکر پیدا ہوا“

رعنا نے کہا ”بات یہ ہے کہ الو کو مفکر بھی تو کہا جاتا ہے وہ بیچارہ روتا ہی رہ جاتا ہے اور خداوند کریم گدھے کو دولت اولاد سے نواز دیتا ہے۔ بہر حال میں یہ کہہ رہی تھی کہ عجیب مہمل انسان ہے۔ کن میلیوں کی سی تو صورت ہے جناب والا کی، علی الحساب بی اے تک پڑھ کر گریجویٹ تو ہو گئے ہیں مگر اس یونیورسٹی کا پتہ نہیں

بتاتے جس نے ان کو ڈگری دی ہے کہ کہیں میں اس کو آگ نہ لگا دوں جہل مرکب ہے اچھا خاصہ۔

ہم نے کہا ”سخت ناراض ہیں آپ ان سے“

رعنا نے جل کر کہا ”جلنے کی بات یہ ہے کے بھئی اگر تم چغد تھے پڑے رہتے چپکے اس دنیا میں۔ ہم سے کیا آخر ہوتے ہی ہیں چغد مگر دل جلتا ہے اس بات سے کہ۔

اس آرزو کو دیکھئے اور ان کو دیکھئے

اسم مبارک ہے شہاب مگر لاڈلے کو شبو میاں کہا جاتا ہے۔ قابلیت کا عالم یہ ہے کہ اس گریجویٹ سے ایک دن میں نے پوچھا کہ شہاب کے معنی کیا ہیں۔ کھیسیں نکال کر کہنے لگا واہ جناب اتنی سی بات نہیں معلوم ارے بھئی وہ ہوتا ہے نا شہاب ثاقب۔“

ہم نے ہنستے ہوئے کہا ”کیا واقعی اس حد تک لطیفہ ہیں وہ حضرت“

رعنا نے کہا ”ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے کل آ رہے ہیں دیکھ لیجئے گا ان کو۔ تو مجھے کہنا یہ تھا کہ یہ شخص سخت قسم کا بور ہے بلکہ ڈبل اور مصیبت یہ ہے کہ یہ حضرت کافی وقت یہاں گذاریں گے۔ بات یہ ہے کہ جب ہم لوگ کوئی گناہ کر گذرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے اپنے عذاب کے فرشتوں کو کہ جاؤ نازل کرو ان پر شبو میاں کو۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ان کی موجودگی میں خدا کے لئے اپنا زیادہ وقت میرے ہی یہاں گذاریئے گا ورنہ یہ شخص میرا دماغ خراب کر دے گا“

ہم نے کہا ”مگر بات تو سنو وہ ٹھہرے تمہارے گاہک ظاہر ہے کہ وہ مجھ کو برداشت نہ کر سکیں گے“

رعنا نے کہا ”یہی تو میں چاہتی ہوں کہ ان کے لئے کوئی چیز تو ناقابل برداشت بنے۔ وہ محض اپنی موجودگی سے مجھ کو جس کرب میں مبتلا کرتے ہیں اس کا تھوڑا

بہت بدلہ تو میں بھی لوں ان سے"

پکچر ہاؤس پہنچ کر ہم لوگ ٹکٹ لے کر ہال کے اندر داخل ہوئے اور ہمارے پہنچنے کے تھوڑی ہی دیر کے بعد اندھیرا ہو گیا مگر ہم دونوں میں سے کسی کو نہ اس اندھیرے کی تمنا تھی نہ انتظار اندھیرے کا انتظار تو ان کو ہوتا ہے جو اجالے میں دنیا سے ڈرتے ہیں اور اندھیرے میں خدا سے بھی نہیں ڈرتے مگر ہم دونوں نے رکھ رکھاؤ کچھ اس قسم کا رکھا تھا کہ یہ گھٹیا باتیں سوجھتی ہی نہ تھیں اور غالباً یہی وجہ تھی کہ رعنا کا اعتماد روز بروز بڑھ رہا تھا۔ انٹرول ہوتے ہی رعنا نے کہا "میں یہ سوچ رہی تھی کہ ان حضرت کے آنے کے بعد ہم لوگ مری کیوں نہ چلدیں"

ہم نے کہا "یعنی ان حضرت کو چھوڑ کر۔ اور اس موسم میں ؟ غالباً برف باری دیکھنے کا شوق ہوا ہو گا۔ خر خانہ مہماں گذاشت......۔"

رعنا نے کہا "اور نہیں تو کیا مری کی فضاؤں کو مکدر بنانے کے لئے ان کو ساتھ لے جاؤ گے"

ہم نے کہا "اس قسم کے لوگوں سے بجائے بیزار ہونے کے ان سے دلچسپی لینا چاہئے۔ یہ تو سخت کفران نعمت ہے کہ ایسے بنے بنائے بیوقوف مل جائیں اور ان سے دلچسپی نہ لی جائے"۔

پکچر پھر شروع ہو گئی اور ہم دونوں اس کی کہانی میں گم ہو گئے مگر جب پکچر ختم ہوئی ہے تو رعنا نے پھر شبو میاں کی داستان شروع کر دی تمام راستے جاری رہی اور گھر آ کر اس نے ایک مرتبہ پھر وعدہ لیا کہ شبو میاں کی موجودگی میں ہم اپنا زیادہ وقت اسی کے یہاں گذاریں گے"۔

* * *

ہم ابھی بستر کی چائے پی کر انگڑائیاں ہی لے رہے تھے کہ مس پال نے دروازے پر آ کر کہا "میں آ سکتی ہوں صاحبزادے صاحب"

ہم نے بستر سے اٹھتے ہوئے کہا "تشریف لے آیئے سرکار"

مس پال نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا "سرکار تو خیر آپ کی سامنے والی کوٹھی میں ہیں۔ میں تو درباریوں میں سے ہوں۔ کہنے یہ آئی تھی کہ خان بہادر صاحب کا بیرا باہر کھڑا ہے رعنا بی بی نے آپ کو ابھی بلوایا ہے"

ہم نے کہا "خیریت تو ہے ؟ ٹھہرو میں خود پوچھتا ہوں" اور اپنا ڈریس گون پہنتے ہوئے ہم باہر نکل گئے۔ خان بہادر صاحب کے بیرے نے نہایت ادب سے سلام کرتے ہوئے کہا "بی بی کہہ رہی ہیں کہ آپ جس طرح بیٹھے ہوں چلے آئیں"

ہم نے فوراً سوال کیا "وہ صاحب جو مہمان آنے والے تھے کیا پہنچ گئے"

بیرے نے کہا "جی ہاں شبو میاں تشریف لے آئے ہیں"

ہم نے کہا "بس تو میں ابھی آیا ذرا غسل کر لوں۔ بی بی سے کہہ دینا کہ بس پہنچا ابھی بلکہ بریک فاسٹ وہیں کروں گا۔"

بیرے نے کہا "بی بی نے مجھ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ حضور بریک فاسٹ ہمارے ہی یہاں لیں گے"

ہم بیرے کو روانہ کرنے کے بعد جلد سے جلد تیار ہوئے اور مس پال کے بے

تکے سوالوں کا سرسری جواب دیتے ہوئے خان بہادر صاحب کے یہاں پہنچ گئے جہاں گول کمرے میں سارا گھر جمع تھا۔ ہم کو دیکھتے ہی خان بہادر صاحب نے پائپ منہ میں لئے ہوئے فرمایا ”ہلو۔ میں تو سمجھا تھا کہ بمشکل لنچ کے وقت تک آسکو گے۔ فرحت میاں ان سے ملو شبو میاں سے یہ میرے بھتیجے ہیں اور آج ہی آئے ہیں اور شبو میاں یہ ہیں صاحبزادہ فرحت اللہ خان میرے عزیز دوست اور پڑوسی نواب عظمت اللہ خان کے صاحبزادے اور میرے نہایت عزیز بھتیجے۔

شبو میاں نے اردو کے اس تعارف کے بعد ہاتھ ملا کر انگریزی میں اظہار مسرت کیا۔ ہم نے ایک ہی نظر میں دیکھ لیا کہ رعنا نے جو کچھ تعریف ان حضرت کی پہلے ہی کر دی تھی یہ اس کی تصویر نظر آرہے تھے۔ عشق اور مشک چھپائے چھپتے ہوں یا نہ چھپتے ہوں مگر حماقت تو واقعی آشکارا ہو کر رہتی ہے۔ ہر چند کہ اس وقت شبو میاں بہت لئے دیئے بیٹھے تھے مگر ایک احمق جب سنبھلنے کی کوشش کرتا ہے اس وقت وہ اور بھی بیوقوف نظر آتا ہے۔ پستہ قد تنگ پیشانی چھوٹی چھوٹی آنکھوں پر بڑی سی گول گول شیشوں والی عینک اور عینک جس ناک پر ٹکی ہوئی تھی وہ ایک تو یوں ہی برائے نام تھی اس پر طرہ عینک کی موٹی موٹی کمانی نتیجہ یہ کہ صرف عینک ہی عینک نظر آرہی تھی اور حیثیت مجموعی معلوم یہ ہوتا تھا کہ ایک عینک ہے جس کے قدرت نے دو ہاتھ اور دو پیر لگا کر شبو میاں نام رکھ دیا ہے۔ چھوٹے قد کے آدمی کو صوفے پر کبھی نہ بیٹھنا چاہئے وہ صوفے میں دھنس کر کچھ اور بھی مختصر بن جاتا ہے شبو میاں نے صوفے پر پھدکنے کے انداز سے اپنے کو ابھارتے ہوئے کہا ”بڑی تعریف سنی ہے ابھی چچا جان وغیرہ سے آپ کی“

خان بہادر صاحب نے اٹھتے ہوئے کہا ”تجربے سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ میں جھوٹ نہیں بولتا ہوں۔ تشریف لایئے ناشتے کی میز پر باقی باتیں ہوں گی

میرے معدے میں ایک کھر چن سی ہو رہی ہے اور اب زیادہ انتظار کی تاب نہیں“

خان بہادر صاحب کی قیادت میں ہم سب کھانے کے کمرے میں پہنچے جہاں عظیم الشان بیگم صاحبہ پہلے ہی سے دھری ہوئی تھیں۔ ہم نے جاتے ہی سلام کیا جس کا جواب یہ ملا کہ ”فرحت میاں تم ادھر نکل آؤ میرے پاس“

خان بہادر صاحب نے اپنی پلیٹ میں پورج بناتے ہوئے کہا ”ہمارے شبو میاں تو اس پورج وغیرہ کی لغویت کے قائل ہیں نہیں ان کا من بھاتا ناشتہ تو ہے انڈا اور پراٹھا“

شبو میاں نے کھیسیں نکال کر کہا ”جی نہیں اب تو سب کچھ کھانے لگا ہوں“

خان بہادر صاحب نے بڑے مزے سے کہا ”خوب“ اس کا مطلب یہ ہے کہ سمجھدار ہوتے جاتے ہو۔ لو تو پھر پورج بناؤ اپنے لئے“

شبو میاں نے جس بد تمیزی سے پورج بنایا ہے اسی سے ان کے گنوار پن کا اندازہ ہو رہا تھا پھر لطف یہ ہے کہ چائے کے چمچے سے جو اس کو کھانا شروع کیا تو رعنا سے نہ رہا گیا اس نے بڑی سنجیدگی سے ان کی پلیٹ میں جھانکتے ہوئے کہا ”کیا دودھ کے بجائے چائے ڈالی ہے آپ نے پورج میں“؟

خان بہادر صاحب نے بھی چونک کر کہا ”ایں؟ چائے یعنی پورج میں چائے۔؟

شبو میاں نے پلیٹ دکھاتے ہوئے کہا ”جی نہیں میں نے تو دودھ ہی ڈالا ہے“

رعنا نے بدستور سنجیدگی سے کہا ”چائے کے چمچے سے کھاتا دیکھ کر میں سمجھی شاید چائے ڈالی ہو“

ایک مرتبہ پھر خان بہادر صاحب چونکے۔ یعنی چائے کے چمچے سے پورج؟ کمال کرتے ہیں صاحب ہمارے یہ برخوردار بھی۔ فرحت میاں میں اکثر غور کیا کرتا ہوں کہ ہمارے تعلیمی اداروں میں آخر یہ تربیت کیوں نہیں دی جاتی کہ لباس

کس طرح پہننا چاہئے۔ مختلف اوقات کے لباس کی ترتیب یہ ہونا چاہئے کھانا اس طرح کھانا چاہئے اور کھانے کی میز کے آداب یہ ہیں۔ کتابیں رٹا کر گریجویٹ تو بنا دیتے ہیں مگر وہ گریجویٹ کالجوں سے نکل کر یہ بھی نہیں جانتے کہ مچھلی کھانے کے چھری کانٹے اور گوشت کھانے کے چھری کانٹے میں کیا فرق ہوتا ہے اور کیوں ہوتا ہے وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ کس رنگ کے پتلوں پر کس رنگ کا کوٹ پہننا چاہئے اور اس کوٹ پر کس رنگ کی ٹائی زیب دیتی ہے۔ میں یہ تو درست سمجھتا ہوں کہ آدمی کرتا پاجامہ اور شیروانی میں رہے اس لئے کہ یہ اپنا قومی لباس ہے لیکن انگریزی کپڑے آخر اردو میں کیوں پہنے جائیں“

عرض کیا ”یہ آپ نے خوب فرمایا کہ انگریزی کپڑے اردو میں کیوں پہنے جائیں“

خان بہادر صاحب نے چمچے سے پلیٹ بجاتے ہوئے کہا ”میں نے بالکل ٹھیک کہا ہے اب دیکھ لیجئے ہمارے ان عزیز القدر کو زندگی کالج میں گذاری ہے مگر کون کہہ سکتا ہے کہ یہ گریجویٹ ہوں گے اگر میں ان کا ممتحن ہوتا تو محض ان کا لباس دیکھ کر ان کو فیل کر دیتا اور صاف کہہ دیتا کہ وہ شخص جو ہرے رنگ کے سوٹ پر سرخ ٹائی باندھے وہ طوطا تو ہو سکتا ہے مگر انسان نہیں ہو سکتا“

رعنا کو بھی بیساختہ ہنسی آگئی اور شبو میاں نے جھینپ کر کہا ”یہ تو میں نے جلدی میں باندھ لی تھی ٹائی ورنہ سبز ٹائی بھی میرے پاس ہے“

خان بہادر صاحب نے برجستہ کہا ”اس کو احتیاط سے رہنے دیجئے سرخ رنگ کے سوٹ پر باندھئے گا“

بیگم صاحبہ نے شوہر کو ڈانٹا ”اب بس بھی کرو بیچارے کے پیچھے ہی پڑ گئے مجھ کو لباس پر اعتراض کرنا ہمیشہ برا معلوم ہوتا ہے اور وہی عادت ان باپ کی بیٹی نے

سیکھی ہے“

خان بہادر صاحب نے کہا ”بھئی میں کسی اور پر اعتراض نہیں کر رہا ہوں اپنے ہی بچوں کو تو سمجھا رہا ہوں۔ ان کی اس بد مذاقی کا اثر ہم ہی لوگوں پر تو پڑے گا کہ خدا جانے کن گنوار ماں باپ کی اولاد ہیں یہ حضرت کہ سبز رنگ کا سوٹ ہے معلوم ہوتا ہے ہری مرچ چلی جا رہی ہے اور لال رنگ کی ٹائی بندھی ہے سبحان اللہ، پھر ذرا ملاحظہ فرمائیے صاحبزادے کو کہ سویٹر پہنا ہے سفید رنگ کا۔ برخوردار سویٹر کے لئے سفید رنگ اسپورٹس کے لئے مخصوص ہے اور بلیزر کے نیچے پہنا جاتا ہے۔ ناشتے سے فارغ ہو کر مجھ کو اپنے تمام کپڑے دکھایئے تاکہ میں آپ کو ان کی ترتیب سمجھاؤں“

بیگم صاحبہ نے رفع شر کے لئے بھنے ہوئے گردوں کی پلیٹ شبو میاں کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا ”لو میاں یہ گردے کھاؤ“

مگر خان بہادر صاحب نے موضوع بدلنے نہ دیا ٹوسٹ پر مکھن لگاتے ہوئے بولے اور کیوں حضرت ایمان سے کہئے گا آپ کو بو باندھنا آتی ہے“

شبو میاں جان پر کھیل کر سچ بول گئے ”ایک آدھ مرتبہ بندھی بندھائی تو باندھی ہے“

خان بہادر صاحب نے کہا۔ ”بھئی کونسے حکیم نے نسخے میں لکھا ہے کہ انگریزی لباس ضرور پہنو خواہ پہننا آتا ہو یا نہ آتا ہو۔ بو باندھنا آتی نہیں اور سوٹ پہننے کا شوق ہے مجھے یقین ہے کہ آپ کے پاس شیروانیاں کم ہوں گی اور کوٹ پتلون زیادہ ہوں گے ہے نا یہی بات“

شبو میاں نے کہا ”جی ہاں یہ تو واقعہ ہے کہ عید بقرہ عید کے لئے ایک آدھ شیروانی ہو گی“

خان بہادر صاحب نے انڈے پر نمک چھڑکتے ہوئے کہا ”میں جانتا ہوں عام طور پر یہی ہوتا ہے کہ اپنا لباس ہم لوگوں کے پاس کم ہوتا ہے اور جو لباس پہننے کا ہم میں دراصل سلیقہ تک نہیں ہے وہ خدا کے فضل سے موجود ہے۔ صاحب میں نے اس انگریزی لباس کی وہ گت بنتے ہوئے دیکھی ہے کہ اب میں کیا عرض کروں۔ شام کا لباس ہے اور صبح پہنے ہوئے پھر رہے ہیں۔ ڈرس گون پہنے سڑک پر اونگھتے پھرتے ہیں اور اس سے بدتر حالت کھانے کی ہے۔ ارے بھئی نہ کھاؤ چھری کانٹے سے اپنے مشرقی انداز سے کھاؤ۔ مگر پیٹ بھرے یا نہ بھرے نوالہ پلیٹ میں رہا جاتا ہے اور کانٹے سے منہ زخمی کئے لیتے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کس ہاتھ میں چھری لیں اور کس میں کانٹا مگر یہ کہتے شرم آتی ہے کہ صاحب ہم اپنے مشرقی انداز سے کھانا کھائیں گے“

بیگم صاحبہ نے گردن ناپی ”تو پھر تم نے کیوں اپنے گھر کو انگلستان بنا رکھا ہے۔ کیوں کھاتے ہو چھری کانٹے سے کیوں پہنتے ہو انگریزی لباس“

خان بہادر صاحب نے بڑے فخر سے کہا ”اس لئے کہ میں جانتا ہوں چھری کانٹے سے کھانا۔ میں جانتا ہوں انگریزی لباس پہننا مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ مجھ کو اپنے قومی لباس کا بھی یکساں شوق ہے خدا کے فضل سے شیروانیاں بھی بنواتا ہوں۔ کڑھے ہوئے کرتے اور جالی کھلے چوڑی دار پاجاموں کا بھی شوق ہے شلوار بھی پہنتا ہوں۔ میرا مقصد تو صرف یہ ہے کہ بھئی جو رنگ اختیار کرو اس میں اناڑی اور گنوار نظر نہ آؤ نہ پہنو انگریزی لباس اگر پہننا نہیں آتا، نہ کھاؤ چھری کانٹے سے اگر کھانا نہیں جانتے۔ اب دیکھ لیجئے وہ چمچے سے گردہ کھا رہے ہیں“

بیگم صاحبہ نے واقعی جھڑکا ”توبہ ہے پیچھے ہی پڑ کر رہ گئے“

خان بہادر صاحب نے سمجھاتے ہوئے کہا ”پیچھے نہیں پڑ گیا ہوں بلکہ سمجھا

رہا ہوں ان باتوں پر آدمی ہنسا جاتا ہے۔ اب فرض کر لیجئے کہ میاں فرحت کے یہاں ان کی ہوتی آج دعوت اور یہ وہاں بھی یہی حرکتیں کرتے تو مس پال کیا کہتی اپنے دل میں کہ خان بہادر صاحب جو بڑے بنے پھرتے ہیں یہ آخر ہیں کیا چیز جن کے بچے چائے کے چمچے سے پورج کھاتے ہیں اور بھورے سوٹ پر سرخ ٹائی باندھ کر چمچے سے گردہ کھاتے ہیں“

شبو میاں نے نہایت مہمل بات کہی ”نہیں خیر اپنے گھر میں آدمی بے تکلف بھی تو ہوتا ہے“

خان بہادر صاحب نے فرمایا ”تو پھر آپ کرسی پر کیوں بیٹھے اچک کر مارے بے تکلفی کے میز پر بیٹھ جائیے۔ صاحبزادے اگر آپ کی بیساختگی میں سلیقہ نہیں ہے تو آپ اپنے کو مہذب نہیں کہہ سکتے البتہ تہذیب کے ایکٹر کی حیثیت آپ کو ضرور حاصل ہو جائیگی جو صرف اسٹیج پر تہذیب کا پارٹ ادا کر سکتا ہے ورنہ اس کو تہذیب سے کوئی سروکار نہیں۔ یہ آپ نے کیا بات کہی کہ اپنے گھر میں آدمی بے تکلف ہوتا ہے بدسلیقگی کا نام بے تکلفی نہ رکھئے۔

اس وقت شبو میاں کی حالت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ خان بہادر صاحب تو واقعی جھاڑ کا کانٹا بن کر چمٹ گئے تھے اور یہ حضرت ہماری موجودگی میں اپنا وقار قائم رکھنے کی ہر کوشش میں ناکام تھے۔ خان بہادر صاحب کی یہ زیادتی ضرور تھی مگر وہ اپنی عادت سے مجبور تھے ان کے لئے واقعی شبو میاں کی یہ حرکتیں ناقابل برداشت تھیں جو شخص اپنے بیروں اور خانساماؤں کا دن بھر ناک میں دم رکھتا ہو کہ بغیر شیو کئے سامنے کیوں آ گئے اور وردی پہنے بغیر کھانے کے کمرے میں کیوں نظر آئے۔ جوتے پر پالش کیوں نہیں ہے اور پگڑی کے پیچ کیوں ڈھیلے ہیں وہ اپنے حقیقی بھتیجے کی یہ باتیں کیونکر برداشت کر سکتا تھا۔ آخر بمشکل تمام ہم نے ان کو اپنی طرف

متوجہ کیا۔"

"چچا میاں ارادہ یہ ہے کہ مری جا کر برف باری دیکھی جائے"

خان بہادر صاحب نے خوش ہو کر کہا "لطف تو خاصا آئے گا مجھے تو گرمیوں سے زیادہ اس موسم میں پہاڑ پسند ہے"

بیگم صاحبہ نے کہا "خیر آپ تو اپنی پسند رہنے دیجئے پچھلے سال اسی موسم میں لے جا کر وہاں ڈال دیا میں تو اکڑ کر رہ گئی"

خان بہادر صاحب نے بڑے چونچلے سے فرمایا "مگر گال سرخ ہو گئے تھے حضور کے بڑی صحت مند ہوتی ہے یہ برف باری"

ہم نے کہا "ابھی قطعی پروگرام نہیں بنا ہے مگر کچھ ارادہ ہو رہا ہے"

خان بہادر صاحب نے کھانے کی میز سے اٹھتے ہوئے کہا "بڑا اچھا ارادہ ہے کاش میں بھی جا سکتا بہر حال بنا ڈالو پروگرام"

اور ہم سب ان کے ساتھ ہی کھانے کے کمرے سے باہر نکل آئے شبو میاں کو خان بہادر صاحب اپنے ساتھ لے گئے۔

☆

ہم اور رعنا سبزہ زار پر کرسیاں ڈالے دھوپ سینک رہے تھے اور ذکر تھا شبو میاں کا کہ بیگم صاحبہ بھی ادھر آ نکلیں ہم دونوں نے کھڑے ہو کر ان کے لئے کرسی چھوڑی تو وہ دور ہی سے بولیں۔

"نہیں نہیں میں بیٹھوں گی نہیں۔ جا رہی ہوں۔ میں تو یہ کہنے آئی تھی رعنا سے کہ تمہارے ڈیڈی کو آخر کون سمجھائے ہاتھ دھو کر اس بیوقوف کے پیچھے پڑ گئے ہیں بھلا ان باتوں سے کہیں جانور بھی آدمی بنا کرتے ہیں۔ وہ ایک ہی خبط الحواس لونڈا ہے اور میں نے کہا فرحت میاں تم ذرا ان صاحبزادے سے بے تکلف نہ ہونا ان حضرت کا کوئی ٹھیک ٹھور نہیں ہے نہ بات کرنے کا سلیقہ نہ ادب نہ تمیز"

ہم نے کہا "خیر میری طرف سے آپ اطمینان رکھئے"

بیگم صاحبہ نے بڑی یگانگت سے کہا "بیٹا تمہاری طرف سے تو اطمینان ہے ہی مگر اس جانور سے ڈر ہی لگتا ہے کہ نہ جانے کیا کہہ بیٹھے اس کی کسی بات پر برا بھی نہ ماننا اللہ کے فضل سے دماغ بھی کچھ چوکور ہی پایا ہے"

ہم نے ہنستے ہوئے کہا "آپ بہر حال اس طرف سے بالکل بے فکر رہئے اس قسم کے لوگوں کی باتوں پر برا ماننا میرے نزدیک بد مزاقی ہے"

بیگم صاحبہ نے بڑی تشویش کے ساتھ کہا "نہیں میاں تم نہیں جانتے ان حضرت کو یہ صورت سے جو کچھ نظر آ رہے ہیں وہ تو خیر ہیں ہی مگر بڑے گہرے بھی ہیں خدا ہی بچائے ان کی چالوں سے بڑے کاٹ چھانٹ کے لوگوں میں سے ہیں کبھی

کبھی بڑی دور کی چال بھی چل جاتے ہیں۔ رعنا تم ذرا ان کو سمجھا دینا اچھی طرح۔ بس میرا مطلب یہ ہے کہ بہت منہ لگانے کی ضرورت نہیں"

بیگم صاحبہ کے جانے کے بعد ہم نے رعنا سے کہا "صاحب آپ کے ان گاہک کے تو عجیب عجیب پہلو نمایاں ہو رہے ہیں۔

رعنا نے کہا "میں احتجاج کرتی ہوں اس لفظ گاہک پر"

ہم نے کہا "یہ احتجاج تو خیر غلط ہے بقول ہماری ایک نانی اماں کے کہ بیٹا جس گھر میں بیری ہو گی اس میں ڈھیلے آئیں گے ضرور"

رعنا نے کہا "مگر ان حضرت کو معہ ان کے والدین کے پہلے ہی ڈھیلے پر سمجھایا چکا ہے کہ

برو ایں دام بر مرغ دگر نہ
کہ عنقا را بلند است آشیانے

ہم نے کہا "جناب عنقا صاحبہ میں اس خوش مذاقی کا صرف اسی لئے قائل ہوں کہ وہ آپ کا آرزو مند ہے۔

رعنا نے کہا "آپ چاہتے ہیں کہ میں پھر وہی مصرعہ پڑھوں کہ
اس آرزو کو دیکھئے اور ان کو دیکھئے

ہم نے کہا "اس آرزو کو دیکھنے کے بعد ان کو تو خیر کوئی نہ دیکھے گا سب آپ ہی کو دیکھیں گے اور کہہ دیں گے کہ ہاں یہ آرزو اپنی جگہ پر درست ہے"

رعنا نے اپنے خاص انداز سے کہا "اچھا اب گویا جناب شاعری فرما رہے ہیں"

ہم نے ایک دم موضوع بدلتے ہوئے کہا "مگر ان حضرت سے چچی جان بھی کافی خائف ہیں"

رعنا نے سنجیدگی سے کہا "آپ نہیں سمجھتے وہ اصل میں خائف اس لئے ہیں

کہ آپ ان حضرت سے اچھی طرح واقف نہیں ہیں ابھی تو ان کے پر پرزے رفتہ رفتہ آپ کی سمجھ میں آئیں گے۔ ابھی ان کو میرے اور آپ کے بڑھتے ہوئے مراسم پر اعتراض ہو گا۔ ابھی یہ اس بات پر نکتہ چینی کریں گے کہ رعنا تنہائی میں فرحت صاحب کے پاس کیوں بیٹھتی اٹھتی ہیں ابھی یہ اس بات پر خار کھائیں گے کہ میں ان سے زیادہ آپ کی طرف متوجہ کیوں ہوں پھر اس کے طرح طرح کے معنی پیدا کریں گے اور طرح طرح کے اندیشوں کا اظہار فرمائیں گے پھر ڈیڈی ان کو کسی دن نہایت مفصل جھاڑ پلائیں گے جس کے نتیجے کے طور پر یہ بیوہ عورتوں کی طرح روئیں گے پھر کسی دن ممی سے اسی قسم کی کسی بات پر صلواتیں سنیں گے۔ ابھی تو بے شمار تماشے ہوں گے ذرا دیکھتے رہیے۔"

ہم نے کہا "تو صاحب اس کا آسان ترین علاج یہ ہے کہ میں اپنی آمد و رفت میں محتاط ہو جاؤں۔"

رعنا نے کہا "کیا خوب۔ چونکہ کتے بھونکتے ہیں لہذا قافلے گذرنا چھوڑ دیں گے۔ میں تو بلکہ یہ چاہتی ہوں کہ یہ آمد و رفت کچھ زیادہ ہی ہو جائے تاکہ یہ شخص مجھے کم سے کم بور کر سکے۔"

ہم نے کہا "صاحب مجھے بس یہیں پر آپ سے اختلاف ہے۔ میں تو زندگی بھر اس قسم کے لوگوں سے بور نہیں ہو سکتا۔ میرے نزدیک انسان کی اس قسم سے بیزار اور بور ہونا کفران نعمت ہے یہ تو بہترین قسم کی تفریح ہے جو صرف خوش نصیبوں کو قدرت کی طرف سے مہیا ہوتی ہے"

رعنا نے جل کر کہا "خدا محفوظ رکھے اس تفریح سے کلیجہ چھلنی کر دیتا ہے یہ شخص اپنی بیہودگیوں سے۔"

ہم نے کہا "مثلاً کیا ہوتی ہیں وہ بیہودگیاں کچھ بتائیے تو سہی"

رعنا نے سنبھل کر بیٹھتے ہوئے کہا "آپ کو نہیں معلوم یہ شخص صرف چغد ہی نہیں بلکہ نہایت گھٹیا قسم کا آدمی بھی ہے اگر دو گھڑی بھی میرے پاس تنہا بیٹھ جائے تو عشق بگھارنے کی حد کر دے۔ نہایت گھٹیا قسم کے بازاری شعر پڑھتا ہے ڈانٹنے پر ہنستا ہے سنجیدہ ہو جائے تو اور بھی احمق نظر آنے لگتا ہے۔ ابھی آپ کے آنے سے پہلے ہی تشریف لاتے ہی جب مجھ سے ملنے آئے تو فرماتے ہیں۔ ارے توبہ ہے اب تو تم کچھ کی کچھ ہو گئی ہو۔ صحت بھی میری آنکھوں میں خاک بڑی اچھی نظر آتی ہے"

ہم نے کہا "بھئی، اس میں تو کوئی خاص بات سوائے ارے توبہ ہے کے سمجھ میں آئی نہیں"

رعنا نے کہا "سنئے تو سہی۔ صحت کی تعریف کرتے کرتے کہنے لگے۔

اف تری کافر جوانی جوش پر آئی ہوئی

ہم نے چونک کر کہا "ایں؟...... کیا واقعی پڑھ دیا میرے شیر نے یہ مصرعہ؟"

رعنا نے کہا "آپ اسی مصرعے کو کہہ رہے ہیں ان کو تو ایسے ایسے مصرعے اور شعر یاد ہیں کہ ذوق سلیم کو ابکائیاں آنے لگیں سنکر"

ہم نے کہا "صاحب میں اس شخص کی بد مذاقی سے زیادہ اس کی جرأت رندانہ کا قائل ہو گیا۔ انداز بیان کا ابتذال دوسری بات ہے مگر یہی کیا کم ہے کہ جو کچھ کہنا چاہتا ہے کہہ تو لیتا ہے"

رعنا نے جز بز ہو کر کہا "آپ کو سوجھ رہا ہے مذاق مگر میری روح کانپتی ہے اس شخص سے جب تک بیٹھا رہے گا کبھی بالوں کی تعریف کر کے دس پانچ بازاری شعر پڑھ دے گا کبھی آنکھوں کے متعلق فلمی گانوں کے دو بول تک سنا دے گا جن پر چار آنے والے خوش ہو کر تالیاں بجاتے ہیں اور پھر تانگے چلاتے ہوئے وہی بول سڑکوں پر گاتے پھرتے ہیں۔ حد یہ ہے کہ پچھلی مرتبہ میں اس شخص سے عاجز آکر

ایک دن جوں ہی بھاگی تو اس نے سچ مچ گانا شروع کر دیا کہ۔

تو پنجاب دی کڑی تیری موراں ورگی چال

ہم نے بچوں کی طرح کھلکھلا کر ہنستے ہوئے کہا "صاحب مان گئے۔ یعنی واقعی؟"

رعنا نے گھبرا کر کہا "لیجئے تشریف لا رہے ہیں اسی طرف جل تو جلال تو صاحب کمال تو آئی بلا ٹال تو"

ہم نے سنبھل کر بیٹھتے ہوئے ان حضرت کو قریب دیکھ کر کہا "تشریف لائیے جناب......"

شبو میاں نے ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے کہا "اچھا میں تو سمجھا تھا کہ شاید آپ جا چکے ہوں گے۔ تو گویا یہ ہے سامنے والا آپ کا مکان"

رعنا نے رکھائی سے کہا "گویا نہیں یقیناً یہی ہے"

شبو میاں نے واقعی شعر پڑھ دیا "یہ تو وہی بات ہوئی کہ۔

جس محلے میں تھا ہمارا گھر

وہیں رہتا تھا ایک سوداگر

ہم بڑے زوردار قہقہے کو نگل کر صرف مسکرا سکے مگر رعنا نے بڑی سنجیدگی سے کہا "خدا کے لئے شبو بھائی ایک بات بتا دیجئے کہ یہ جو آپ نے بے شمار شعر یاد کر رکھے ہیں ان کو بھلانا چاہیں تو آپ کو کتنی مدت درکار ہوگی تقریباً"

شبو میاں نے بے سمجھے کہا "میں نے یاد نہیں کئے بلکہ حال یہ ہے فرحت صاحب میرا کہ ایک مرتبہ کوئی شعر سن لوں بس سمجھ لیجئے کہ زندگی بھر کے لئے یاد ہو گیا"

عرض کیا "یہ تو حافظہ کی خوبی ہوئی"

بڑے فخر سے بولے ”جی اور کیا۔ میں آپ سے عرض کروں کہ مثنوی زہر عشق صرف ایک مرتبہ پڑھی تھی کبھی بچپن میں اس کا ایک ایک شعر سن لیجئے۔ اور ایک مثنوی زہر عشق کا کیا ذکر جو کچھ کبھی پڑھ لیا یا سن لیا بس نقش ہو گیا“

ہم نے بڑی سنجیدگی سے کہا ”خیر ذہانت تو ماشاء اللہ چہرے سے بھی برستی ہے مگر میرا خیال یہ ہے کہ شاید آپ خود بھی شعر کہتے ہیں“

وہ اور بھی سنجیدہ بن گئے ”اب تو خیر مدت سے نہیں کہے شعر البتہ کالج کے مشاعروں کے لئے ضرور کہتا تھا مگر یہ آپ سمجھے کیسے؟“

رعنا نے کہا ”ارے صاحب یہ بڑے قیافہ شناس ہیں“

شبو میاں نے پھر شعر پڑھا خوب گویا۔

خط کا مضمون بھانپ لیتے ہیں لفافہ دیکھ کر
آدمی پہچان لیتے ہیں قیافہ دیکھ کر

ہم تو انکسار سے صرف خاکساری کی ہنسی ہنس دیئے مگر رعنا نے کہا ”نہیں صاحب یہ تو خط کا مضمون دیکھ کر لفافہ تک بھانپ لینے والوں میں سے ہیں“

شبو میاں نے پھر وہی سوال کیا ”مگر واقعی آپ کو یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ میں شعر بھی کہتا ہوں“

عرض کیا ”یہ بات تو ہر شخص آپ کو دیکھ کر سمجھ سکتا ہے۔ وہ جو شاعروں کے چہرے پر ایک خاص قسم کی۔ گویا میرا مطلب یہ ہے کہ......“

رعنا نے بات کاٹ کر کہا ”بے کسی سی ہوتی ہے“

ہم نے کہا ”وہ تو خیر ہے ہی مگر اس کے علاوہ شاعروں کا ایک خاص قسم کا مسدس نما چہرہ ہوتا ہے......“

رعنا نے کہا ”جیسا آپ کو یاد ہو گا شبو بھائی خواجہ الطاف حسین حالی کا تھا......“

شبو میاں اب بھی ان تمام باتوں کو سنجیدہ ہی سمجھتے رہے۔ بڑے بھاری بھر کم انداز سے بولے ”مجھے شاعری کی عادت تو خیر نہیں ہے......“

عرض کیا ”عادت تو خیر ہونا بھی نہ چاہئے ورنہ بڑی تکلیف ہوتی ہے“

شبو میاں نے بدستور سنجیدگی سے کہا ”ہاں شغل کے طور پر کبھی کبھی کہہ ضرور لیتا ہوں ابھی پچھلے دنوں ایک مشاعرہ ہوا ہے طرح تھی۔

”سر مقتل تری تلوار کے صدقے جاؤں“

عرض کیا ”مشکل ہے صاحب یہ طرح تلوار کے صدقے جاؤں اور اغیار کے صدقے جاؤں“

رعنا نے کہا ”کچھ بھی مشکل نہیں۔ میں تو خیر شاعر بھی نہیں ہوں مگر کہئے تو پچاسوں شعر کہہ دوں بیٹھے بیٹھے ابھی مثلاً ملاحظہ ہو۔

جس میں اس شوخ کی شادی کی خبر نکلی ہے
جی میں آتا ہے اس اخبار کے صدقے جاؤں

شبو میاں نے اچھل کر کہا ”خوب بہت خوب۔ بھئی ماشاء اللہ۔ مگر یہ تو گویا مزاحیہ شعر ہوا“

عرض کیا ”صاحب اس لفظ گویا کی بھی داد نہیں دی جا سکتی آپ نے بھی ایک قسم کا شعر کہہ دیا۔

شبو میاں نے کہا ”ہاں صاحب تو اس طرح میں نے غزل کہی اور وہ بہت مقبول ہوئی خدا کے فضل سے مطلع ہوا تھا فرحت صاحب۔

تبو میاں ابھی گنگنا ہی رہے تھے کہ رعنا نے ان کی آرزو پوری نہ ہونے دی۔

”شبو بھائی تخلص کیا ہے آپ کا“

شبو میاں نے گنگنانا ملتوی کرتے ہوئے کہا ”شروع شروع میں تو شہاب ہی

تخلص کرتا تھا مگر اب کچھ دنوں سے مقطع کہنا چھوڑ دیئے ہیں مجھے نام ہی کو تخلص کے طور پر استعمال کرنا کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا کوئی مناسب سا تخلص تجویز کیجئے فرحت صاحب۔"

رعنا نے کہا "فدوی کیسا رہے گا"

شبو میاں نے غور کرتے ہوئے کہا "فدوی؟ یعنی عرضی فدوی والا فدوی"

رعنا نے کہا "جی ہاں" دیکھئے نا شاعری کی صحیح تعریف یہ ہے کہ عرض شوق کہتے ہیں شاعری کو اگر یہ تعریف سہی ہے تو فدوی ہی عمدہ تخلص ہے"

ابھی شبو میاں کے تخلص پر غور ہی ہو رہا تھا کہ خان بہادر صاحب نے بر آمدے سے ان کو آواز دی اور ان کے جانے کے بعد ہم بھی رعنا سے اجازت لیکر گھر آ گئے"

☆

آج والد صاحب قبلہ نے شبو میاں کے اعزاز میں ہمارے یہاں رات کے کھانے کی دعوت کی تھی۔ ہر چند کہ خان بہادر صاحب نے بہت ٹالنا چاہا سینکڑوں عذر کئے۔ یہ دعوت دو تین دن ٹلتی رہی مگر آج کے لئے خان بہادر صاحب کو ماننا ہی پڑا۔ مس پال صبح سے دعوت کے انتظامات میں مصروف تھیں اور واقعی آج تو مس پال نے کھانے کی میز اس نفاست سے سجائی تھی کہ خود ہم دیر تک کھڑے دیکھتے رہے مگر جب خود مس پال کو دیکھا تو وہ اس میز سے بھی زیادہ سجی ہوئی نظر آئیں معلوم یہ ہوا کہ والد صاحب نے آج ان کو بھی سب کے ساتھ شریک طعام ہونے کو کہا ہے۔ مس پال کو ضروری ہدایات دے کر ہم جانے لگے تو مس پال نے کہا۔

"صاحبزادے صاحب آپ کی کرسی یہ ہے اور سامنے والی رعنا بی بی کی ہے"

اور اب جو ہم نے غور سے دیکھا تو ہماری کرسی کے سامنے میز پر پھولوں اور پتیوں سے دل بنایا گیا تھا اور رعنا کی کرسی کے سامنے سے ایک تیر کمان سے نکل کر پرواز کر رہا تھا۔ ہم نے گھبرا کر مس پال سے کہا "یہ کیا واہیات ہے۔ آپ مذاق اڑوائیں گی میرا۔ یہ غلط ہے"

مس پال نے کہا "غلط کیسے ہے صاحبزادے صاحب یہ دیکھئے مرزا صاحب کی کرسی کے سامنے میں نے چمگادڑ کو درخت سے الٹا لٹکایا ہے"

http://www.paktunplace.com

ہم نے کہا ”عجیب عجیب حرکتیں کی ہیں آپ نے نتیجہ یہ ہوگا کہ میں کرسیاں ہٹوادوں گا اور بولنے کا طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔

مس پال نے گھبرا کر کہا ”ایسا غضب بھی نہ کیجئے گا ساری ترتیب بدلنا پڑے گی“

ہم نے سنجیدگی سے کہا ”ترتیب بدلے یا رہے مگر یہ باتیں غلط ہیں“

مس پال نے کہا ”اچھا جانے دیجئے آپ کا جہاں جی چاہے بیٹھ جایئے گا۔ میں تو چاہتی تھی کہ اس سجاوٹ کا کچھ مطلب بھی نکل آئے مگر آپ مناسب نہیں سمجھتے تو جیسی آپ کی مرضی“

اور عین اسی وقت والد صاحب نے آکر کہا ”بیٹے ذرا علیحدگی میں میری بات سنو“

ہم والد صاحب کے ساتھ گول کمرے میں آگئے تو والد صاحب نے بڑی تشویش سے سرگوشی کے انداز میں کہا ”آج پھر اس کے دماغ میں کیڑا رینگا ہے اس کو جاکر سمجھالو ورنہ میں شروع کردوں گا جوتا کاری“

ہم نے کہا ”آخر بات کیا ہوئی......

والد صاحب نے کہا ”خدا بھلا کرے اس مس پال مال زادی کا جس نے اس کو یہ سمجھادیا ہے کہ چونکہ خان بہادر صاحب کی بیگم اور رعنا آرہی ہیں لہذا آپ کو بھی سب کے ساتھ کھانا کھانا چاہئے“

ہم نے کہا ”تو کھانے دیجئے آپ تو خود دیکھ رہے ہیں کہ اب وہ کس حد تک بدل چکی ہیں نہایت مہذب طریقے پر رہتی سہتی اور کھاتی پیتی ہیں“

والد صاحب نے کہا ”صاحبزادے ہیں آپ وہ لاکھ سدھر جائے مگر کوئی نہ کوئی نائن پنا ضرور کر گزرے گی اور بھانڈا پھوٹ کر رہے گا صاحب مجھے اس کا ذرا

بھی اعتبار نہیں کہ کیا کر گزرے کیا کہہ جائے۔ دوسرے جب پاگل مشہور کیا جاچکا ہے تو......

ہم نے بات کاٹ کر کہا ”ہاں یہ ہے سو باتوں کی ایک بات میں بہر حال ان کو سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں“

والد صاحب نے کہا ”کوشش نہیں بلکہ اس کو بتادو کہ اگر وہ ذرا بھی ضد کریگی تو جوتے سے سر مونڈ کر اسی وقت گھر سے نکال باہر کردوں گا“

اب والد صاحب کو کیا سمجھاتے کہ یہ سر مونڈنے کا محاورہ کہیں پول ہی نہ کھول دے۔ لاکھ بن سنور گئے ہیں مگر اصلیت ختم تو نہیں ہو جاتی آخر غصہ میں کہا بھی تو سر مونڈنے کو کہا۔ بہر حال ہم کو اندر جاکر بڑی دیر تک والدہ محترمہ سے سر کھپانا پڑا اور بمشکل تمام اس بات پر راضی کیا کہ وہ پردہ نہ توڑیں یعنی اصلیت پر پردہ پڑا رہے۔ حالانکہ یہ بھی واقعہ ہے کہ ؎

اگر یہی اپنی اصلیت ہے تو اس کو کب تک چھپا سکیں گے
جو چپ رہیگی زبان قینچی تو دھار چمکے گی استرے کی

والدہ صاحبہ محترمہ کو سمجھا بجھا کر جس وقت ہم باہر آئے ہیں مرزا صاحب تشریف لاچکے تھے اور والد صاحب کی جامہ زیبی تھا عنوان ان کے آج کے قصیدے کا ہم کو دیکھتے ہی والد صاحب سے بولے ”حضور والا اگر میری بات کا یقین نہیں ہے تو صاحبزادے صاحب سے دریافت کر لیجئے۔ کیوں صاحبزادہ صاحب کیا میں غلط کہہ رہا ہوں کہ چوڑی دار پاجامہ پہننے کا حق صرف ان لوگوں کو ہے جن کی ایڑی اور پنڈلی کی ایک ہی پیمائش ہو“

ہم نے کہا ”یہ تو بہت پرانی بات آپ کہہ رہے ہیں“

مرزا صاحب نے کہا ”جی نہیں میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ ہمارے نواب

صاحب پر میری آنکھوں میں خاک چوڑی دار پاجامہ پھوٹ نکلتا ہے۔ اور صاحب آپ کا درزی سیتا بھی ایسا ہے کہ اے سبحان اللہ”

والد صاحب نے ان کو بچنے دیا اور ہم سے مخاطب ہو کر فرمایا ”کیوں بھئی کچھ افاقہ ہوا“

ہم سے پہلے مرزا صاحب نے گھبرا کر کہا ”الٰہی خیر۔ کیا بیگم صاحبہ کے دشمنوں کی طبیعت کچھ ناساز ہے“

والد صاحب نے ٹالنے کے انداز سے کہا ”جی ہاں خفیف سا دورہ پڑ گیا تھا۔

ہم نے کہا ”اب ٹھیک ہیں بالکل“

مرزا صاحب نے کہا ”حضور والا میں پھر عرض کرونگا کہ نہ یہ مراق ہے نہ سودا۔ نہ یہ جنون ہے نہ وحشت یقیناً یہ کسی کا سایہ ہے“

والد صاحب نے فرمایا۔ خدا آپ کا سایہ ہم سب کے سروں پر قائم رکھے کسی اور سائے کی ضرورت ہی کیا ہے“

مرزا صاحب کچھ فرمانے ہی والے تھے کہ خان بہادر صاحب نے پردہ اٹھا کر کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا ”آداب بجالاتا ہوں حضور والا“

اور والد صاحب نے اٹھ کر ان کا خیر مقدم کیا۔ خان بہادر صاحب کے پیچھے ہی بیگم صاحبہ اور رعنا تھیں اور سب کے پیچھے شبو میاں ڈنر جیکٹ میں تشریف لائے تھے۔ اس ڈنر جیکٹ کا ذکر تو ہم رعنا سے سن چکے تھے کہ خان بہادر صاحب نے اپنے چہیتے بھتیجے کے لئے جو کپڑے جلدی جلدی سلوائے ہیں ان کو آدمی بنانے کے لئے ان میں ایک ڈنر جیکٹ بھی ہے مگر افسوس کہ اس ڈنر جیکٹ نے بھی جو زیادہ سے زیادہ آدمیت ان میں پیدا کی تھی وہ یہ تھی کہ کسی انگریزی ریستوران کے بینڈ ماسٹر معلوم ہو رہے تھے۔ بہر حال وہ کچھ بھی سہی اس وقت تو مہمان خاص تھے لہٰذا

ہم نے ان کو اپنے پاس بٹھالیا۔ رعنا حسب معمول والد صاحب کے صوفے پر پہنچ گئیں اور بیگم صاحبہ مس پال کے ساتھ بیٹھ گئیں۔ خان بہادر صاحب نے ہم کو مخاطب کیا ”کیوں بیٹے دیکھا اپنے دوست شبو میاں کا دبدبہ......

ہم نے کہا ”جی ہاں میں تو دیکھتے ہی مرعوب ہو چکا ہوں“

خان بہادر صاحب نے شبو میاں سے کہا ”تم آزادی سے گردن ہلا سکتے ہو تختہ بنے ہوئے خواہ مخواہ بیٹھے ہو“

رعنا نے کہا ”یہی میں بھی دیکھ رہی تھی کہ شبو بھائی تو جیسے اس ڈنر سوٹ میں کس دیئے گئے ہیں۔ میرے خیال میں تو سخت تکلیف ہو رہی ہوگی ان کو“

شبو میاں نے کہا ”نہیں تکلیف کس بات کی میں بالکل ٹھیک ہوں“

مرزا صاحب ایک گوشے سے بولے ” حضور خان بہادر صاحب ان ہی صاجزادے کے متعلق آپ فرما رہے تھے کہ بھتیجے ہیں آپ کے“

خان بہادر صاحب نے کہا ”آپ تو اس طرح کہہ رہے ہیں مرزا صاحب گویا میں نے ان صاجزادے کے متعلق کوئی افواہ پھیلائی ہو“

مرزا صاحب نے کہا ”ماشاءاللہ بڑے سعید معلوم ہوتے ہیں۔

خان بہادر صاحب نے کہا ”میری اصطلاح میں سعید کے معنی ہیں چغد کے اور میں یہ نہیں چاہتا کہ ان کو سعید سمجھا جائے مجھ کو سعادت سے زیادہ ان کی تیزی اور ذہانت کی ضرورت ہے“

مرزا صاحب نے کہا ”بجا ارشاد ہوا۔ میں بھی بالکل یہی بات کہنے والا تھا۔

والد صاحب بولے ”اچھا تو آئندہ سے آپ جو بات کہنے والے ہوا کریں وہ پہلے سے کہہ لیا کیجئے“

خان بہادر صاحب نے مسکرا کر کہا ”کیوں بھئی مرزا صاحب آپ نے مس

پال کا ہاتھ بھی دیکھا ہے کبھی“

مس پال نے ایک ہلکی سی چیخ کے ساتھ کہا ”نہیں نہیں۔ مجھے ہاتھ دکھانے کا شوق نہیں ہے“

والد صاحب نے کہا ”اس میں شوق کی کیا بات بعض اوقات آدمی مجبور ہو جاتا ہے ہاتھ دکھانے کے لئے“

مرزا صاحب نے پھڑک کر داد دی ”اے سبحان اللہ۔ کیا صرف ہوا ہے محاورہ معنی ہی بدل گئے“

خان بہادر صاحب نے کہا ”حضرت ہاتھ اگر کوئی دکھائے تو معنی ہی نہیں حلیہ بھی بدل جاتا ہے“

مرزا صاحب پھر پھڑکے ”آہاہا۔ یہ دوسری ہوئی“

والد صاحب نے کہا ”اس کو ہوتا نہیں کہتے چپکنا کہتے ہیں مرزا صاحب۔ بہر حال اب واقعی مس پال کا ہاتھ دیکھنا تو چاہیے“

مس پال نے گھبرا کر اپنے دونوں ہاتھ بغلوں میں چھپاتے ہوئے کہا ”جانے بھی دیجئے نواب صاحب میں اس دن دیکھ چکی ہوں ان کی قابلیت جب جمعدارنی کا ہاتھ دیکھ کر بتایا تھا کہ شادی کی لکیر ہاتھ میں نہیں ہے مگر بچے ہیں چار پانچ“

خان بہادر صاحب نے کہا ”بالکل ٹھیک بتایا۔ ارے بھئی ہم تو شادی اس کو کہتے ہیں نا اسلامی طریقہ پر قاضی صاحب نکاح کا خطبہ پڑھ کر کرتے ہیں معلوم نہیں اس جمعدارنے کس طرح شادی کی ہوگی۔ مجھ کو اس کی شادی میں شک ہو سکتا ہے مگر مرزا صاحب کی قابلیت میں شک نہیں ہو سکتا“

مرزا صاحب نے کہا ”غالباً مس پال اس لئے بھی ہاتھ نہیں دکھاتیں کہ بہت سے بھید کھل جاتے ہیں“

مس پال نے چڑھ کر کہا ”میرے کون سے بھید ہیں جو آپ کھولیں گے“

خان بہادر صاحب نے کہا ”بس تو اسی بات پر دکھا دیجئے ہاتھ“

مس پال نے کہا ”جی نہیں میں ان سے یوں بھی گھبراتی ہوں یہ بڑے گڑبڑ قسم کے آدمی ہیں۔ نہ جانے کس سے انگریزی کا ایک لفظ سیکھ آئے اور ایک دن مجھ سے کہنے لگے کہ آپ تو لفٹ ہی نہیں دیتیں۔ میں نے ان سے کہا لفٹ تو نہیں لفٹی حاضر ہے“

کمرے میں ایک قہقہہ گونج اٹھا اور مرزا صاحب جو دراصل چکنے گھڑے واقع ہوئے ہیں اس وقت خلاف معمول خفیف ہو کر رہ گئے۔ والد صاحب نے براہ راست ان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ”کیوں حضرت یہ باتیں ہیں یعنی آپ چپکے چپکے لفٹ بھی مانگتے پھرتے ہیں آپ تو بڑے چھپے رستم نکلے“

خان بہادر صاحب نے کہا ”اس بارے میں آپ کچھ نہیں کہہ سکتے بھائی صاحب۔

دل کے معاملات ہیں دل کے معاملات

والد صاحب نے فرمایا ”کم سے کم اپنی اور مس پال کی عمر کے فرق ہی کا اندازہ کر لیا ہوتا“

خان بہادر صاحب نے کہا ”بھائی صاحب یہ تو آپ کی زیادتی ہے محبت کی کوئی عمر نہیں ہوتی“

والد صاحب نے بیگم صاحبہ کو مخاطب کیا ”سن لیجئے بھابی صاحبہ“

بیگم صاحبہ نے برجستہ کہا ”جی ہاں دل کی باتیں یوں ہی زبان پر آیا کرتی ہیں“

اب مرزا صاحب بھی بولے ”کیا بات فرمائی ہے بیگم صاحبہ نے“

والد صاحب نے فرمایا ”آپ بھی یہی کہنے والے ہوں گے“

اسی وقت بیرے نے کمرے میں داخل ہو کر کھانے کے کمرے کا پردہ اٹھادیا اور سب گول کمرے سے اٹھ کر کھانے کے کمرے میں آگئے۔ عجیب اتفاق ہے کہ مس پال کا بنایا ہوا پھول پتیوں کا دل اس وقت مرزا صاحب کے سامنے تھا اور خود مس پال اپنے کھودے ہوئے کنویں میں اس طرح گریں کہ ان کو وہی کرسی مل سکی جس کے سامنے خود انہوں نے تیر کو پرواز کرتے ہوئے دکھایا تھا۔ مگر اس سے بھی زیادہ کمال یہ ہوا ہے کہ شبو میاں کے سامنے وہ چمگادڑ تھا جو درخت سے الٹا لٹکا ہوا تھا ہم نے سرگوشی میں رعنا کو یہ لطیفہ سنادیا جو بمشکل اپنی ہنسی روک سکی باقی کسی نے بھی اس لطیفہ پر غور نہ کیا اور دلچسپ گفتگو کے ساتھ کھانا جاری رہا۔ ”

* * *

مری جانے کا پروگرام تو خیر بن چکا تھا مگر سوال یہ تھا کہ گرمیاں ہوتیں تو سیزن گذارنے کے لئے وہاں قیام بھی ہو سکتا تھا مگر برف باری دیکھنے کے لئے دو ایک دن یا زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ ہفتہ ہی تو رہا جاسکتا تھا لہٰذا یہ صورت شبو میاں سے لڑانے کے لئے کوئی معقول صورت نہ تھی۔ ہم لوگ ابھی اس بات پر غور ہی کر رہے تھے کہ یہ خبر شبو میاں تک پہنچ گئی اور ان حضرت نے تو واقعی وہی حرکتیں شروع کر دیں جن کی پیشگوئی رعنا کر چکی تھیں سب سے پہلے تو خود رعنا سے انہوں نے اس پروگرام کے متعلق تصدیق چاہی اور جب تصدیق ہو گئی تو اپنے شدید اعتراض کا اظہار فرمادیا کہ میں اس کو کسی طرح بھی جائز نہیں سمجھتا کہ تم ایک نامحرم یعنی محض پڑوسی کے ساتھ تنہا یہ سفر کرو۔ مگر رعنا اس قسم کے موقعوں پر ہمیشہ شبو میاں کو یہ یاد دلادیتی ہیں کہ ان کا اصل مقام کیا ہے تاکہ وہ کسی غلط فہمی کا شکار نہ رہیں چنانچہ اس موقع پر بھی رعنا نے ان کی کافی خبر لی بلکہ یہاں تک کہہ دیا کہ آئندہ اس کے معاملات میں دخل در معقولات کی کبھی کوشش نہ کریں۔ رعنا سے یہ کھری کھری باتیں سن کر ان حضرت نے بیگم صاحبہ کی عدالت میں اپیل کی اور جب وہاں بھی منہ کی کھائی تو عین اس وقت جبکہ خان بہادر صاحب ہم کو اور رعنا کو مری جانے کے سلسلے میں ضروری مشورے دے کر رعنا کے کمرے سے اپنے کمرے

میں پہنچے ہیں اس عقل کے دشمن نے خدا جانے کیا کہا کہ ایک دم خان بہادر صاحب کے چیخنے کی آواز رعنا کے کمرے میں آئی اور ہم اور رعنا دونوں دروازے میں کان لگا کر کھڑے ہو گئے جہاں سے خان بہادر صاحب اور شبو میاں کا مکالمہ صاف سنائی دے رہا تھا۔ خان بہادر صاحب اونچی آواز میں کہہ رہے تھے

"یہ بیہودہ خیال تمہارے ذہن میں آیا ہی کیسے اور اگر تمہارے ذہن میں صرف بیہودہ خیال آسکتے ہیں تو تم نے یہ جرأت کیسے کی کہ میرے سامنے بھی اس کا اظہار کرو"

شبو میاں نے منمناتے ہوئے کہا "میں نے تو اس لئے عرض کیا تھا کہ زمانہ بہت برا ہے"

خان بہادر صاحب نے پھر ڈانٹا "زمانہ برا ہے برے لوگوں کے لئے۔ تم نے رعنا یا فرحت کو آخر سمجھ کیا رکھا ہے مجھ کو نہیں معلوم تھا کہ تم بیوقوف ہونے کے علاوہ اس قدر گندے خیالات بھی رکھتے ہو"

شبو میاں ٹھہرے چکنے گھڑے بھلا وہ چپ ہو سکتے تھے کہنے لگے "رعنا یا فرحت صاحب خواہ کتنے ہی شریف اور پاکباز ہوں مگر دنیا کی زبان کون روک سکتا ہے"

خان بہادر صاحب کو اور بھی غصہ آگیا "صاحب جہنم میں گئی دنیا میں نے دنیا کی پروا کبھی نہیں کی۔ مجھ کو رعنا پر اور رعنا سے زیادہ فرحت پر اعتماد ہے بس میرے لئے اتنا ہی کافی ہے"

شبو میاں نے شکست خوردگی کے ساتھ کہا "جیسی آپ کی مرضی مگر میں تو صرف یہ چاہتا تھا کہ اگر میں بھی ساتھ چلا جاتا تو......۔"

خان بہادر صاحب نے کہا "یہ بالکل دوسری بات ہے اگر تم جانا ہی چاہتے ہو تو مجھے اس میں کوئی اعتراض نہیں مگر محض اتنی سی بات کے لئے تم کو ایسے بیہودہ

توہمات میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔

شبو میاں کی غالباً شامت ہی آئی ہوئی تھی کہنے لگے "میں تو صرف یہ چاہتا تھا کہ۔

لازم ہے دل کے ساتھ رہے پاسبان عقل

خان بہادر صاحب آگ بگولہ ہی تو ہو گئے "پھر تم نے میرے سامنے بے محل مصرعہ پڑھا۔ نہ یہاں کوئی دل ہے اور فرض کر لو کہ دل ہو بھی تو آپ سے یہ کس نامعقول نے کہہ دیا ہے کہ آپ پاسبان عقل ہو سکتے ہیں۔ تمہارے خیال میں غالباً پاسبان عقل اس یتیم العقل کو کہتے ہیں جو عقل کے پیچھے لاٹھی لئے گھومتا رہے۔ بیوقوف کہیں کے۔ ایک مرتبہ کان کھول کر سن لو کہ فرحت ذہنی اور عقلی حیثیتوں سے اس قدر سلجھا ہوا ہے کہ تم اور تمہارے ایسے گھامڑ اس کو سمجھ ہی نہیں سکتے"

اب شبو میاں لاجواب تھے اور بجائے اس بات کا جواب دینے کے کہنے لگے۔ "تو پھر کیا رائے ہے آپ کی میں بھی ساتھ چلا جاؤں؟"

خان بہادر صاحب نے بیزاری سے کہا "یہ فیصلہ میں نہیں کر سکتا اس کا تعلق رعنا اور فرحت سے ہے۔ اگر وہ یہ گوارا کر سکیں کہ ان کی اس تفریح میں ایک ناجنس بھی ان کا شریک رہے تو مجھ کو اس میں کوئی اعتراض نہ ہو گا لیکن اگر وہ آپ کو نہ لے جانا چاہیں تو میں ان کو حق بجانب سمجھوں گا آپ اس کا ان ہی سے فیصلہ کر لیں۔"

شبو میاں بہت بہتر ہے کہہ کر وہاں سے روانہ ہوئے اور چونکہ آثار یہ تھے کہ اب یہ بلا ادھر کا رخ کرے گی لہذا ہم دونوں سنبھل کر بیٹھ گئے۔ ہمارا یہ خیال درست ہی نکلا اس لئے کہ فوراً ہی شبو میاں نے رعنا کے کمرے کی چلمن اٹھا کر کہا۔

"آسکتا ہوں نا"

رعنا نے برجستگی سے کہا "جب آپ آہی گئے ہیں تو پھر خواہ مخواہ اجازت طلب کر رہے ہیں تشریف لائیے"

شبو میاں نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا ”تو گویا صبح روانگی ہے آپ دونوں کی؟

رعنا نے بے رخی سے کہا ”جی ہاں ارادہ تو یہی ہے“

شبو میاں نے بڑے تجاہل عارفانہ سے فرمایا ”لطف تو کافی رہے گا۔ کیا خیال ہے چلوں میں بھی“

ہم نے رعنا کو بولنے کا موقع نہ دیا ”پھر تو کیا کہنا ہے۔ آپ بھلا کیوں جانے لگے۔

ہم نے دیکھا کہ رعنا کا چہرہ غصے کے مارے سرخ ہو گیا اس نے دانت پیس کر ہم کو منع بھی کیا مگر ہم نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اس کو خاموش رہنے کا مشورہ دیا۔ شبو میاں اس وقت مسکرا رہے تھے اور چونکہ مسکرانے کے مہذب طریقے سے وہ نا آشنا ہیں لہٰذا مسکراتے ہوئے وہ نہایت احمق نظر آتے ہیں پورا دہانہ کھول کر اور زیادہ سے زیادہ دانت نکال کر وہ ایک خاموش قہقہہ دراصل بلند کرتے ہیں اور اس کو مسکرانا سمجھتے ہیں۔ بہر حال اسی انداز سے بڑی دلیری کے ساتھ بولے ”چچا جان کی بھی یہی خواہش ہے کہ میں بھی آپ دونوں کے ساتھ چلا جاؤں“

رعنا سے اب نہ رہا گیا جلبلا کر بولی ”کس کی خواہش ہے ڈیڈی کی؟ ان کی خواہش کیوں ہے یہ۔ ان کی اس خواہش کا مطلب کیا ہے آخر وہ کیوں یہ چاہتے ہیں کہ آپ بھی بلاوجہ ہمارے ساتھ جائیں۔ یہ بات تو میں ان سے ابھی پوچھتی ہوں“

یہ کہہ کر ادھر رعنا اٹھی ادھر شبو میاں بھی بدحواسی کے ساتھ کھڑے ہو گئے اس کا راستہ روک کر ”بھئی بات تو سنو۔ پہلے پوری بات سن لو اس کے بعد غصہ کرنا بیٹھ جاؤ ذرا۔ میرا مطلب تم کچھ غلط سمجھ رہی ہو۔ میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ پہلے بیٹھ تو جاؤ پھر بتاؤں ساری بات“

رعنا نے بیٹھتے ہوئے کہا ”فرمایئے۔ کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟“

شبو میاں نے اپنی اختلاجی کیفیت پر قابو پا کر کہا ”صاحب بات یہ ہوئی کہ چچا جان نے مجھ سے پوچھا کہ تم بھی جانا چاہتے ہو مری میں نے اس پر ان کو جواب دیا کہ اگر رعنا بی بی اور فرحت صاحب ناپسند نہ کریں تو کیا مضائقہ ہے“

رعنا نے جرح کی ”یعنی ڈیڈی نے آپ سے پوچھا کہ آپ جانا چاہتے ہیں مری“

شبو میاں نے تھوک نگل کر کہا ”ہاں یعنی ان کا مطلب یہی تھا“

رعنا نے پھر اٹھتے ہوئے کہا ”اچھا تو یہی بات میں ڈیڈی سے پوچھتی ہوں کہ یہ انہوں نے پوچھا تھا کیا مصلحت تھی اس میں ان کی“

اور شبو میاں پھر سٹپٹائے ”پھر وہی۔ بھئی ذرا بیٹھ کر پوری بات تو سن لو آخر اس قدر مشتعل کیوں ہو رہی ہو“

رعنا نے واقعی مشتعل ہو کر کہا ”میں یہ بات صاف کر کے رہوں گی کہ آپ کی اس روایت میں کتنا حصہ آپ کا ہے اور کتنا ڈیڈی کا“

ہم نے رعنا کو سمجھایا ”پہلے شبو صاحب کی پوری بات تو سن لو اطمینان سے بیٹھ کر“

شبو میاں کو جیسے سہارا مل گیا ”جی ہاں یہی میں بھی عرض کر رہا تھا۔ اس قصے کو آخر اتنا طول دینے کی کیا ضرورت ہے اگر آپ دونوں مناسب نہیں سمجھتے کہ میں ساتھ جاؤں تو بس ٹھیک ہے میں نہیں جاتا“

ہم نے کہا ”نہیں صاحب اس میں نامناسب سمجھنے کی کیا بات ہے آپ کی وجہ سے ذرا دلچسپی ہی رہے گی“

رعنا نے ایک دم فیصلہ سنا دیا۔ میں نہیں جاتی مری اب آپ ہی تشریف لے جائیں“

ہم نے سمجھانے کی کوشش کی ”خواہ مخواہ بھی۔

رعنا نے اس وقت ہماری بات بھی سننا نہ چاہی "بس یہ میرا آخری فیصلہ ہے میں ہرگز نہیں جاؤں گی۔"

شکر ہے کہ عین اسی وقت بیگم صاحبہ چلمن اور دروازے میں پھنسی ہوئی کمرے میں داخل ہو گئیں وہ رعنا کا یہ فقرہ سن چکی تھیں کہ میں ہرگز نہیں جاؤں گی چنانچہ کمرے میں آتے ہی اپنے کو ایک صوفے پر گراتے ہوئے بولیں "کہاں نہیں جاؤ گی"

رعنا نے ان کے سامنے بھی کہدیا "ممی میں نے مری کا پروگرام منسوخ کر دیا ہے میں نہیں جاتی اب"

بیگم صاحبہ نے حیرت سے ہم کو دیکھتے ہوئے اس طرح کہا گویا جس زبان میں رعنا نے ان سے بات کی ہے وہ اس سے واقف نہیں ہیں۔ "یہ کیا کہہ رہی ہیں فرحت میاں"

ہم نے کہا "یہ یوں ہی کہہ رہی ہیں میں ان کو سمجھا دوں گا"

بیگم صاحبہ نے کہا "مگر بات کیا ہوئی آخر"

اور پھر شبو میاں کو معنی خیز نظروں سے دیکھ کر بولیں "کچھ شبو میاں نے تو نہیں کہا ہے"

شبو میاں تو چور بنے بیٹھے ہی تھے وہ کیا بولتے مگر رعنا نے کہا "ڈیڈی چاہتے ہیں کہ شبو بھائی بھی ہمارے ساتھ ضرور جائیں ڈیڈی کی آخر اس میں کیا مصلحت ہے"

بیگم صاحبہ نے حیرت سے کہا "تمہارے ڈیڈی چاہتے ہیں مجھے تو یقین نہیں۔ تمہیں کیسے معلوم ہوا"

شبو میاں نے جلدی سے صفائی پیش کی "جی وہ بات یہ ہوئی کہ چچا جان نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر تم جانا چاہتے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں تم چلے جاؤ"

رعنا نے کہا "جی نہیں آپ تو یہ کہہ رہے تھے کہ چچا جان کی یہ خواہش ہے کہ

میں آپ دونوں کے ساتھ جاؤں"

شبو میاں نے گھبرا کر کہا "مگر میرا مطلب تو یہی تھا کہ گویا۔ یعنی۔"

بیگم صاحبہ نے بات کاٹ کر کہا "خیر نہ گویا نہ یعنی۔ مگر تمہارا سوال کیسے پیدا ہو گیا ایک منٹ تو تمہاری اور رعنا کی بنتی نہیں پھر یہ کہ جو باتیں تم مجھ سے اس سلسلے میں کہہ چکے ہو اس کے بعد تو میں ہرگز تم کو ساتھ نہ جانے دوں گی۔"

شبو میاں اس وقت ضرورت سے زیادہ حساس بن گئے اور "جیسی آپ کی مرضی" ہم پر جھلاتے ہوئے کمرے سے کھسک گئے۔ جب ان کے چلے جانے کا واقعی یقین ہو گیا تو رعنا ہم پر برس پڑی "اور یہ آپ سے کس نے کہا تھا کہ آپ یہ مصیبت بھی سر لگا لیں"

ہم نے کہا "آپ تو سمجھی نہیں ہیں میری اب بھی یہی رائے ہے کہ ان کو واقعی ساتھ جانا چاہئے"

رعنا نے جل کر کہا "ان کے ساتھ تو کوئی اگر مجھے جنت الفردوس بھی بھیجے تو میں سات سلام کروں دور ہی سے ایسی جنت کو۔ ممی آپ کو نہیں معلوم ان حضرت کی ڈیڈی نے ابھی کافی خبر لی ہے کافی جھاڑ پڑی ہے اور ہم دونوں نے سب کچھ سنا ہے اس کے بعد یہ دروغ باف ایسا سفید جھوٹ بول رہا تھا کہ میں کیا کہوں۔ ڈیڈی نے تو خود ان حضرت کے جانے کی مخالفت کی تھی"

بیگم صاحبہ نے جل کر ہزاروں صلواتیں شبو میاں کو سنا ڈالیں اور آخر میں یہی طے کیا کہ یہ حضرت ہرگز ساتھ نہ جائیں ہم نے لاکھ لاکھ سمجھایا کہ ان کا ساتھ جانا ہر اعتبار سے مناسب ہے مگر نہ بیگم صاحبہ مانیں نہ رعنا اس مصلحت کو سمجھ سکیں مجبوراً ہم کو بھی چپ ہو جانا پڑا"

* * *

مری پر جو سہاگ گرمیوں میں برستا ہے وہ حالت تو جاڑوں میں نہیں ہوتی مگر جاڑوں میں بھی ایک خاص حسن ہوتا ہے بلکہ پہاڑی مقامات کے محققین کا خیال تو یہ ہے کہ پہاڑ کا اصل حسن برف باری ہی کے زمانے میں نکھرتا ہے۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ اس حسن کی تاب کوئی لا سکے یا نہ لا سکے۔ ہر طرف ایک سناٹا۔ نہ وہ مال کی چہل پہل نہ وہ رنگ برنگ غراروں کی سرسراہٹیں نہ خواہ مخواہ مال کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سڑک ناپنے والوں کے ہجوم نہ وہ کوٹھیوں پر شیشے جڑنے والے دستکاروں کی گرم بازاری نہ ریسٹورانوں کی وہ رونق اور یہ منظر کہ دیکھنے والا جھوم جھوم کر گنگنانے لگے کہ۔

ایسا عالم تیرا ہوتا ہے مئی اور جون میں
بیبیاں بھی چلتی پھرتی ہیں جہاں پتلون میں

سمندِ ناز پر سوار ہونے والا حسن جب کرائے کے گھوڑوں پر نظر آتا ہے تو عجیب احساس ہوتا ہے دیکھنے والے کو مگر آج کل تو بس یہاں کے اصل باشندے یا ہمارے ایسے چند سر پھرے ہی یہاں نظر آتے ہیں۔ وہ ہوٹل والے جو گرمیوں میں سیدھے منہ بات نہیں کرتے اور اگر بات کرتے ہیں تو منہ مانگا کرایہ طلب کرتے ہیں آج کل اس قدر خلیق ملنسار اور فیاض نظر آتے ہیں کہ پورا ہوٹل آپ کے قدموں پر نچھاور

کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں اور جو کچھ ان کو دے دیجئے اسی کو مالِ غنیمت سمجھتے ہیں۔

جس وقت ہم دونوں مری پہنچے ہیں تمام سلسلہ کوہسار دھنکی ہوئی روئی کا ایک عظیم الشان گالا بنا ہوا تھا اور ہر طرف برف ہی برف نظر آ رہی تھی۔ سناٹا ایسا کہ گویا ہم سے پہلے یہاں آدم زاد کی پہنچ ہوئی ہی نہیں مگر تھوڑی ہی دیر میں چند ہوٹل والوں نے اور چند مزدوروں نے ہماری کار کو آ کر گھیر لیا۔ مگر ہم لاہور ہی سے جس ہوٹل کے متعلق طے کر کے گئے تھے اسی کا رخ کیا۔ یہ ہوٹل ہمارے نزدیک مری کے سب سے خوبصورت حصے میں ہے اور اس ہوٹل کے جو دو کمرے ہم دونوں نے اپنے اپنے لئے وہ تو سچ مچ فضا میں معلق نظر آتے تھے۔ حد نظر تک سوائے ایک مرمریں دودھیا فضا کے اور کچھ بھی نہ تھا۔ اگر ہم گرمیوں میں آئے ہوتے تو ہمارے کمروں کی ان ہی کھڑکیوں سے وہ گہرے گہرے کھڈ نظر آتے جن میں سفید جوتے کی ڈوری سی پڑی ہوئی نظر آتی اور یہ وہی بل کھاتی ہوئی سڑک ہوتی جس سے ہماری کار گذر کر یہاں تک پہنچی تھی مگر آج کل تو برف نے ہر سڑک۔ ہر مکان اور ہر درخت کو برف ہی برف بنا رکھا تھا۔“

ہمارے اور رعنا کے کمرے علیحدہ علیحدہ ضرور تھے مگر ملے ہوئے لطیفہ یہ ہوا کہ ہم نے ہوٹل کے منیجر سے جس وقت اپنے لئے دو علیحدہ علیحدہ کمرے طلب کئے تو اس کو خیال ہوا کہ ہمارے کچھ اور ساتھی بھی آ رہے ہیں مگر جب اس کو معلوم ہوا کہ ہم ہی دونوں ایک کے بجائے دو کمرے چاہتے ہیں تو گو اس نے زبان سے کچھ نہیں کہا مگر آنکھوں سے حیرت ضرور برسائی اور اس کا یہ تعجب غلط بھی نہ تھا اس لئے کہ یہاں تو عموماً وہ علیحدہ علیحدہ کمروں میں رہنے والے آتے ہیں جو ایک ہی کمرے میں رہ سکیں پہاڑ تو اس کے لئے مشہور ہی ہے کہ بڑی بڑی پردہ نشین خواتین برقعے ترک کر دیتی ہیں اور پہاڑ کی آب و ہوا محرم اور نامحرم کے امتیاز کو مٹا دیتی ہے۔

برقعوں میں لپٹ کر سڑکوں پر سمٹ سمٹ کر چلنے والیاں یہاں اپنے غراروں کے گرداب منظر عام پر لئے پھرتی ہیں۔ غرارہ پہن کر بے نقاب پھرنے والیاں یہاں واقعی پتلون میں شہسواری کرتی نظر آتی ہیں۔ بڑے بڑے کوہکن یہاں شیریں کو بے نقاب دیکھنے آتے ہیں اور بیوقوف سمجھا جاتا ہے قیس جو نجد کے ویرانوں میں محمل نشین لیلیٰ کے بجائے صرف اس کے اونٹ کی زیارت سے مشرف ہوتا رہا اگر وہ پہاڑ پر آجاتا تو لیلیٰ محمل سے باہر نظر آسکتی تھی۔ بہر حال ہوٹل کے اس منیجر کا یہ تعجب یقیناً حق بجانب تھا اور وہ یہ معمہ یقیناً حل نہ کرسکا ہوگا یہ کیسے نوجوان مرد اور عورت ہیں جو پہاڑ کی بلندیوں پر پہنچ کر بھی اپنے سطحی اعتبارات میں مبتلا ہیں، مگر اس کو کیا معلوم کہ یہی سطحی اعتبارات بہت سی ان قباحتوں کو دبائے ہوئے ہیں جو برپا ہوجانے کے لئے بے قرار ہیں۔ ہم دونوں میں سے کسی کے ذہن میں بھی یہ سوال کسی وقت نہ آیا کہ ہم پہاڑ کی ان سنسان تنہائیوں سے کوئی ناجائز فائدہ اٹھانے جارہے ہیں رعنا کو خود اپنے اوپر کافی اعتماد تھا اور ہم خان بہادر صاحب بیگم صاحبہ اور خود رعنا کے اس اعتماد کا احترام کرتے تھے جو ان سب کو ہم پر تھا۔ رعنا کی اس سپردگی کا راز ہی صرف یہ تھا کہ اس کو ہم سے کسی عامیانہ لغزش کی امید نہ تھی اور ہم واقعی محتاط تھے کہ کہیں ہماری کسی بات سے رعنا کو ہماری اصلیت کا پتہ نہ چل جائے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ اگر انسان نسلی طور پر شریف زادہ ہو تو اس کو حق ہے کہ خواہ وہ شرافت سے گری ہوئی کوئی بھی حرکت کر جائے اس کی نسلی شرافت پر آنچ نہیں آسکتی وہ بہر حال شریف ہی سمجھا جائے گا مگر وہ جو شریف نہ ہو اس کے لئے تو شرافت اور شرافت میں احتیاط اس لئے بھی ضروری ہوجاتی ہے کہ قلعی نہ کھل جائے دنیا یہی کہے گی کہ ”اصل سے خطا نہیں کم اصل سے وفا نہیں“ لہٰذا خواہ اصل خطا کرتا رہے مگر کم اصل کو بہر حال وفا ہی کرنا چاہئے۔ ہم کو معلوم تھا کہ ہماری اصلیت کیا ہے اور ہم کیا

بنے ہوئے ہیں اور یہ بھی معلوم تھا کہ خان بہادر صاحب کس قدر شریف آدمی ہیں اور رعنا ذاتی طور پر کس قدر شریف لڑکی ہے لہٰذا ہمارے لئے شرافت کچھ ضرورت سے زیادہ ضروری بن کر رہ گئی تھی اب مثلاً شبو میاں ہی کو دیکھ لیجئے یہ طے ہے کہ وہ شرافت سے گری ہوئی حرکتیں عموماً کرتے رہتے ہیں مگر اس کا حق ان کو اس لئے حاصل ہے کہ خاندانی طور پر شریف ہیں وہ خواہ کتنے ہی گر جائیں اور کیسا ہی کمینہ پن کیوں نہ کر گزریں مگر کہلائیں گے شریف اور ان کی شرافت پر حرف نہ آسکے گا مگر ہماری تو وہ حیثیت نہ تھی یہاں تو ذرا سا پیچ اور کھلی قلعی۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ خوبصورت عورتیں اپنے میک اپ کا اتنا خیال نہیں کرتیں جتنا واجبی شکل صورت کی عورتوں کو کرنا پڑتا ہے وہ ہر دس پندرہ منٹ کے بعد پرس سے شیشہ نکال کر دیکھ لیتی ہیں کہ اپنے سانولے رنگ کو جو انہوں نے گورا بنا رکھا ہے یہ رنگ کہیں سے پھیکا تو نہیں پڑا۔ تقریباً یہی حال اپنا تھا کہ قدم قدم پر اپنے کو تولنا پڑتا تھا اور پھر بھی دل چور تھا کہ خدا جانے کب پکڑے جائیں۔

ہوٹل میں آنے کے بعد جب ہم دونوں اپنا اپنا کمرہ درست کر کے اور کپڑے بدل کر آدمیت کے جامے میں آگئے تو رعنا اپنے کوٹ میں لپٹی ہوئی باہر نکلیں اور ہم کو دیکھ کر دانت بجاتے ہوئے بولیں ”توبہ ہے کس قیامت کی سردی ہے“

ہم نے کہا ”میں نے آتشدان گرم کرادیا ہے اور کافی منگائی ہے۔ آپ بھی آجائیں“

رعنا نے کہا یہ سچ مچ آگ کی طلب تو ایسی ہو رہی ہے جیسے مئی اور جون میں برف کو جی چاہتا ہے“

ہم نے گھبرا کر کہا ”خدا کے لئے برف کا نام نہ لیجئے معلوم ہوا جیسے آپ نے برف کی ڈلی کانوں میں ڈال دی“

http://www.paktunplace.com

رعنا نے ہمارے کمرے میں جاتے ہوئے کہا ”خدا کے لئے باہر کھڑے نہ رہیئے میں تو جمی جا رہی ہوں بالکل“

آتشدان کے قریب آکر جب ہم دونوں کچھ دیر بیٹھے اور گرم کافی کی متعدد پیالیاں چڑھا گئے تو کچھ حواس درست ہوئے اور وہ جو ایک کپکپی سی تھی وہ کچھ دور ہوئی۔ اس قدر پیار آرہا تھا اس وقت آتشدان میں بلند ہونے والے شعلوں پر کہ یہ بات سمجھ میں نہ آئی تھی کہ ہمارے علمائے کرام اور ہمارے واعظ آخر آتش دوزخ سے کیوں ڈراتے ہیں اور اس میں موسم کا لحاظ کیوں نہیں کرتے مثلاً گرمیوں میں وعظ ہے تو وہ بیشک عبرت دلانے کے لئے جہنم کے غضب ناک شعلوں کا ذکر کریں مگر دسمبر اور جنوری میں تو ان کو یہی کہنا چاہیئے کہ جہنم کرہ زمہریر میں ہے اور گنہگار برف کے پانی میں ڈبو دیئے جائیں گے برف میں دفن کر دیا جائے گا اور عذاب کے فرشتے ان کو آئس کریم کھلائیں گے اور برف میں نہلا نہلا کر پنکھا جھلیں گے۔ ہم ابھی یہی غور کر رہے تھے کہ رعنا نے غالباً کافی کی چوتھی پیالی پیتے ہوئے کہا ”مجھ سے ابھی باہر چلنے کو نہ کہیئے گا میں پہلے اس سردی کی عادی ہو جاؤں پھر یہ ہمت کر سکتی ہوں۔ اس وقت جو غسل کیا ہے میں نے تو میرا ہی دل جانتا ہے کہ کیا حال ہوا ہے میرا“

ہم نے کہا ”یہ آپ گرم پانی سے غسل کا ذکر فرما رہی ہیں۔ ذرا میرے دل سے پوچھیئے جس نے ٹھنڈے پانی سے حسب معمول غسل کیا ہے“

رعنا نے ایک دم اپنے کوٹ میں سمٹ کر کہا ”بھئی یہ ذکر نہ کیجئے دیکھئے پھر سردی لگی مجھے......“

ہم نے کہا ”یہاں تو واقعی تیمم کرنا چاہیے۔ میں نے جس وقت پہلا لوٹا ڈالا ہے اپنے جسم پر معلوم ہوا کہ جیسے بجلی کا شاک لگا۔ اور پھر احساس ہوا کہ شاید میں منجمد ہو گیا ہوں مگر دانت بھینچ کر پھر جو لگاتار لوٹے برسائے ہیں تو......“

رعنا نے جھرجھری لیکر کہا ”خدا کے لئے یہ ذکر ختم بھی کیجئے۔ لیجئے کافی ایک

پیالی اور پی لیجئے۔ سچ مچ آب حیات معلوم ہو رہی ہے اس وقت یہ کافی“

ہم نے کہا ”آخر کتنی پی جائے گی کافی چوتھی پیالی ہے یہ“

رعنا نے برجستگی سے کہا ”یہاں کافی خواہ کتنی ہی پی جائے ناکافی ہے۔ یہاں کا موسم دیکھ کر تو مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ میں شبو بھائی کو ساتھ کیوں نہ لائی۔ بڑا لطف آتا ان کی تو غالباً شہادت واقع ہو جاتی یہاں“

ہم نے سنجیدگی سے کہا ”میں نے تو پہلے ہی کہا تھا اور میں ان کا ساتھ آنا بہت ضروری سمجھتا تھا۔ اب وہ طرح طرح کے وہموں میں مبتلا ہوں گے وہ اپنے ہی معیار پر ہم دونوں کو بھی جانچتے ہیں۔ نہ جانے کیا بکواس کرتے پھریں گے اگر وہ ساتھ آتے تو ان کو کم سے کم یہی اندازہ ہو جاتا کہ سب ان ہی کی قسم کے آدمی نہیں ہوتے“

رعنا نے کہا ”جی نہیں آپ یہ غلط سمجھ رہے ہیں وہ اگر ساتھ آتے تو اس خوش فہمی میں مبتلا ہو جاتے کہ یہ جو ہم دونوں نے دو علیحدہ کمرے لئے ہیں یہ سب ان ہی کی وجہ سے ہوا ہے اور یہ جو ہم دونوں شرافت برت رہے ہیں یہ سب ان ہی کی موجودگی کے خیال سے ہو رہا ہے“

ہم نے کہا ”یہ درست ہے مگر ان کو طرح طرح کے شبہوں میں مبتلا ہونے کا موقع تو نہ ملتا“

رعنا نے حقارت سے کہا ”تو ان کے شبہے ہمارا بگاڑ ہی کیا لیں گے جب تک ڈیڈی اور ممی کو اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہم دونوں کو اپنے اپنے اوپر اعتماد حاصل ہے ان کے شبہے کرنے سے کیا ہوتا ہے۔

ہم نے کہا ”مگر میں ان کو اس اعتبار سے حق بجانب سمجھتا ہوں کہ اول تو وہ آپ کے فی الحال برادر محترم......“

رعنا نے بات کاٹ کر کہا ”میں اس لفظ فی الحال پر شدید احتجاج کرتی ہوں“

ہم نے کہا ”یہ احتجاج تو آپ ان ہی سے کیجئے جو یہ سمجھتے ہیں مگر ان کو تو یہی

یقین ہے نا کہ ان کو آپ پر پورا اقتدار حاصل ہونے والا ہے“

رعنا بولی ”مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر سمجھتے کیوں ہیں میری رائے ان کو اب تک معلوم ہو جانا چاہئے۔ ممی ان کے نام سے کانوں پر ہاتھ رکھتی ہیں ڈیڈی کا اندازہ آپ خود کر چکے ہوں گے“

ہم نے کہا ”وہ کچھ بھی سہی مگر ان کو تو یقین ہے اور اس یقین کی ظاہر ہے کہ کوئی نہ کوئی وجہ بھی ضرور ہو گی“

رعنا نے سنبھل کر بیٹھتے ہوئے کہا ”جی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کی ماں جان نے میری پیدائش کے وقت ممی سے کہیں یہ کہدیا تھا کہ بس یہ لڑکی میری ہے اور شبو تمہارا ہے اب ظاہر ہے کہ وہ وقت فوجداری کا تو تھا نہیں ہنسی میں بات ٹل گئی تھی۔

ہم نے کہا ”اور اس کے بعد کبھی سنجیدگی سے انکار نہ کیا گیا ہو گا“

رعنا نے بڑی مستعدی سے کہا ”ایک مرتبہ نہیں ہزار مرتبہ ابھی پچھلے سال ہماری یہ چچی صاحبہ اپنے چونچلے بگھارنے تشریف لائی تھیں کہ اب اللہ رکھے دونوں سیانے ہو گئے ہیں مگر ڈیڈی نے یہ بات سنتے ہی وہ مزاج پوچھا ہے کہ اگر سمجھدار ہوتیں تو پھر ادھر کا رخ نہ کرتیں“

ہم نے کہا ”معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اب تک امید ہے اور وہ بیٹے کو یقین دلا چکی ہیں“

رعنا نے برا سا منہ بنا کر کہا ”گھرانے کا گھراتا عقل کا بیری ہوتا ہے بمبئی ذرا گھنٹی بجایئے کال اور منگائی جائے“

لاکھ رعنا کو روکا لاکھ منع کیا مگر وہ کال سے باز نہ آئی حد یہ ہے کہ کھانا بھی اس سے نہ کھایا گیا جب تک بیٹھی رہی کال کا دور چلتا رہا اور آخر لحاف میں لیٹنے کے شوق میں اپنے کمرے میں چلی گئی۔

☆

ہم لوگوں کو مری آئے آج تیسرا دن تھا۔ رعنا اب نہ صرف اس سردی کی عادی ہو چکی تھیں بلکہ وہ برف باری سے کافی دلچسپی بھی لے رہی تھیں اور برف پر اسکیٹنگ اور برف کے گھروندے بنانے کا ان کو ایسا شوق ہوا تھا کہ موقع ملا اور اسکیٹنگ شروع کردی ذرا وقت ملا اور برف کا ایک ایوان تعمیر کر دیا۔ اب کافی بھی نسبتاً کم تھی اور بھوک خوب بن لگنے لگی تھی مگر چرخ ستمگار سے بھلا یہ کیسے دیکھا جاتا کہ زندگی میں صرف لطف ہی لطف ہو اور کوئی بد مزگی آس پاس ممکن ہی نہ ہو چنانچہ اس نے اس مزے کو کرکرا کرنے کے لئے ایک چٹکی ریت کی اس طرح ڈالی کہ عین اس وقت جبکہ ہوٹل کے سامنے برف سے ڈھکے ہوئے لان پر رعنا تاج محل تعمیر کر رہی تھیں اور اس محل کے سامنے حوض میں فوارہ لگا رہی تھیں کہ ایک قلی نے کسی کا سامان لا کر ہمارے برآمدے میں رکھدیا اور ابھی ہم اس سامان کے متعلق پوری طرح غور بھی نہ کرنے پائے تھے کہ لحاف میں لپٹے ہوئے شبو میاں نے السلام علیکم ”کا وہ بم مارا ہے کہ رعنا کا تاج محل خود رعنا کے ہاتھوں منہدم ہو کر رہ گیا اور ہم بھی شپٹا کر رہ گئے کہ یہ کیا بلکہ خود ان سے بھی یہی کہا کہ

”یہ آپ کہاں“

شبو میاں نے بجائے اس بات کا جواب دینے کے کہا ”مار ڈالا صاحب اس

http://www.pakrunplace.com

سردی نے مجبوراً گھوڑا گلی میں بستر کھولا میں نے اور لحاف نکال کر اوڑھنا پڑا......۔

رعنا اتنی دیر میں اس حادثے کی تاب لا چکی تھیں اور انہوں نے بھی نہایت مضمحل آواز میں کہا ”مگر جناب تشریف کیسے لے آئے؟“

شبو میاں نے قلی کو دام دے کر رخصت کرتے ہوئے کہا ”پہلے مجھے کسی کمرے میں پہنچا دیجئے پھر اطمینان سے بات کروں گا میں تو منجمد ہوا جاتا ہوں“

ہم نے کہا ”آپ فی الحال میرے کمرے میں چلئے اور آگ کے پاس بیٹھئے“

شبو میاں نے چلتے ہوئے کہا ”غالباً یہیں کی مٹی تھی میری قضا کھینچ کر لائی ہے ناممکن ہے کہ میں جانبر ہو سکوں“

کمرے میں پہنچ کر وہ مع اپنے لحاف کے کچھ نانی اماں بنے ہوئے آگ کے پاس اس طرح بیٹھے کہ گویا اپنا روسٹ بنانا چاہتے ہیں۔ ہم نے کافی بنا کر پیش کی تو پہلے تو بدحواسی میں اس کا ایک گھونٹ پی گئے پھر منہ بنا کر بولے ”یہ کافی ہے لاحول ولا۔ یہ تو میں پی ہی نہیں سکتا مجھے تو چائے پلوایئے میں باز آیا حقے کے اس پانی سے“

ہم نے گھنٹی بجا کر بیرا کو بلایا اور اس کو چائے لانے کی ہدایت دے کر اب جو واپس آئے ہیں تو رعنا باقاعدہ شبو میاں سے الجھی ہوئی تھیں ”میں آپ سے زبانی بات تو کرنا ہی نہیں چاہتی آپ یہ مجھ کو لکھ کر دے دیں کہ ڈیڈی نے آپ کو بھیجا ہے۔

فرحت صاحب سنا آپ نے فرماتے ہیں جناب کہ ڈیڈی نے بھیجا ہے آپ کو“

ہم نے کہا ”ہاں تو کیا ہوا بھیجا ہوگا“

رعنا نے بڑے وثوق سے کہا ”ناممکن ہے۔ وہ بھلا کیوں بھیجتے یہ خود ہی تشریف لائے ہیں اور بہت ممکن ہے کہ گھر میں کسی کو پتہ بھی نہ ہو کہ یہ کہاں گئے ہیں“

شبو میاں اب اس قابل ہو گئے تھے کہ اپنے بیہودہ تبسم کی بجلیاں ہم پر

گرائیں چنانچہ مسکرا کر فرمایا یہ لیجئے تو کیا آپ کا مطلب یہ ہے کہ میں بھاگ کر آیا ہوں اور میرا حلیہ لکھوایا جائے گا۔ صاحب میں نے تو صرف یہ کہا تھا کہ مجھے بھی برف باری دیکھنے کا شوق تھا اس پر چچا جان نے کہا کہ اگر تم جانا چاہتے ہو تو اب چلے جاؤ“

رعنا نے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا ”میرے خیال میں تو یہ بھی غلط ہے اللہ جانے آپ کی کونسی بات سچ ہوتی ہے اور کون سی جھوٹ اور فرض کر لیجئے کہ یہی واقعہ ہے تو سوال یہ ہے کہ آخر ہم لوگوں نے آپ کا کیا بگاڑا تھا۔

رعنا کی اس صاف گوئی کی تاب نہ لا کر خود ہم نے قطع کلام کیا ”آپ دونوں کی چھیڑ تو خیر چلتی ہی رہے گی۔“

شبو میاں پر ایسی خدا کی مار تھی کہ وہ خود اپنی شامت گھیر گھیر کر لاتے تھے۔ چھیڑ کا لفظ سنتے ہی بولے ”آپ نے بالکل سچ کہا۔

چھیڑ خوباں سے چلی جائے اسد“

اور رعنا ایک مرتبہ پھر تلملا اٹھی ”خوباں۔ کون ہے خوباں۔ کس کو کہہ رہے ہیں آپ خوباں؟

ہم نے پھر مداخلت کی ”صاحب یہ تو خوبانیوں کا دیس ہے“

مگر لاحول ولا قوۃ ہم نے بھینس کے آگے بین بجایا تھا وہ حضرت بولے۔ ”جی نہیں میں نے تو اسد یعنی غالب کا مصرعہ پڑھا تھا“

رعنا نے جل کر کہا ”زندہ ہوتا غالب تو گولی مار دیتا آپ کو اپنے مصرعے کے اس بیہودہ استعمال پر“

ہم چاہتے تھے کہ یہ مصیبت نازل ہی ہو گئی ہے تو اب اسے خوشگوار بنانے کی کوشش کی جائے۔ لہٰذا ہم پھر بیچ میں ٹپکے“

”شبو میاں صاحب میری رائے یہ ہے کہ پہلے آپ اطمینان سے غسل وغیرہ

کرلیں۔

شبو میاں نے ایک دم چونک کر کہا”جی کیا فرمایا آپ نے غسل۔ یہاں۔ اس موسم میں۔ صاحب میں اس پردیس میں یہ خودکشی بھلا کیوں کرنے لگا“

ہم نے کہا”اچھا جانے دیجئے مگر یہ تو بتا دیجئے کہ اب آپ کا پروگرام کیا ہے؟

شبو میاں نے اپنے کو لحاف میں کچھ اور بھی ملفوف کرتے ہوئے کہا”صاحب یہاں سوائے اس کے اور پروگرام ہی کیا ہو سکتا ہے کہ آدمی لحاف میں لیٹا آگ کے سامنے بیٹھا رہے میرا تو یہاں بھی دم نکلا جارہا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ لوگ یہاں ٹھہرے ہوئے کیسے ہیں“

رعنا نے بے اعتنائی سے کہا”خیر ہم آپ کی سمجھ کے ذمہ دار تو ہیں نہیں اور نہ دراصل آپ خود اپنی سمجھ کے ذمہ دار ہیں۔ بہر حال ہم دونوں تو جارہے ہیں اسکیٹنگ کے لئے اگر آپ کو یہیں ٹھہرنا ہے تو آپ شوق سے تشریف رکھئے“

شبو میاں نے حیرت سے کہا”اسکیٹنگ یعنی آپ دونوں برف پر پھسلنے جارہے ہیں کمال ہے صاحب“

ہم نے کہا”آج برف کے میدان میں ان کا ہاکی میچ ہے اگر دیکھنے کا شوق ہے تو تشریف لایئے“

شبو میاں نے لحاف کلیجہ سے لگا کر اور خود لحاف کے کلیجہ میں گھس کر فرمایا۔ ”ختے صاحب مجھے خدا روح منجمد ہوئی جاتی ہے اور آپ کو برف بازی کی سوجھی ہے۔“

ہم نے کہا”کم سے کم یہ تو طے کر لیجئے کہ قیام آپ کا کہاں ہوگا۔ ایک کمرہ ان کے پاس ہے ایک کمرہ یہ ہے میرا اگر فرمایئے تو ایک تیسرے کمرے کا بندوبست کر دیا جائے“

شبو میاں نے حیرت سے پوچھا”یعنی دو کمرے ہیں آپ کے پاس گویا ایک

کمرہ فی آدمی“

رعنا نے جل کر کہا”اور نہیں تو کیا آپ کا خیال یہ تھا کہ ہم دونوں ایک ہی کمرے میں ہوں گے“

شبو میاں جلدی میں سچ بول گئے”میں تو یہ سمجھا تھا۔ بہر حال اب تیسرے کمرے کی کیا ضرورت ان ہی میں سے کہیں میں پڑ رہوں گا“

رعنا نے نہایت رکھائی سے کہا”خیر دونوں میں سے کسی میں تو کہئے نہیں۔ میرے کمرے میں تو آپ پڑ نہیں سکتے البتہ فرحت صاحب کو اپنے کمرے کا اختیار ہے......۔

ہم نے کہا”آپ شوق سے اس کمرے میں رہ سکتے ہیں میں ایک اور مسہری لگوائے دیتا ہوں یا اگر آپ علیحدہ کمرہ چاہیں تو اس کا انتظام کر دوں“

شبو میاں نے نہایت غیر متعلق بن کر فرمایا”جیسا آپ مناسب سمجھیں بہر حال کمرہ ذرا کم ہوادار اور تھوڑا بہت گرم ہو تو اچھا ہے“

رعنا سے پھر چپ نہ رہا گیا۔ اس اعتبار سے تو ہوٹل کا باورچی خانہ غالباً مناسب رہے گا“

شبو میاں نے آتشدان میں دو تین لکڑیاں اور ڈالتے ہوئے کہا”نہیں صاحب میری چارپائی تو آپ اسی آتشدان کے قریب بچھوا دیجئے“

رعنا نے کمرے سے باہر جانے کا ارادہ کرتے ہوئے کہا”بہت اچھا یہی انتظام ہو جائے گا۔ آیئے فرحت صاحب ورنہ اسکیٹنگ کا پروگرام رہ جائے گا“

ہم نے ہوٹل سے باہر جاتے ہوئے بیرے کو شبو میاں کے سلسلہ کی ضروری ہدایات دے دیں اور پھر رعنا کے ساتھ ہوٹل کے حدود سے نکل گئے مگر راستہ نہایت خاموشی کے ساتھ طے ہوتا رہا۔ رعنا خدا جانے کس محویت میں تھیں کہ

کچھ نہ بولیں اور ہم چونکہ ان کی اس محویت کا مفہوم سمجھ رہے تھے لہٰذا دانستہ چپ رہے مگر آخر کب تک مجبوراً رعنا کو مخاطب ہی کرنا پڑا "کیا کوئی شعر نازل ہو رہا ہے"

رعنا نے ایک دم چونک کر کہا "واقعی شعر ہی نازل ہو رہا تھا۔ ذوق نے زندگی بھر میں جو ایک کام کا شعر کہا تھا وہ آج ہمارے کام آ گیا کہ۔

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

ہم نے کہا "واقعی بڑا حسب حال مطلع ہے مگر مجھے فارسی کا یہ مصرعہ یاد آ رہا تھا کہ۔

بہ ہر زمیں کہ رسیدیم آسماں پیدا است

رعنا نے نہایت تشویش سے پوچھا "مگر اب ہو گا کیا؟"

ہم نے کہا "ہوتا کیا۔ لطف رہے گا"

رعنا جل ہی تو گئیں "آپ کو تو سوجھ رہا ہے مذاق مگر میں آپ کو کیسے بتاؤں کہ اس شخص کا وجود ایک مستقل بوجھ ہوتا ہے میرے احساسات پر میں ہر قسم کی بیماری برداشت کر سکتی ہوں مگر یہ عارضہ میرے لئے ناقابل برداشت ہے"

ہم نے کہا "اچھا اسکیٹنگ سے واپسی پر اس کے متعلق کچھ غور کریں گے"

رعنا نے کہا "میں اسکیٹنگ کے لئے نہیں جا رہی ہوں میں تو صرف وہاں سے ٹلی ہوں دماغ کا بوجھ ہلکا کرنے۔ فرحت تم نہیں جانتے کہ میں اس شخص کو دیکھ کر کس قدر چڑچڑی ہو جاتی ہوں"

ہم اس وقت جھوم رہے تھے آج رعنا نے پہلی مرتبہ فرحت صاحب کے بجائے صرف فرحت کہا تھا کس قدر یگانگت تھی اس تخاطب میں اور کتنا حوصلہ افزا تھا یہ خطاب۔ ہم نے رعنا کو نہایت دلسوزی سے سمجھایا۔

"مجھے معلوم ہے رعنا کہ تم کس کوفت میں مبتلا ہو مگر جب مصیبت پڑ ہی جائے تو اس مصیبت سے دلچسپی لے کر اسے جہاں تک ہو خوش گوار بنانے کی کوشش کرنا چاہئے اور جب تم خود یہ جانتی ہو کہ یہ حضرت جس وہم میں مبتلا ہیں وہ وہم ان کے لئے واقعہ اور تمہارے لئے حادثہ نہیں بن سکتا تو تم اس کو اس قدر سنجیدگی کا مستحق ہی کیوں سمجھتی ہو"

رعنا نے کہا "مجھے سب سے زیادہ فکر آپ کے متعلق ہے کہ بدتمیز آدمی خدا جانے آپ پر کیا وار کر بیٹھے"

ہم نے قہقہہ بلند کرتے ہوئے کہا "میری فکر کی اتنی ضرورت نہیں ایک تو میری زندگی اتنی قیمتی نہیں دوسرے اب میں ایسا گیا گذرا بھی نہیں کہ ان حضرت کے وار کی تاب بھی نہ لا سکوں"

رعنا نے کہا "آپ کی زندگی آپ کے لئے نہ سہی دوسروں کے لئے تو قیمتی ہے"

کیا یہ جملہ اتنا نشیلا نہ تھا کہ اس کے سرور میں ہم جھومتے ہی رہ جاتے آنکھوں کی بات زبان پر آ کر قیامت بن چکی تھی۔

☆

مری آنا ہی بیکار ثابت ہوا۔ رعنا جس ذہنی کوفت سے چھٹکارا پانے کے لئے یہاں پہنچی تھیں اس نے ان کا تعاقب کیا اور شبو میاں یہاں بھی آدھمکے ان کی تشریف آوری کے دوسرے ہی دن خان بہادر صاحب کے خط سے معلوم ہوا کہ شبو میاں مفقود الخبر ہیں اور کسی کو کچھ پتہ نہیں کہ وہ کہاں گئے اس خط کی روشنی میں رعنا نے ان کی کافی خبر لی اور خان بہادر صاحب کو تار دے دیا گیا کہ گم شدہ بچہ بخیریت تمام مری میں موجود ہے۔ مگر اب سوال یہ تھا کہ ہم لوگ کریں تو کیا کریں۔ حضرت جب سے تشریف لائے تھے لحاف ان کی کھال بن چکا تھا اور آتشدان کے پاس دھونی رمائے بیٹھے رہتے تھے نہ کہیں آنے جانے کے۔ اخلاق سے مجبور ہو کر ان کو اپنے کمرے میں تو ٹھہرا لیا تھا مگر اب اس اخلاق کی سزا بھگت رہے تھے کہ ایک عجیب نحوست طاری تھی کمرے پر ان کی چارپائی کے ارد گرد باوجود دن میں دو مرتبہ باقاعدہ صفائی ہونے کے سگریٹ کے چھوٹے بڑے ٹکڑے۔ دیا سلائیاں کچھ پھٹے ہوئے کاغذ کچھ میلے کپڑے۔ اور نہ جانے کیا کیا چیزیں ہر وقت بکھری ہوئی نظر آتی تھیں۔ ناشتہ اسی چارپائی پر فرماتے تھے۔ ماحضر اسی چارپائی پر تناول فرماتے تھے اور مصیبت کا وقت وہ ہوتا تھا جب ضروریات سے فارغ ہونے کے لئے ان کو غسلخانے تک زحمت فرمانا پڑتی تھی۔ انتہا یہ تھی کہ غسل کرنا تو درکنار ان حضرت نے اس ڈر

کے مارے شیو کرنا بھی چھوڑ دیا تھا کہ منہ پر پانی لگانا پڑے گا نتیجہ یہ کہ ہوٹل کے بیرے ان کو مفلوج سمجھتے تھے اور وہ خود ہم دونوں کے لئے مستقل ذہنی فالج بنے ہوئے تھے۔ چونکہ خود بدولت اپنی چارپائی سے چپک کر رہ گئے تھے لہٰذا چاہتے یہ تھے کہ ہم دونوں بھی ایک ایک لحاف اوڑھ کر ان کے پاس بیٹھے رہیں مگر رعنا کو ان سے ایسی وحشت کہ وہ وقت کا زیادہ حصہ باہر ہی گذارنا چاہتیں۔ نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ تنہائی میں دن بھر تو یہ حضرت سوتے تھے اور جب دن بھر کے تھکے ہارے رات کو ہم سونا چاہتے تھے اس وقت یہ حضرت ہم کو جگانے کی کوشش فرماتے تھے۔ اپنے نہایت رذیل شعر سناتے تھے۔ نہایت بازاری قسم کے لطائف سنا کر خود ہی بد تمیزی سے ہنستے تھے اور اپنی محبتوں کی بے شمار داستانیں سنا سنا کر کان پکا دیتے تھے اس شخص نے۔ رعنا کو کیا معلوم کہ جب وہ اپنے کمرے میں میٹھی نیند سوتی تھیں اس وقت ہم پر کیا وقت گزرتا تھا۔ مگر آج ان حضرت نے کچھ کار آمد باتیں شروع کر دیں۔ بڑے خلوص سے کہنے لگے۔

”بھئی فرحت صاحب خدا آپ اتنے اچھے آدمی ہیں کہ آپ سے دشمنی کرنے کو جی نہیں چاہتا“

ہم ایک دم چونک پڑے ”یہ کیا فرمایا آپ نے۔ دشمنی؟ آخر دشمنی کی ضرورت کیا پیش آئی ہے“

کہنے لگے ”دیکھئے نادہ تو خود آپ بھی سمجھتے ہوں گے۔ مگر میں آپ کو فی الحال بے قصور سمجھتا ہوں اس لئے کہ آپ کو غالباً یہ نہیں معلوم کہ رعنا میری منگیتر ہیں......“

ہم سنبھل کر بیٹھ گئے ”رعنا آپ کی منگیتر ہیں؟ یہ تو واقعی مجھ کو نہیں معلوم“ کہنے لگے ”میں جانتا تھا کہ آپ کو نہیں معلوم ہو گی یہ بات بھائی صاحب

ٹھیکرے کی منگنی ہے میری ان سے"

ہم نے جان بوجھ کر انجان بنتے ہوئے پوچھا "ٹھیکرے کی منگنی کیا ہوتی ہے"

کہنے لگے "جب لڑکی پیدا ہوتی ہے اور کسی لڑکے کی ماں اس لڑکی کو اپنی بہو بنانا چاہتی ہے تو شگون کے طور پر کچھ روپے زچہ خانے کے ٹھیکرے میں یہ کہہ کر ڈال دیتی ہے کہ یہ لڑکی اب میری ہے اور میں اپنے لڑکے کے لئے اسے مانگ رہی ہوں۔ چنانچہ والدہ صاحبہ محترمہ نے رعنا کی پیدائش کے موقع پر یہی کیا تھا۔"

ہم نے کہا "یہ تو گویا ایک قسم کا پیدائشی رشتہ ہوا"

شبو میاں نے بڑی زوردار تائید کی "جی اور کیا۔ اس حالت میں آپ کا اس سے اس قدر گھلنا ملنا آپ خود انصاف کیجئے کہ کس قدر گویا نامناسب ہے۔ میں دراصل کسی مناسب موقع کی تلاش میں تھا کہ آپ کو آگاہ کردوں پھر تو آپ خود ہی نہایت معقول آدمی ہیں راستے سے ہٹ جائیں گے"

ہم نے نہایت اطمینان سے عرض کیا "بھائی صاحب جیسا کہ آپ کا خیال ہے میں واقعی معقول آدمی ہوں اور ضرور راستے سے ہٹ جاتا مگر مصیبت یہ ہے کہ میں اپنے سے زیادہ معقول رعنا کو سمجھتا ہوں۔ اس ٹھیکرے کی منگنی کا خود ان کو بھی یقیناً علم ہوگا مگر جب وہ خود اس منگنی کی پروا نہیں کرتیں تو میں خواہ مخواہ اس کی پروا کیوں کروں۔ میری رائے میں تو یہ بات آپ کو بجائے میرے خود رعنا کو سمجھانا چاہئے"

شبو میاں لاجواب ہونا تو جانتے ہی نہیں کہنے لگے "اجی آپ نے بھی بھلی کہی ۔ عورت اور معقول؟ چہ خوش صاحب عورتوں کو ناقص العقل کہا گیا ہے اور میں بھی اس کا قائل ہوں کہ عورت کی عقل ایڑی میں ہوتی ہے"

ہم نے کہا "ممکن ہے آپ کا تجربہ یہی ہو مگر میں چونکہ ایک عورت کی اولاد بھی ہوں لہٰذا میں یہ بات نہیں کہہ سکتا"

شبو میاں نے ہم کو بیوقوف سمجھتے ہوئے کہا "یہ کیا بات کہی آپ نے حضرت عورت کی اولاد تو میں بھی ہوں"

ہم نے کہا "جی ہاں اس عورت کی اولاد ہیں آپ جو ٹھیکرے میں منگنی کے روپے ڈال کر اس نوزائیدہ بچی کا سودا کر بیٹھی تھی جو اپنے شعور پر پہنچ کر اس خلاف عقل بات کا خود مذاق اڑاتی ہے"

شبو میاں نے کہا "نہ نہ آپ سمجھتے نہیں۔ مذاق مذاق کوئی نہیں اڑاتا۔ خود رعنا کو بھی معلوم ہے کہ ان کو میری شریک حیات بننا ہے آپ نے غالباً اندازہ کیا ہوگا کہ چچا جان اسی نقطہ نظر سے کس قدر شفقت فرماتے ہیں میرے ساتھ"

ہم نے ادب سے عرض کیا "مجھے تو کوئی خاص شفقت نظر نہیں آئی"

شبو میاں نے بڑی غماز مسکراہٹ کے ساتھ کہا "حیرت ہے کہ آپ کو اس بات کا اندازہ نہیں ہوا۔ اب مثلاً چھوٹی سی بات ہے کہ مجھ کو اپنے ساتھ لے کر گئے بہترین کپڑے کی دوکان پر بہترین قسم کے کپڑے خریدے متعدد سوٹ بنوائے، ڈریس سوٹ تو آپ نے دیکھا ہی ہوگا پھر کس توجہ سے میری ایک ایک بات کا خیال رکھتے ہیں۔ یہ باتیں بلاوجہ تو نہیں ہو سکتیں"

ہم نے کہا "کتنی سطحی باتیں کر رہے ہیں آپ معاف کیجئے گا۔ خان بہادر کا سا الوالعزم رئیس کیا اپنے بھتیجے کے ساتھ یہ سلوک نہیں کر سکتا۔" کہنے لگے۔ "اجی توبہ کیجئے وہ رئیس ضرور ہیں مگر الوالعزم وغیرہ کچھ نہیں۔ چمڑی جائے دمڑی نہ جائے یہ تو اصول ہے ان کا ان تلوں میں ہر ایک کے لئے تیل نہیں ہوتا مگر چونکہ ان کو معلوم ہے کہ کس قدر نازک رشتہ ہونے والا ہے لہٰذا مجبوراً یہ سب کچھ کرتے رہتے ہیں"

ہم نے اور بھی ان کو بکواس کا موقع دینے کے لئے کہا "تو کیا آپ کا خیال یہ ہے

کہ یہ نسبت ہو جائے گی"

بڑے تیقن سے فرمایا "صاحب وہ تو ہونا ہی ہے۔ جو بظاہر وہ انکار وغیرہ کر رہے ہیں اس کے متعلق ایک پوری ضرب المثل ہے غالباً سنی ہو گی آپ نے کہ من چاہے مڑیا ہلائے ورنہ وہ خود یہ گوارا نہیں کر سکتے کہ ان کی اتنی دولت کا وارث کوئی غیر شخص باہر سے آکر بن جائے، آپ کو معلوم نہیں بڑے میاں کے پاس روپیہ کافی ہے او جب سے انگریز چلے گئے ہیں کوئی خاص خرچ بھی نہیں ہے پہلے تو خطاب وغیرہ کی چاٹ میں پارٹیاں بھی کرنا پڑتی تھیں ڈالیاں بھی لگانا پڑتی تھیں مگر اب تو آمدنی ہی آمدنی ہے"

ہمیں سخت گھن آرہی تھی یہ باتیں سن کر مگر ان حضرت کے مطالعے کا بھی یہی موقع تھا لہذا عرض کیا "واقعی اگر آپ سے ہو جائے رعنا کی شادی تو گھر کی دولت گھر ہی میں رہ سکتی ہے"

شبو میاں نے کہا "خیر وہ تو ہو کر رہے گی مگر آپ کو نہیں معلوم کہ یہ جو ہماری چچی جان ہیں۔ یہ عمارت نما عورت دراصل میری سخت مخالف ہیں بات یہ ہے کہ چچا جان نے نہ جانے کہاں شادی کر کے یہ بلا خرید لی ہے میرا خیال تو یہ ہے کہ یہ کچھ ایسے ہی ویسے خاندان کی عورت ہے مگر صاحب اس نے چچا جان کو الو کی زبان کھلا کر ایسا قبضے میں کیا ہے کہ میں کیا کہوں۔ ان مسمات کی خواہش یہ تھی کہ رعنا کی شادی اپنے میکے میں کریں مگر جب چچا جان نہیں مانے تو اب ضد یہ ہے کہ خواہ کہیں بھی ہو جائے اس کی شادی مگر میرے ساتھ نہ ہو۔

ہم نے کہا "اور چونکہ خان بہادر صاحب الو کی زبان کھا چکے ہیں لہذا ظاہر ہے کہ وہی ہو کر رہے گا جو بیگم صاحبہ چاہیں گی"

شبو میاں نے نہایت غنڈے پن سے کہا "اجی توبہ کیجئے واسطہ کسی اور سے

نہیں مجھ سے پڑا ہے آج چاہوں تو لونڈیاں کو ایسا غائب کروں کہ پتہ نہ چلے زندگی بھر مگر میں چاہتا ہوں کہ سیدھی انگلیوں گھی نکل آئے"

جی تو چاہتا تھا کہ ان حضرت کو اسی وقت اس بد تمیزی کا مزہ چکھا دیا جائے مگر خون کے گھونٹ پی کر رہ جانا پڑا۔ ہم کو خاموش دیکھ کر ان حضرت نے پھر بکواس شروع کی۔ تو بندہ پرور میں آپ سے یہ کہہ رہا تھا کہ اب تو آپ کو ساری حقیقت معلوم ہو گئی اب اگر آپ دونوں میں یہ ربط قائم رہا تو میں آپ کو بھی بے قصور نہ سمجھو گا۔ مجھے اندازہ ہو چکا ہے کہ چچی جان آپ کو پھانسنے کی کوشش کر رہی ہیں اور رعنا سے آپ کے پینگ بڑھوا رہی ہیں مگر یہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکے گی"

اب ہم نے بھی ذرا صفائی سے بات کر لینا مناسب سمجھا۔ دیکھئے جناب مجھ سے تو آپ اس قسم کی باتیں کریں نہیں اگر آپ مجھ کو قصوروار سمجھیں تو کیا اور نہ سمجھیں تو کیا۔ میں اس سلسلے میں کل ہی رعنا سے صاف بات کر لوں گا"

شبو میاں نے بات کاٹ کر کہا "بس یہی غلط ہے میں نے تو آپ کو دوستانہ مشورہ دیا ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ آپ اس کا ڈھنڈورہ پیٹیں۔ اس طرح تو خواہ مخواہ کا ایک ہنگامہ کھڑا ہو جائے گا اور پھر مجبوراً مجھ کو کھل کر میدان میں آجانا پڑے گا"

ہم نے بھی دوستانہ انداز سے پوچھا "یہ آپ مجھ کو دھمکی دے رہے ہیں یا اپنے چچا جان وغیرہ کو"

کہنے لگے "دھمکی نہیں یہ تو واقعہ ہے کہ اگر میری حق تلفی کی کوشش کی گئی تو میں بھی خاموش رہنے والا نہیں۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ آپ رعنا سے یہ باتیں کہہ کر یہ طوفان فی الحال نہ اٹھائیں بلکہ خود خاموشی کے ساتھ کنارہ کش ہو جائیں"

ہم نے بغیر مشتعل ہوئے کہا "جناب والا مجھ سے آپ یہ تقاضہ نہ کریں اور نہ میں آپ سے یہ وعدہ کر سکتا ہوں دوسری بات یہ ہے کہ میں یہ ذکر رعنا سے ضرور

کروں گا"

شبو میاں نے پھر دھمکایا "تو گویا آپ مجھ کو میدان میں للکار رہے ہیں"

ہم نے کہا "میں آپ کو اپنا مدمقابل تسلیم کرلوں تو شاید للکار بھی سکوں مگر فی الحال تو آپ میرے مخاطب ہی نہیں ہیں"

شبو میاں نے معنی خیز انداز سے کہا "بہتر ہے دیکھا جائے گا"

اور اس کا جواب دینا ہم نے مناسب نہ سمجھا۔ مگر پھر اسی ادھیڑ بن میں نیند نہ آسکی۔ رعنا نے واقعی سچ کہا تھا کہ وہ ہمارے سلسلے میں ان حضرت کی طرف سے متفکر تھی اور اب ہماری سمجھ میں آسکا کہ وہ کیوں متفکر تھی۔"

* * *

ہم دونوں نے دوسرے ہی دن یہ طے کرلیا کہ واپس جانا چاہیے۔ شبو میاں تو خدا سے چاہتے تھے کہ یہاں سے نجات ملے بہر حال مری کے اس پر لطف سفر کو انتہائی بے لطف بنا کر جب ہم لوگ واپسی میں راولپنڈی پہنچے تو شبو میاں نے یکایک اپنا پروگرام بدل دیا اور ہم سے کہا کہ ان کو ریلوے اسٹیشن پہنچا دیا جائے تاکہ وہ بجائے لاہور جانے کے پشاور جا سکیں۔ رعنا نے بھی ان کو یہی مشورہ دیا کہ واقعی اگر آپ کو پشاور جانا ہے تو الٹے بانس بریلی کو آپ لاہور کیوں جائیں۔ براہ راست یہیں سے پشاور چلے جائیں۔ چنانچہ شبو میاں نے ریلوے اسٹیشن پہنچ کر ہم کو علیحدہ لے جاکر پھر سمجھایا کہ وہ باتیں رعنا سے ہم ہرگز نہ کہیں اور جب ان کو یہ اندازہ ہو گیا کہ ان کی ہر دھمکی بیکار گئی ہے تو اب موڈ ہی دوسرا تھا کہنے لگے کہ میں اپنی رو میں خدا جانے کیا بک جاتا ہوں آپ اس کا ہرگز خیال نہ کریں بلکہ یہ سمجھیں کہ میں نے آپ سے کچھ کہا ہی نہیں ہے مگر ہم نے اس وقت بھی ان سے کوئی وعدہ نہیں کیا کہ ہم رعنا سے یہ باتیں نہ کریں گے یہاں تک کہ ان کے سمجھانے کی ہر کوشش بیکار ثابت ہوئی اور آخر کار انہوں نے نہایت بھونڈی خوشامد کی "بہر حال میں آپ کی بہت عزت کرتا ہوں اس لئے کہ آپ نہایت سچے اور کھرے آدمی ہیں" ہم ان کا شکریہ ادا کرکے اسٹیشن سے باہر آگئے اور لاہور کی طرف روانہ ہو گئے۔

رعنا نے خود ہی تھوڑی دیر کے بعد کہا "مجھے تو خود حیرت تھی کہ بھاگ کر تو

یہ لاہور سے آیا ہے اب پھر کس منہ سے جا رہا ہے“

ہم نے کہا ”خیر وہ منہ تو ان کے پاس تھا جس سے وہ لاہور جا سکتے تھے مگر وہ ایک اور وجہ سے بھاگے ہیں“

رعنا نے ہمہ تن متوجہ ہو کر کہا ”اور بھی کوئی وجہ ہے“

ہم نے کہا ”جی ہاں۔ مگر میں آپ کو بتا کر خواہ مخواہ مشتعل کرنا نہیں چاہتا حالانکہ میں شبو صاحب سے کہہ چکا ہوں کہ میں یہ بات آپ کو ضرور بتاؤں گا مگر میں اپنے اس حق سے فائدہ اٹھانا نہیں چاہتا“

رعنا نے تیوری بدل کر کہا ”یہ غلط ہے۔ آپ کو بتانا پڑے گا روکیے آپ کار پہلے یہ بات مجھے بتائیے پھر آگے بڑھیے گا“

ہم نے کار روکے بغیر کہا ”اس میں کار روکنے کی کیا ضرورت ہے“

رعنا نے زبردستی شروع کر دی ”جی نہیں ضرورت ہے۔ میں چاہتی ہوں آپ کی توجہ صرف اسی طرف رہے۔ روکیے نا کار“

ہم نے کار ٹھہراتے ہوئے کہا ”حضور والا اگر مجھ کو یہ بات آپ کو نہ بتانا ہوتی تو میں یہ ذکر ہی نہ چھیڑتا مگر میں اس وقت تک کچھ نہ بتاؤں گا جب تک آپ مجھ سے یہ وعدہ نہ کریں کہ آپ اس مہمل بات پر مشتعل ہونے کی ہرگز کوشش نہ کریں گی اور اس بات کا خواہ مخواہ بتنگڑ نہ بنائیں گی“

رعنا نے کہا ”اچھا میں وعدہ کرتی ہوں۔ اگر آپ کا مشورہ یہی ہے تو میں وہی کروں گی جو آپ کہیں گے“

ہم نے پھر اس وعدے کو پختہ کرالیا۔ واضح رہے کہ یہ وعدہ آپ مجھ سے کر رہی ہیں“

رعنا بلا کی ذہین ٹھہری کہنے لگی۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی انتہائی اشتعال انگیز

بات ہے مگر میں کہہ تو چکی ہوں کہ جو آپ کی رائے ہوگی وہی کروں گی“

اب ہم نے تفصیل سے کہنا شروع کیا ”آپ کو کیا معلوم کہ ان حضرت نے میری زندگی کیسی تلخ کی ہے میرے کمرے میں قیام فرما کر“

رعنا نے بات کاٹ کر کہا ”یہ تو خیر آپ کی سزا تھی اور بگھاریے اخلاق“

ہم نے اپنی داستان الم جاری رکھی۔ دن بھر ہم لوگوں کی عدم موجودگی میں یہ شخص سوتا رہتا تھا اور رات کو جب میں سونا چاہتا تھا تو یہ مجھ کو اپنی خرافات سنانے کے لئے جگاتا تھا اسی سلسلے میں کل رات ان حضرت نے اپنے کو بالکل بے نقاب کر دیا......۔

اور یہ کہہ کر ہم نے من و عن تمام باتیں رعنا کے سامنے دہرا دیں ہم دیکھ رہے تھے کہ اس کا ایک رنگ آتا ہے اور ایک جاتا ہے مگر وہ سکون سے تمام روئداد سنتی رہی یہاں تک کہ پنڈی کے ریلوے اسٹیشن پر جو باتیں ہوئی تھیں وہ بھی جب اس کو سنا دیں تو سچ مچ اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اور ہم کو کہنا پڑا ”یہ کیا واہیات حرکت ہے۔ ایک چغد صحرائی کی بات کا آپ اثر لے رہی ہیں“

رعنا نے بمشکل اپنے اوپر قابو حاصل کر کے کہا ”آپ اسے چغد صحرائی کہتے ہیں؟ جو کمینہ آدمی یہ بات کہے کہ آج چاہوں تو لونڈیا کو غائب کر دوں۔ اس کو آپ چغد صحرائی کہتے ہیں؟ اچھا اب آپ بھی میرا ایک کہنا مان لیں“

ہم نے کہا ”حکم دیجیے......۔

رعنا نے بڑی التجا کے ساتھ کہا ”ابھی اس کو پشاور کی گاڑی نہ ملی ہوگی لہٰذا آپ پنڈی اسٹیشن تک چلیے“

ہم نے ہنس کر کہا ”کیا کریں گی آپ اس کو مرغا بنائیں گی۔ خواہ مخواہ کی بات میں نے تو یہ بات تم کو اس لئے سمجھا دی ہے کہ اصل میں ہم دونوں کو ان حضرت کی

http://www.paktunplace.com

طرف سے کافی ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ یہ شخص صرف بیوقوف نہیں......۔

رعنا نے بات کاٹ کر کہا”بلکہ انتہائی خطرناک بھی ہے اور اگر مجھے رات ہی پتہ چل جاتا کہ وہ آپ سے اس حد تک باتیں کر چکا ہے تو کبھی جو میں آپ کو سونے دیتی اس کمرے میں“

ہم نے کہا”خیر سویا تو میں بھی نہیں۔ دو ڈھائی بجے تک وہ دماغ چاٹتا رہا اس کے بعد میں اس ادھیڑبن میں مبتلا رہا کہ اس جانور سے آخر کیونکر نمٹنا پڑیگا“

رعنا نے کہا”اچھا اس میں آپ کیا مضائقہ سمجھتے ہیں کہ یہ باتیں ڈیڈی یا ممی کو بتادی جائیں“

ہم نے کہا”خواہ مخواہ بات بڑھے گی“

رعنا نے کہا”دیکھئے نا بات تو کسی نہ کسی دن بڑھنا ہی ہے جب ایک شخص کی نیت ڈیڈی کے پیسے کے لئے بھی خراب ہے جب وہ شخص غنڈہ گردی پر بھی اترنے کو تیار ہے تو ضرورت اس کی ہے کہ بروقت یہ بات ہم اپنے بزرگوں تک پہنچا کر خود اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائیں“

ہم نے سنجیدگی میں تھوڑی سی شرارت ملا کر کہا”اچھا ایک بات پوچھوں بشرطیکہ آپ شرمانے کا ارادہ نہ کریں“

رعنا نے بڑی عمدہ بات کہیں”مجھ سے زیادہ تو آپ خود شرمیلے ہیں آپ ایسی کیا بات پوچھ سکتے ہیں“

ہم نے کہا”معلوم نہیں میرا یہ اصول صحیح ہے یا غلط اور مذہبی نقطہ نظر سے تو ظاہر ہے کہ غلط ہی ہے کہ میں ایک تو کسی بیوہ سے شادی نہیں کر سکتا دوسرے کسی ایسی لڑکی سے شادی نہیں کر سکتا جس کی شادی پہلے کہیں ٹھہر چکی ہو وجہ اس کی

صرف یہ ہے کہ عورت زندگی میں صرف ایک مرتبہ محبت کرتی ہے اور وہ ہوتا ہے اس کا نقش اول اس کے بعد یا تو وہ خود اپنے کو دھوکہ دیتی ہے یا اس کو دھوکہ دیتی ہے جسے اپنی محبت کا یقین دلائے۔ بیوہ ظاہر ہے کہ اپنے مرحوم شوہر کی محبت اور اس سے اپنی محبت بھلا نہیں سکتی۔ اسی طرح ایک لڑکی جب کسی سے منسوب ہو جاتی ہے تو اس پیکر کو وہ اپنے دل و دماغ پر طاری کر لیتی ہے اس لئے کہ اسے یقین ہوتا ہے کہ اسی سے وابستہ ہونا ہے وہ اسی کے تصورات میں اپنے کو گم رکھتی ہے مگر جب اس کو یقین معلوم ہوتا ہے کہ اس کی شادی کسی اور کے ساتھ ہو رہی ہے تو گو بظاہر وہ چپ رہتی ہے مگر اس کے محسوسات احتجاج کرتے ہیں اور اس کو خود اپنے احساسات سے بڑی کشمکش کرنا پڑتی ہے اس نئے امیدوار کو قبول کرنے کے لئے۔ شادی کے بعد وہ سمجھتی ہے کہ وہ کامیاب ہو گئی مگر وہ پہلا نقش اس طرح دل کے نہاں خانے میں گم ہو جاتا ہے کہ زندگی بھر کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی دریچے سے سامنے آتا رہتا ہے۔

رعنا نے بڑی سنجیدگی سے یہاں تک سنکر کہا۔ توبہ ہے آپ نے تو اچھی خاصی نفسیاتی بحث شروع کردی حالانکہ اس تصویر کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ پہلی محبت کی طرح پہلی نفرت کا نقش بھی بڑا گہرا ہوتا ہے بلکہ میرا خیال ہے کہ محبت سے زیادہ گہرا ہوتا ہے۔ اس شخص کے علاوہ میں نے کبھی کسی سے نفرت نہیں کی اور معلوم نہیں کیوں مجھے اپنی اس نفرت پر ناز ہے مجھے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا اگر میں اس سے نفرت نہ کرتی تو مجھ میں کوئی کمی رہ جاتی“

اس طرف سے پورا اطمینان کرنے کے بعد ذرا گھٹیا باتیں کرنے کو جی چاہنے لگا”اچھا تو گویا آپ کے تصور اور تخیل میں اب تک کسی خوش نصیب نے جگہ نہیں پائی ہے“

رعنا نے بڑی متانت سے کہا”اگر میں کہدوں کہ نہیں تو یہ جھوٹ ہوگا“

http://www.paktunplace.com

ہم نے کہا ”نہیں جھوٹ کی شرط نہیں ہے میں تو سچ پوچھ رہا ہوں“

رعنا نے کہا ”جو کچھ سچ تھا وہ میں کہہ چکی ہوں“

ہم نے سر ہوتے ہوئے کہا ” صاحب میں اتنا ذہین نہیں ہوں کہ لطیف استعاروں کو سمجھ سکوں میں بالکل نہیں سمجھا کہ آپ کیا کہہ چکی ہیں“

رعنا نے اب واقعی شرمانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا ”اچھا اب اسٹارٹ کیجئے گاڑی۔ سمجھ بوجھ کر سطحی باتیں کرنے کی خدا جانے کیا سوجھی ہے“

ہم نے کہا ” اب تو کافی پی کر چلیں گے نکالئے اپنا تھرمس فلاسک ادر جواب دیجئے میری بات کا“

رعنا نے عجیب نظروں سے دیکھ کر کہا ”یہ کیا خواہ مخواہ کی ضد ہے۔ اتنی سطحی باتیں واقعی کیوں کر رہے ہیں آج“

ہم نے اعتراف کیا ”بھئی بات یہ ہے کہ ۔

بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

رعنا نے سینڈوچز کا ڈبہ کھول کر سامنے رکھدیا اور کافی کی پیالی بڑھاتے ہوئے کہا ”اپنی کار میں یہ آئینہ آپ خوب رکھتے ہیں“

ہم نے کہا ”خیر بات نہ ٹالئے یہ بتایئے کہ آپ کے تصورات پر واقعی کوئی کبھی حکمران ہوا یا نہیں“

رعنا نے کار کا آئینہ ہمارے سامنے پھیرتے ہوئے کہا ”دیکھ لیجئے ان حکمران صاحب کو اور ختم کیجئے یہ بچوں کی سی باتیں“

آج سے زیادہ صاف گفتگو کبھی نہ ہوئی تھی مگر آج سے زیادہ احترام بھی رعنا کا کبھی پیدا نہ ہوا تھا۔ ہم خوش ضرور تھے مگر ساتھ ہی ساتھ محتاط بھی کہ یہ خوشی حد سے نہ بڑھنے پائے۔“

* * *

گھر پہنچ کر ہم نے سب کو خیریت پایا حد یہ ہے کہ والد صاحب قبلہ اور والدہ صاحب محترمہ کو اپنی کوٹھی کے چمن میں ٹہلتا دیکھ کر ہم کو واقعی مسرت ہوئی اس مسرت کی کئی وجہیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ ان دونوں کے درمیان کس قدر خوشگوار تعلقات پیدا ہوتے جا رہے ہیں دوسرے والدہ صاحبہ محترمہ واقعی اس قدر بدل چکی تھیں کہ اب اگر ان کے متعلق کوئی قسم کھا کر بھی یہ کہے کہ یہ اصل نسل کی نائن ہیں تو کسی کو یقین نہیں آسکتا نہایت سلیقے سے غرارہ پہنے نہایت تعلیم یافتہ قسم کے بال بنائے بڑے رکھ رکھاؤ سے وہ اس وقت چمن میں موجود تھیں اور واقعی نواب عظمت اللہ خان کی بیگم نظر آرہی تھیں۔ والدہ صاحبہ محترمہ کی یہ تدریجی ترقی تو خیر ہم پہلے ہی سے دیکھ رہے تھے مگر ہماری اس چند روزہ عدم موجودگی میں وہ گھر کے باہر بھی آگئی تھیں۔ ہم کو دیکھ کر والد صاحب ایک دم جیسے چونک سے پڑے ”ارے تم۔ تم اتنی جلدی کیسے آگئے۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ ابھی کم سے کم ایک ہفتہ تم اور غائب رہو گے۔“

والدہ صاحب نے ہم کو بغور دیکھ کر والد صاحب سے کہا ”اور آپ تو کہتے تھے کہ سرخ ہو کر آئے گا پہاڑ سے یہ تو جوں کے توں لوٹ کر آگئے......

ہم نے کہا ” کچھ دن اور قیام رہتا تو شاید سرخ بھی ہو جاتا مگر یہاں سے پہنچ گیا وہ کوفتہ......۔

والد صاحب نے تعجب سے پوچھا ”کوفتہ ؟ کوفتہ کیسا۔“

ہم نے کہا ”جی وہ شبو میاں جو مستقل کوفت ہیں ان حضرت کی وجہ سے بھاگنا ہی پڑا وہاں سے“

والد صاحب نے ہنس کر کہا ”اچھا وہ۔ بھئی وہ تو عجیب بیہودہ آدمی نکلا تم دونوں کے جانے کے بعد اس نے مس پال سے پینگ بڑھانا شروع کئے اور گدھا اس پائے کا نکلا وہ کہ ایک دن مس پال سے عشق بگھارنے بیٹھ گیا اس نے زمین آسمان ایک کر دیا اور وہ آفت مچائی کہ خان بہادر صاحب تک کو خبر ہو گئی چنانچہ اب جو وہ حضرت غائب ہوئے ہیں تو تمہارے تار سے پتہ چلا کہ وہ مری میں مر رہے ہیں“

عین اسی وقت مس پال نے برآمد ہو کر ہم کو دیکھتے ہی ”ہلو“ کا نعرہ بلند کیا اور دوڑتی ہوئی جیسے ہی ہمارے قریب پہنچی ہیں ہم نے ان کو مبارکباد دی ”مبارک ہو مس پال، سنا ہے کہ آپ نے شبو میاں کو شہید کر دیا“

مس پال کا چہرہ ایک دم سرخ ہو گیا ”بھاگ ہی گیا وہ ایڈیٹ ورنہ میں مزہ تو چکھا دیتی۔ مگر یہ آپ اتنی جلدی کیسے آ گئے“

ہم نے کہا ”شبو میاں نے بھیجا ہے تاکہ میں آپ کو منانے کی کوشش کروں“

مس پال نے منہ بنا کر کہا ”لعنت بھیجئے ان پر۔ واقعی آپ اتنی جلدی لوٹ کیوں آئے“

ہم نے کہا ”آپ نے اپنی بلا ہم لوگوں کی طرف جو اچھال دی تھی۔ وہ حضرت یہاں سے سیدھے مری پہنچے اور ہم کو مجبور کر دیا کہ بھاگیں وہاں سے“

والد صاحب نے ایک دم بلند آواز سے کہا ”تشریف لائیے بندہ نواز“

اور والدہ صاحبہ باوجود اس قدر بدل جانے کے خان بہادر صاحب کو آتا دیکھ کر لپک کر برآمدے سے ہوتی ہوئی کوٹھی کے ایک دروازے میں غائب ہو گئیں۔

خان بہادر صاحب رعنا کے ساتھ پہنچ چکے تھے اور بیگم صاحبہ رفتہ رفتہ تشریف لا رہی تھیں۔ خان بہادر صاحب نے آتے ہی مس پال کو دیکھ کر ہم سے کہا۔ ”اپنی مس پال کی حرکت سنی تم نے فرحت میاں“

مس پال نے ٹھنک کر کہا ”لیجئے یہ بھی میری ہی حرکت ہوئی“

خان بہادر صاحب نے کہا ”میں تو سجدہ شکر بجا لایا تھا کہ مس پال کے بہانے سے سہی مگر وہ دفعان تو ہوا یہاں سے مگر پھر تمہارا تار آ گیا کہ وہ حضرت تم دونوں پر نازل ہو گئے“

رعنا نے کہا ”ڈیڈی ہم دونوں کو بھاگنا پڑا وہاں سے محض شبو بھائی کی وجہ سے ورنہ کچھ دن تو اور رہتے۔ سچ مچ مری جانا ہی بیکار ہو گیا“

خان بہادر صاحب نے بڑے دلار سے کہا ”تم تو ہو بیوقوف بیٹی۔ نکال دیا ہوتا اس کو وہاں سے تم سے یہ کس نے کہا تھا کہ اس کی مہمانداری شروع کر دو۔ سنا ہے فرحت میاں تم کو اس بگلے نے کافی پریشان کیا“

ہم نے رعنا کو دیکھتے ہوئے کہا ”وہ بے چارے کسی کو پریشان کریں یا نہ کریں“

خان بہادر صاحب نے بات کاٹ کر کہا ”مگر آدمی خود بخود پریشان ہو جاتا ہے ان سے“

اس عرصے میں بیگم صاحبہ بھی زمین کی سطح ہموار کرتی ہوئی تشریف لے آئیں، والد صاحب نے ان کا خیر مقدم کیا اور مس پال نے ہم سب کے لئے فوراً گارڈن چیرس کا انتظام کر دیا جن پر سب حلقہ باندھ کر بیٹھ گئے تو بیگم صاحبہ نے اپنی پھولی ہوئی سانسوں پر قابو پا کر مجھ کو مخاطب کیا ”مس پال کا قصہ تو سن چکے ہو گے تم“

مس پال نے تنک کر کہا ”بیگم صاحبہ میرا قصہ کیوں ہوتا وہ۔ ان ہی مجنوں اور فرہاد کا قصہ کہئے نا“

خان بہادر صاحب نے کہا "میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ اب وہ نا معقول تم دونوں کو وہاں نہ ٹھہرنے دے گا۔ مگر میں واقعی مس پال کا ممنون ہوں کہ ان کی وجہ سے کم سے کم یہ تو ہوا کہ اب وہ حضرت ادھر کا رخ نہ کریں گے"

بیگم صاحبہ بولیں "جی اور کیا ایسے ہی تو غیرت دار ہیں وہ۔ دیکھ لینا عنقریب پھر چکنا گھڑا اپنے تشریف لے آئیں گے"

خان بہادر صاحب نے بڑے جوش سے کہا "جی نہیں۔ اب میرے گھر میں ان کے لئے کوئی جگہ نہیں میں نے ان کے بادا جان کو صاف لکھدیا ہے کہ صاحبزادے کو لگام دے کر اپنے ہی پاس رکھیں وہ ادھر کا رخ آئندہ ہرگز نہ کریں۔ میں تو یوں بھی ان کی تشریف آوری کا مخالف تھا مگر یہ بہانہ مس پال کے صدقے میں ملا خوب"

بیگم صاحبہ نے پھر کہا "میں کہتی ہوں بڑا بول نہ بولو۔ ابھی تو یہ جوش و خروش ہے اور اگر وہ آگیا تو پھر ہم سب مجبور ہو جائیں گے۔ بھلا کسی گھر آئے کو نکالا کیسے جا سکتا ہے مگر اتنا میں بتائے دیتی ہوں کہ اب میں رعنا کو ان سے ہرگز ملنے نہ دوں گی"

رعنا نے اس بات سے عجیب فائدہ اٹھالیا اور سب کے سامنے ہم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "یہ نہ سمجھے گا کہ میں نے کچھ کہا ہے یہ تو صرف مس پال والے قصے کا شاخسانہ ہے"

ہم نے بات ٹالنے کے لئے کہا "یہ معلوم ہوا کہ مس پال سے ان حضرت نے کہا کیا تھا"

خان بہادر صاحب نے بڑے مزے سے کہا "اظہار تمنا کیا تھا۔ پہلے مس پال کے سامنے خنجر رکھا ہوگا۔

پھر کلیجہ رکھدیا دل رکھدیا سر رکھدیا

مس پال نے کہا "یہ قصائی کی دوکان وہ میرے سامنے کھولتے تو پھر نہ کلیجہ واپس ملتا نہ دل نہ سر"

خان بہادر صاحب نے رعنا سے کہا "ہاں تو کیا کہہ رہی تھیں تم بیٹی۔ یہ تو ظاہر ہی ہے کہ وہاں بھی وہ مردود اپنی حرکتوں سے باز نہ آیا ہوگا مگر آخر بات کیا ہوئی وہاں"

رعنا نے ہماری طرف اشارہ کر کے کہا "ان ہی سے پوچھئے یہ مجھ سے وعدہ لے چکے ہیں کہ میں ان کی کوئی بد تمیزی کسی کو نہ بتاؤں گی"

ہم نے کہا "بات تو خیر کوئی خاص نہ تھی البتہ وہ ہیں ہی کچھ عجیب چیز"

بیگم صاحبہ نے اپنی موٹی سی گردن ہلاتے ہوئے کہا "نہیں نہیں۔ فرحت میاں بات گول نہ کرو۔ میں کہتی ہوں ضرور کوئی خاص بات ہوئی ہے"

خان بہادر صاحب نے کہا "بھئی ان نا معقول کی ہر بات تم کو چاہئے کہ مجھے بتا دو اور اگر تم نے اس کی کوئی بات مجھ سے چھپائی تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ تم ایک سانپ کو پلنے کا موقع دے رہے ہو"

رعنا نے کہا "یہی میں نے بھی فرحت صاحب کو سمجھایا ہے"

والد صاحب نے بھی کہا "واقعی تم کو چاہئے کہ تم من و عن تمام باتیں بھائی صاحب کے سامنے دہرا دو تاکہ وہ ان صاحبزادے کے متعلق کسی صحیح نتیجے پر پہنچ سکیں"

خان بہادر صاحب نے والد صاحب سے کہا "بھائی جان میں تو مدت سے صحیح نتیجے پر پہنچا ہوا ہوں۔ سب اس کو محض بیوقوف سمجھتے ہیں مگر میں اسے جرائم پیشہ بھی سمجھتا ہوں۔ مجھے تو وہ چھٹا ہوا لوفر معلوم ہوتا ہے۔ ہاں بیٹے تو تم مجھے تاریکی میں نہ رکھو میں جانتا ہوں کہ تمہاری ذاتی شرافت کا تقاضہ یہی ہوگا کہ تم عیب پوشی سے

http://www.paktunplace.com

کام لو مگر مصلحتاً میں ہر بات سے واقف ہونا چاہتا ہوں"

اب ہمارے لئے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہ تھا کہ شبو میاں سے جو باتیں ہوئی تھیں وہ ذرا احتیاط کے ساتھ سب کے سامنے دہرا جائیں مگر توبہ کیجئے رعنا احتیاط کا موقع دینے والی کب تھیں۔ جب ہم پورا قصہ سنا چکے تو وہ بولیں۔

"اور وہ الو کی زبان جو ممی نے بھونی تھی......"

خان بہادر صاحب نے حیرت سے کہا "الو کی زبان؟ یہ کیا واقعہ ہے......"

اور ہم کو مجبوراً الو کی زبان کا قصہ بھی سنانا پڑا۔ ابھی یہ قصہ ختم بھی نہ ہونے پایا تھا کہ رعنا نے کہا "اور وہ لونڈیا کو غائب کرنے والی بات......"

نتیجہ یہ کہ وہ بات بھی بتانا پڑی جسے سنتے ہی خان بہادر صاحب جلبلا کر کھڑے ہو گئے "غنڈہ۔ بد معاش میرے سامنے آجائے تو گولی سے اڑا دوں"

والد صاحب نے بھی حیرت سے کہا "صاحب عجیب بیہودہ آدمی نکلا یہ تو"

بیگم صاحبہ نے دانت پیس کر کہا "یہ سب ان ہی کی ذمہ داری ہے بھائی صاحب۔ یہ جو اس وقت بیٹھے پیچ و تاب کھا رہے ہیں۔ ہمیشہ انہوں نے اس موئے لفنگے آوارہ گرد کو سر چڑھا لیا۔ اس مرتبہ بھی کچھ نہیں تو ہزار ڈیڑھ ہزار کے کپڑے ہی ہوا دیئے۔

والد صاحب نے کہا "نہیں صاحب یہ تو انتہا ہے اور اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ یہ شخص مستقل خطرہ ہے۔"

خان بہادر صاحب نے فرمایا "اجی لاحول ولا قوۃ۔ خطرہ تو خیر کیا ہوتا مگر میں اس کو ایسا ننگ خاندان بھی نہ سمجھتا تھا۔ میں آج ہی ان کے والد محترم کو ایک تفصیلی خط لکھتا ہوں"

بیگم صاحبہ نے کہا "یہ الو کی زبان جو میں نے تم کو کھلائی ہے یہ چرچے تو ان

کے گھر ہوتے ہی رہتے ہیں اس قسم کی باتیں میں پہلے بھی سن چکی ہوں اصل میں تو کانٹے کی طرح کھٹکتی ہوں میں"

خان بہادر صاحب نے بڑی متانت سے کہا "بھئی یہ تو ہر بیوی کو حق ہے کہ وہ اپنے شوہر کو قبضے میں رکھے الو کی زبان کھلائی تو اچھا کیا کسی کے باپ کا کیا اجارہ ہے مگر اور جو بیہودہ باتیں کی ہیں اس نابکار نے۔ میں ابھی لکھتا ہوں اس کے باپ کو خط......"

اور خان بہادر صاحب واقعی بڑے جوش میں اٹھ کر اپنی کوٹھی کی طرف چل دیئے رعنا والدہ صاحبہ کے سلام کو ہمارے گھر میں چلی گئیں اور والد صاحب دیر تک بیگم صاحبہ سے خدا جانے کیا باتیں کرتے رہے۔"

* * *

ہم ٹینس کھیلنے جا رہے تھے۔ کپڑے بدل چکے تھے ریکٹ اٹھا رہے تھے کہ مس پال نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا"

"مٹھائی کھلوائیے تو ایک بات بتاؤں"

ہم نے کہا "کیا ہوا۔ شبو میاں کا کوئی نامہ محبت تو نہیں آ گیا"

مس پال نے بڑے مشرقی انداز سے کہا "چولھے میں گئے شبو میاں اور بھاڑ میں گیا ان کا نامہ محبت میں تو آپ کے لئے خوشخبری لائی ہوں اور آپ مجھے جلا رہے ہیں"

ہم نے کہا "اچھا چلئے کھلا دیں گے مٹھائی بھی اب بتائیے کیا بات ہے۔"

مس پال نے واقعی کھل کر کہا "مس اب وہ آپ کی ہونے ہی والی ہیں"

ہم نے کہا "معموں میں باتیں نہ کیجئے۔ کون میری ہونے والی ہیں"

مس پال نے کہا "جن کو ہونا چاہئے۔ صاحبزادی رعنا بیگم ...... ابھی نواب صاحب اور خان بہادر صاحب میں یہی باتیں ہو رہی تھیں میں نے خود سنا ہے کہ خان بہادر صاحب نواب صاحب سے کہہ رہے تھے کہ آپ کو پورا اختیار ہے جب چاہیں اس فرض سے سبکدوش ہو جائیں۔ میرے یہاں پوری تیاری ہو چکی ہے اور مجھے کوئی انتظام نہیں کرنا ہے۔ اس پر نواب صاحب نے جواب دیا کہ میں ضروری مشورے کر لوں اس کے بعد پہلے تو نہایت سادگی سے نکاح ہو جائے تاکہ شادی کے اہتمام میں شرارت کرنے والوں کو شرارت کا موقع نہ ملے"

ہم نے کہا "اچھا صاحب آپ کی مٹھائی تو پکی ہو گئی مگر مس پال اللہ جانے رعنا بھی اس رشتے کو پسند کرتی ہے یا نہیں"

مس پال نے بڑی تیکھی چتونوں سے کہا "اللہ جانتا ہے جب آپ ایسی باتیں کرتے ہیں تو سخت غصہ آتا ہے۔ آپ آخر مجھ کو اتنا بیوقوف کیوں سمجھتے ہیں۔ میں آپ جیسی عالی دماغ نہ سہی مگر سر میں صرف جوٹ اور پٹ سن کے کھیت ہی تو نہیں، تھوڑی بہت عقل بھی ہے"

ہم نے کہا "اچھا تو اسی تھوڑی بہت عقل سے کام لے کر بتائیے کہ رعنا اس رشتے کو پسند کرے گی"

مس پال نے کمر پر ہاتھ رکھ کر بڑی قوت کے ساتھ کہا "میاں بیوی تو پہلے ہی سے راضی ہو چکے ہیں قاضی تو خواہ مخواہ آ رہا ہے۔ آپ کیوں میری زبان کھلواتے ہیں۔ نہ جانے کتنے قول و قرار ہو چکے ہوں گے۔ نہ جانے کیسے کیسے عشق بگھر چکے ہوں گے۔ اب چلے ہیں آپ مجھ سے پوچھنے کہ آپ رشتہ بھی کریں گی"۔

ہم نے کہا "اگر آپ یقین کریں مس پال تو میں بتاؤں کہ میرے اور رعنا کے درمیان نہ کوئی عشق بگھرا ہے نہ کوئی قول و قرار ہوا ہے اس میں شک نہیں کہ میں اس کو بے حد پسند کرتا ہوں مگر چونکہ پسند کرنے سے زیادہ اس کی عزت کرتا ہوں لہٰذا میں نے اس کی یہ بے عزتی کبھی نہیں کی کہ اظہار عشق کا بازاری پن کرتا"

مس پال نے بڑے تعجب سے کہا "لو اور سنو یہ بازاری پن ہو گیا۔ آپ کس قدر سنجیدگی سے مذاق کرتے ہیں"

ہم نے واقعی سنجیدگی سے کہا "میں آپ سے سچ کہتا ہوں میں مذاق بالکل نہیں کر رہا ہوں۔ میں نے سو باتوں کی ایک بات کہہ دی ہے کہ میں اس کی عزت کرتا ہوں"

مس پال نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا "نہ جانے آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ یہ جو دن رات کا ساتھ اٹھنا بیٹھنا ہے۔ یہ جو تنہائیاں حاصل ہیں۔ یہ جو پہاڑوں پر آپ ان کو

لئے لئے پھرتے ہیں اور یہ جو سنیما کے اندھیرے آپ کو نصیب ہوتے رہتے ہیں ان کے بعد آپ کی یہ باتیں میری سمجھ میں تو آنہیں سکتیں۔“

ہم نے کہا ”آپ کی سمجھ میں یہ باتیں اس لئے نہیں آرہی ہیں کہ آپ اچھے پن کو غالباً محبت سمجھتی ہیں۔ نہ میں اتنا گرا ہوا تھا اور نہ رعنا کو اس قدر گھٹیا سمجھتا تھا کہ اس قسم کی باتیں کرتا۔ میں نے اس تمام قرب اور ان تمام تنہائیوں سے صرف ایک کام لیا ہے کہ رعنا کے دل میں اپنا اعتماد پیدا کروں اور اس کی خود اعتمادی کو مستحکم بناؤں“

مس پال نے ایک دم انگریز بن کر کہا ”گڈ لارڈ۔ یہ تو کچھ بہت اونچی باتیں ہیں میں تو اسی پر حیران تھی کہ مری جا کر آپ نے بجائے ایک کے ہوٹل کے دو کمرے کیوں لئے“

ہم نے کہا ”دیکھئے مس پال یہ بات بھی گرہ میں باندھ لیجئے کہ وہ شخص جو کسی لڑکی سے شادی کا مقدس رشتہ قائم کرنا چاہتا ہے اگر شادی سے پہلے ہی اپنے جذبات کا شکار ہو کر اس کے جذبات سے کھیلنا شروع کر دیتا ہے تو میرے خیال میں اس سے زیادہ بے غیرت اور کوئی نہیں ہو سکتا اور اس کے معنی سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ وہ جس لڑکی سے شادی کر رہا ہے پہلے اس کی معصومیت کو ختم کرتا ہے اس کے بعد ایک غیر معصوم عورت کو اپنی بیوی بنا کر فخر کرتا ہے حالانکہ یہ اس کے لئے ڈوب مرنے کی بات ہے“

مس پال کچھ کھوئے کھوئے انداز سے کرسی پر بیٹھ کر بولیں ”یہ آپ نے بہت قیمتی بات کہی ہے اور اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ایسی بیوی کا احترام شوہر ہرگز نہیں کر سکتا جو شادی سے پہلے بھی اس کے لئے قابل حصول رہ چکی ہو“

ہم نے کہا ”ہاں اب آپ میرے نقطہ نظر تک پہنچ گئی ہیں۔ اب آپ ہی بتایئے کیا میں جھوٹ کہہ رہا ہوں“

مس پال نے کہا ”مگر عام طور پر ہوتا ہے اس کے برعکس ہے۔

ہم نے کہا ”چنانچہ عام طور پر محبت ایسی شیریں چیز تلخ ثابت ہوتی ہے۔ آپ نے سنا ہوگا کہ رومانی شادیوں کا انجام زیادہ تر ناخوشگوار ہوتا ہے اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ شادی سے پہلے ہی تمام شیرینیاں ختم ہو جاتی ہیں اور ازدواجی ذمہ داریوں کی تلخیاں باقی رہ جاتی ہیں جبکہ محبت کے دم سرد اور گرم کے علاوہ نون تیل لکڑی کے افکار اپنی حقیقتوں کو بے نقاب کر کے سامنے آجاتے ہیں“

مس پال نے کہا ”توبہ۔ اتنا بھی آدمی سمجھدار نہ ہو۔ مجھے آپ کی یہ باتیں سنکر اس وقت اپنی سہیلی مسز اخلاق یاد آرہی ہیں جو خود بے حد سمجھدار تھیں مگر جہاں اس قسم کی باتیں انہوں نے سنیں اور ان کو وحشت ہوئی وہ ہمیشہ یہ کہا کرتی تھیں کہ اگر آدمی ایسا شدید سمجھدار بن کر رہ جائے تو یہ دنیا جس کی رونق دراصل لغزشوں ہی کے دم سے ہے اس قدر باقاعدہ بن کر رہ جائے گی کہ جیسے کوئی بینک ہو جہاں اپنے دستخط تک بدلنے کا کسی کو اختیار نہیں ہوتا۔ آپ سے یہ خشک سمجھداری کی باتیں سنکر مجھے افسوس ہی ہوا ہے میں آپ کو ایک الھڑ منچلا اور بے فکرا سمجھے بیٹھی تھی آج معلوم ہوا کہ جس کو میں دیوانہ سمجھ رہی تھی وہ مولانا ہے“

ہم نے داد دی ”بات آپ نے اپنی کہی ہے میں محسوس کرتا ہوں کہ جو رونق کھلنڈرا پن میں ہے وہ اس سنجیدگی میں نہیں ہے مگر مس پال میں دنیا کے خواہ ہر شعبے میں کھلنڈرا نظر آؤں محبت کو کھیل نہیں بنا سکتا“

مس پال نے بڑے افسوس سے کہا ”اس کا مطلب یہ ہوا کہ قسمت نے جتنی تنہائیاں آپ کو دی تھیں یکجائی کے جتنے موقعے آپ کو نصیب ہوئے تھے وہ سب آپ نے گزار دیئے“

ہم نے کہا ”مس پال بات یہ ہے کہ میرے اصول کی معقولیت کی تو آپ قائل ہو چکی ہیں مگر یہ بات چونکہ آپ کے ذاتی تجربوں کے خلاف ہے لہٰذا ہٹ دھرمی فرما رہی ہیں“

مس پال نے چونک کر کہا ”میرے ذاتی تجربے کون سے بھلا؟“

ہم نے شرارت سے کہا ”اپنے ذاتی تجربوں کو مجھ سے زیادہ آپ خود جانتی ہوں گی“

مس پال اس بات پر غالباً برا ماننے کی کوشش کر رہی تھیں مگر ان کو والد صاحب کے یکایک آجانے سے اس کا موقع نہ مل سکا اور والد صاحب کو دیکھ کر ایک دم گھبرا کر بولیں ”نواب صاحب یہ خوش خبری صاحبزادے صاحب کو پہلے ہی پہنچا دی ہے“

والد صاحب نے کہا ”آپ کا شکریہ کہ آپ نے مجھ کو اس خبر رسانی کی زحمت سے بچالیا۔ بہر حال اگر آپ اجازت دیں تو میں ان سے چند خاص باتیں کر لوں۔ اور ہاں یہ باتیں بیگم صاحبہ تک ہرگز نہ پہنچیں۔ تو میں کرلوں ان سے باتیں۔“

مس پال نے اٹھ کر جاتے ہوئے کہا ”ضرور ضرور مجھے تو اب خود جانا تھا بیگم صاحبہ کو ہواخوری کے لئے لے جانا ہے“

مس پال کے جانے کے بعد والد صاحب نے اطمینان سے بیٹھتے ہوئے کہا ”بہر حال تم کو یہ تو خبر ہو ہی گئی کہ آج میرے اور خان صاحب کے درمیان تمام معاملات طے پاگئے مگر میں نے ان کو مشورہ دیا ہے کہ پہلے نہایت خاموشی اور سادگی کے ساتھ صرف نکاح کر دیں اس کے بعد شادی میں جو ارمان چاہیں پورے کریں۔ بات اصل میں یہ ہے کہ ان کو تو میں نے صرف یہ سمجھایا ہے کہ چونکہ شبو اور اس کے والدین کی طرف سے ہر شرارت کا امکان ہے لہذا ان کو خبر ہی اس وقت ہو جب نکاح ہو چکے۔ مگر میں اپنے یہاں کے حالات دیکھتے ہوئے بھی یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ پہلے نکاح ہو جائے“

ہم نے کہا ”ہمارے یہاں کے حالات کیا ہیں“

والد صاحب نے سرگوشی کے انداز سے کہا ”صاحبزادے ہیں آپ۔ برخودار

یہ ہرگز نہ سمجھنا کہ تمہاری ماں جو اس قدر بدل چکی ہیں اپنی تمام اصلیت ہی بھول گئی ہوں گی۔ ان کی زندگی بھر کی تمنا یہ ہے کہ نجو کو بہو بنا کر رہیں اگر ان کو پہلے سے خبر بھی ہو گئی تو وہ ان تمام اصلاحوں کو طاق پر رکھ دیں گی اور ایک خالص نائن بن کر سامنے آجائیں گی“

ہم نے کہا ”تو کیا مطلب ہے آپ کا گویا نکاح ان سے بھی چھپایا جائے گا“

والد صاحب نے کہا ”یہی تو مشورہ لینا چاہتا ہوں کہ آخر صورت کیا ہو۔ بات یہ ہے کہ برا وقت آتے دیر نہیں لگتی اللہ جانے کتنے لوگ برابر ادھر سے اُدھر آرہے ہیں نہ جانے کون اپنا عزیز آمرے اور سارا بھانڈ پھوٹ کر رہ جائے لہذا ضروری ہے کہ جلد سے جلد بس نکاح تو ہو ہی جائے“

ہم نے کہا ”اور اگر نکاح کے بعد یہ بھانڈا پھوٹا تو“

والد صاحب نے کہا ”پھر کیا ہوتا“ ”پھر تو خان بہادر خود اپنی عزت کے خیال سے اس پر ہر ممکن پردہ ڈالے گا۔ وہ اتنا بیوقوف نہیں ہے کہ لڑکی کا نکاح کر دینے کے بعد یہ اشتہار بھی دیتا پھرے کہ داماد قوم کا نائی ہے البتہ اگر نکاح سے پہلے اس کو معلوم ہو گیا تو بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا“

والد صاحب تو ہم سے یہ کہہ کر چلے گئے کہ تم بھی غور کرو مگر ہم غور صرف یہ کر رہے تھے کہ کس قدر کمینہ پن ہو رہا ہے ایک شریف آدمی کے ساتھ اور کیسا مجرمانہ دھوکہ دیا جا رہا ہے اس غریب کو“

☆

آج رعنا کی سہیلیاں جمیلہ اور سرور آئی ہوئی تھیں۔ ہمیں کیا معلوم تھا کہ خان بہادر صاحب کے یہاں آج کیا طوفان آیا ہوا ہے ہم حسب معمول رعنا کے کمرے میں درانہ گھستے چلے گئے اور وہاں کورس میں ”اوئی“ کا وہ نعرہ بلند ہوا کہ واپس لوٹنے کی بدحواسی میں ہم کو چلمن سے الجھ جانا پڑا۔ مگر اسی وقت رعنا کی آواز آئی۔

”بھاگے کہاں؟ آجائیے نا“

اور ہم پھر جاتے جاتے پلٹے تو رعنا نے آگے بڑھ کر کہا ”ان دونوں سے آپ پہلے ہی مل چکے ہیں اب یہ احتیاطیں کیسی۔ یہ وہی جمیلہ ہے جس نے بیڈمنٹن کھیلتے ہوئے آپ پر نہ جانے کتنے آوازے کسے تھے اور یہ ہیں سروری ان کو بھی اسی دن آپ نے دیکھا ہوگا“ ہم نے ان دونوں کو سلام کرتے ہوئے کہا ”جی ہاں اب میں پہچان گیا دونوں کو“ جمیلہ نے کہا ”پہلے صرف شٹل کاک ادھر سے ادھر اچھل جایا کرتا تھا اس کے انتقام میں اب آپ خود“

ہم نے جملہ پورا کر دیا۔ ادھر سے ادھر اچھل کر آنے لگے“

سرور نے کہا ”ہم کو تو پہلے ہی یہ امید تھی کہ یہ پڑوس رنگ لا کر رہے گا“

ہم نے کہا ”مگر کوئی خاص رنگ تو لایا نہیں“

جمیلہ نے کہا ”جی ہاں عام طور پر یہی ہوتا ہے جو ہوا ہے“

رعنا نے ڈانٹ دی ”کیا مطلب تمہارا“

جمیلہ نے آنکھیں مٹکا کر کہا ”کیا خوب اسی کو کہتے ہیں الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے“

رعنا نے بھی بڑی اداکاری کے ساتھ کہا ”حضور کوتوال صاحب آپ اس چور پر چوری تو ثابت کریں“

سرور نے دزدیدہ نظروں سے ہماری طرف دیکھ کر کہا۔

”چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد“

ہم نے دریافت کیا ”کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ اس عدالت میں میری حیثیت دزد کی ہے یا“

جمیلہ نے بات کاٹ کر کہا ”جی نہیں چراغ کی“

ہم نے دست بستہ عرض کیا ”مگر یہ خاکسار منشی چراغ علی مرحوم عرض کرتا ہے آپ دونوں اگر مزاح فرما رہی ہیں تو دوسری بات ہے اور اگر یہ باتیں سنجیدگی کے ساتھ ہو رہی ہیں تو مجھے افسوس ہے کہ آپ صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچیں“

رعنا نے منہ بنا کر کہا ”آپ بھی کن مسخریوں کی باتوں میں آگئے ان کو آپ کے متعلق تو خیر کچھ نہیں معلوم مگر میرا اندازہ ان کو اچھی طرح ہے“

سرور نے بڑے مدبرانہ انداز سے کہا ”صاحب یہ تو اچھی زبردستی ہے کہ آنکھیں جو کچھ دکھا رہی ہیں اس کو غلط سمجھو اور جو اندھا اندازہ کر بیٹھی ہو اسی کی قائل رہو“

ہم نے ایک کرسی کی طرف بڑھتے ہوئے کہا ”یہ بات چونکہ ذرا تفصیل طلب ہے لہٰذا اگر اجازت ہو تو میں ذرا بیٹھ جاؤں“

جمیلہ نے کہا ”ملزم کو اجازت تو نہیں ہوتی مگر خیر آپ تشریف رکھ سکتے ہیں“

ہم تسلیم کر کے بیٹھ گئے اور پھر عرض کیا ”سب سے پہلے تو میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ وہ اندازہ جو غلط ثابت ہوا ہے وہ کیا تھا“

سرور نے گویا اکڑ کر کہا ”سوال یہ ہے کہ آپ کو کیوں بتایا جائے“

ہم نے کہا ”عدالت کو چاہئے کہ صفائی پیش کرنے کا پورا موقع دے“

رعنا نے کہا ”مگر چونکہ عدالت بیوقوف ہے لہٰذا اس قسم کی امید آپ کو عدالت سے نہ رکھنا چاہئے“

جمیلہ نے کہا ”مسماۃ رعنا بیگم آپ پر توہین عدالت کا مقدمہ چل سکتا ہے مگر چونکہ یہ عدالت توہین پروف ہے لہٰذا اپنے اوپر مقدمہ چلوانے کی اس کوشش میں آپ ناکام رہی ہیں“

رعنا نے کہا ”عدالت گئی جہنم میں مگر وہ واقعی تمہارا کیا اندازہ تھا جو غلط ثابت ہوا“

سرور نے رعنا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا ”پھر کوشش کی تم نے معہ ان چچاوں کے آنکھوں میں گھسنے کی بھول گئیں وہ دن جب بڑے فلسفیانہ انداز سے لکچر دیا کرتی تھیں کہ یہ رومانس وغیرہ سب ڈھکوسلا ہے۔ محبت اگر ظہور پذیر ہو جائے تو میں اس کے محبت ہونے ہی کی طرف سے مشکوک ہوں“

رعنا نے کہا ”میں اب بھی اس کی قائل ہوں اور میرے نزدیک اس سے سستا چھچھوراپن اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا کہ محبت جتائی جائے، عشق فرمایا جائے اور ارمان بیان کیا جائے ارزووں کی داستانیں بنیں“

ہم نے کہا ”مثنوی زہر عشق لکھی جائے“

رعنا نے کہا ”خود نہ لکھی جا سکے تو کسی اور کے عاشقانہ شعر خس کی ٹٹیوں میں بھگو کر لمبی لمبی سرد آہوں کے ساتھ سنائے جائیں۔ توبہ توبہ کس قدر بازاری حرکتیں ہیں“

سرور نے کہا ”اب اگر ہم کو حق ہوتا تو دریافت کرتے کہ آپ دونوں میں آخر کیا باتیں ہوتی ہیں“

جمیلہ نے کہا ”موسم کے متعلق باتیں ہوتی ہوں گی۔ اقتصادی، معاشی، معاشرتی، تمدنی، اخلاقی، سماجی، ادبی، لسانی، سیاسی مسائل پر بحثیں ہوتی ہوں گی“

رعنا نے ”ہاں تو خیر خوب چلتی ہے قینچی کی طرح مگر ہم دونوں میں وہ

بحث اس کبھی نہیں ہوئی جو آپ کے نزدیک ایک نوجوان لڑکے اور ایک نوجوان لڑکی میں ہونا بر حق ہے“

سرور نے کہا ”اے نوجوان لڑکی تو نے بڑی بوڑھیوں کی وہ کہاوت ضرور سنی ہوگی کہ لڑکی وہ جو لڑکیوں میں کھیلے نہ کہ لڑکوں میں جا کے ڈنڑ پیلے......“

رعنا نے کہا ”جی ہاں یہ ان بڑی بوڑھیوں کی کہاوت ہے جن کے دماغ میں سوائے جنسی توہمات کے اور کوئی معقول بات آتی ہی نہ تھی“

جمیلہ نے کہا ”مگر یہ بھی تم نے سنا ہوگا کہ جہاں ایک نوجوان مرد اور ایک نوجوان عورت ہوتی ہے وہاں جناب شیطان بھی ضرور تشریف رکھتے ہیں“

رعنا نے کہا ”شیطان خود کبھی نہیں آتا بلایا جاتا ہے اور اگر وہ اتنا ایٹی کیٹ بھی نہیں جانتا کہ بغیر اجازت کے نہیں آنا چاہئے تو ہم میں اتنی جرأت ہے کہ ہم اسے اپنی محفل سے نکال دیں۔

ہم نے کہا ”مگر مجھے تو تعجب ہو رہا ہے کہ آپ کی یہ دونوں سہیلیاں بھی بالکل عورتوں کی سی باتیں کر رہی ہیں“

جمیلہ نے رعنا سے کہا ”بھئی ان کو ہم دونوں کے جانے کے بعد بتا دینا کہ ہم واقعی عورت ہی تھے“

ہم نے ہنس کر کہا ”میرا مطلب یہ ہے کہ آپ دونوں کو رعنا کی سہیلی کی حیثیت سے اتنا وسیع النظر تو ہونا ہی چاہئے تھا کہ عام عورتوں کی طرح ایک عورت اور ایک مرد کے مراسم کے صرف ایک ہی معنی نہ سمجھتیں......“

سرور نے کہا ”گویا رعنا کی سہیلی کی حیثیت سے ہم کو وسیع النظر ہونا چاہئے تھا ورنہ ذاتی طور پر ہم کو اس کا کوئی حق ہی نہیں“

جمیلہ نے کہا ”مگر ہم کو اس وسیع النظری کا موقع ہی نہ مل سکا۔ یہاں آتے ہی خالہ جان یعنی ان کی والدہ محترمہ سے پہلے ہی معلوم ہو گیا کہ عنقریب آپ دونوں

ایک دوسرے کے کچھ ہونے والے ہیں"

سرور بولی "پھر یہاں آکر بیٹھے ہی تھے کہ جناب تشریف لے آئے اب ہم کو کیا معلوم کہ آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ درست ہے یا تیاریاں جو کچھ ہو رہی ہیں وہ صحیح ہیں"

شکر ہے کہ اس نازک موقعے پر بیگم صاحبہ نے کمرے میں تشریف لا کر ان دونوں بلاؤں سے نجات دلوادی وہ آتے ہی بولیں

"لو فرحت میاں تو یہاں موجود ہی ہیں میں تو یہ کہنے آرہی تھی کہ چائے پر ان کو بھی بلا لیا جائے یہ لڑکیاں دیکھنا چاہتی ہیں"

جمیلہ نے کہا "خالہ جان اب آپ کو اس کا کم ہی موقع مل سکے گا کہ آپ ان کو بلانے کا ارمان پورا کر سکیں وہ انشاءاللہ یہیں موجود ملیں گے ہر وقت"

سرور بولی "مگر خالہ جان اب ان دونوں کا پردہ کرا دینا چاہیئے"

بیگم صاحبہ نے کہا "میں نے تو خود کہا تھا مگر رعنا کے ابا کہتے ہیں کہ یہ سب واہیات ہے۔ وہ اس کو چونچلہ اور مہمل رسم کہتے ہیں"

جمیلہ نے شرارت سے کہا "مگر سنا ہے خالہ جان کہ اس طرح دولہا دلہن پر نور نہیں اترتا ٹھیکرے برستے رہتے ہیں"

بیگم صاحبہ نے کہا "کچھ بھی ہو بیٹا مگر اس گھر میں تو ان کے باوا جان کی حکومت ہے میری سنتا ہی کون ہے اب یہ جھگڑا کیا جارہا ہے کہ پہلے چپ چپاتے نکاح ہو جائے کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو اس کے بعد شادی ہو"

سرور نے کہا "مگر خالہ جان ہم دونوں کو تو اب خبر ہو ہی گئی ہے۔ مگر وہ چپ چپاتا نکاح ہے کب"

بیگم صاحبہ نے کہا "آج ہی کل میں تاریخ طے ہو جائے گی نواب صاحب سے تو رعنا کے ابا نے کہدیا ہے کہ وہ جب چاہیں دو بول پڑھوادیں۔ اور سچ پوچھو تو ہم کو کرنا ہی کیا ہے جس دن سے رعنا نے ہوش سنبھالا ہے ہم برابر تیاریاں کر رہے تھے۔

دوسرے یہ کہ جہیز دہیز تو ہم کو کچھ دینا ہے نہیں"

جمیلہ نے حیرت سے کہا "کیا مطلب آپ کا خالہ جان میری بہن کیا یوں ہی بیرنگ بھیج دی جائے گی"

بیگم صاحبہ نے "بیٹا وہ شالامار روڈ والی کوٹھی تو دیکھی ہے نا تم دونوں نے اے ہاں دیکھی کیوں نہیں ہے وہی جس میں پچھلے سال رعنا کی سالگرہ کی پارٹی ہوئی تھی۔ ان کے ابا نے اسی کوٹھی کو ٹھیک کر دیا ہے تمام فرنیچر۔ قالین، برتن، کپڑے، گھر گرستی کا پورا سامان، موٹر سب ہی کچھ اس میں ہے وہی ان کو مل رہا ہے جہیز میں آج ہی اس میں ریڈیو گرام اور فریجیڈیر لگوانا ہے۔"

سرور نے کہا "اور کیا چاہیے ان کو۔ اور اس پر بھی آپ کہہ رہی تھیں کہ جہیز نہیں مل رہا ہے کچھ"

بیگم صاحبہ نے کہا "میرا مطلب یہ تھا کہ اب ہم کو کوئی انتظام نہیں کرنا"

ملازمہ چائے اور ناشتے کی ٹرالی لئے ہوئے داخل ہوئی تو بیگم صاحبہ نے اٹھتے ہوئے کہا "لو اب تم لوگ چائے پی لو"

ہم نے کہا "آپ بھی یہیں پی لیں نا"

بیگم صاحبہ نے کہا "نہیں بیٹا میں تو اس وقت بادام کا شیرہ پیتی ہوں دوسرے تمہارے چچا کے لئے جب تک میں نہ بناؤں چائے وہ پیتے ہی نہیں کسی اور کے ہاتھ کی ان کے بوڑھے چونچلوں کے مارے اور بھی ناک میں دم ہے"

بیگم صاحبہ کے جانے کے بعد ہم اور رعنا بھی منظر عام پر آنے کے قابل ہو سکے ورنہ ذکر ہی ایسا چھڑ گیا تھا کہ بولتے کیا......

☆

خان بہادر صاحب کو یہی انتظار تھا کہ والد صاحب ان کو کونسی تاریخ دیتے ہیں کہ ایک اور قصہ شروع ہو گیا۔ خان بہادر صاحب ایک دن اچانک ہمارے یہاں آگئے اور عین اس وقت جبکہ اتفاق سے ہم بھی والد صاحب کی خدمت میں حاضر تھے انہوں نے آکر والد صاحب سے کہا "مبارک ہو بھائی صاحب ان ننگ خاندان نے اپنا کمینہ پن شروع کر دیا۔ ملاحظہ فرمائیے یہ گمنام خط بھیجا ہے مجھے ذرا پڑھ کر دیکھیے"

والد صاحب نے ہم سے کہا "ذرا تم ہی سناؤ میری عینک غالباً اندر ہے"

خان بہادر صاحب نے کہا "ہاں ہاں تم ہی سناؤ بیٹے تم تو ہیرو ہو اس افسانے کے گویا۔

ہم نے خط لیکر پڑھنا شروع کیا"

از راولپنڈی۔

مخدوم و مکرم جناب خان بہادر صاحب قبلہ۔ آداب عرض۔

اس خط کے راقم سے آپ واقف نہیں ہیں اور نہ یہ خاکسار اس کی ضرورت سمجھتا ہے کہ واقفیت پیدا بھی کی جائے۔ زیادہ بہتر یہی ہے کہ میں خود پردے میں رہ کر آپ سے کچھ پردے کی باتیں کروں تاکہ خدا آپ کو سمجھنے کی توفیق دے اور جس آگ سے آپ کھیل رہے ہیں اس سے بروقت آپ اپنا دامن بچا سکیں۔ بہر حال میں آپ کو بروقت مطلع کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہو رہا ہوں۔

آپ کے پڑوسی نواب عظمت اللہ خاں صاحب کے صاحبزادے فرحت اللہ خاں صاحب جو آج کل آپ کے منظور نظر بنے ہوئے ہیں اور آپ کے ایسے جہاں دیدہ بزرگ کی آنکھوں میں دھول جھونک رہے ہیں شاید ان سے آپ اچھی طرح واقف نہیں ہیں ورنہ اپنی صاحبزادی کے اور ان کے بے تکلف مراسم کو ہرگز جائز نہ سمجھتے۔ یہ صاحبزادے میرے نہایت عزیز دوست ہیں اور میں ان کی ان محفلوں میں بھی شریک ہو چکا ہوں جن میں ان کی مستقل داشتہ شہناز کے گھر قماربازی اور مےخواری کے مشاغل رہتے تھے۔ جب میں لاہور سے راولپنڈی میں آیا ہوں اس وقت میں فرحت اور شہناز کے نہایت شگفتہ مراسم چھوڑ کر آیا تھا مگر حال ہی میں وہ مجھے کوہ مری میں ایک نئی لڑکی کے ساتھ نظر آئے۔ جو شرمناک مناظر میں نے دیکھے ہیں ان کی تفصیل کی تو کوئی ضرورت نہیں ظاہر ہے کہ وہ لڑکی تو آبرو باختہ ہی ہو گی ورنہ ان کے ساتھ اس موسم میں کوہ مری کیوں جاتی اور وہاں ہولناکی کے مناظر کھلم کھلا کیوں پیش کرتی مگر فرحت کی حالت پر مجھ کو سخت عبرت ہوئی میں ان کو ضرور سمجھاتا مگر اس مرتبہ وہ مجھ کو اصلاح کی حدوں سے گذرے ہوئے نظر آئے ایک اور صاحب بھی ان کے ساتھ تھے مگر ان سے چھپ کر مری کے نشیب و فراز میں یہ دونوں جوانی کے نشیب و فراز طے کرنے میں مصروف تھے اور وہ تیسرے صاحب گوشہ نشین بنے ہوٹل ہی میں پڑے تھے۔ میں یہ باتیں آپ کو ہرگز نہ لکھتا مگر فرحت سے جو مراسم میرے ہیں ان کا تقاضہ یہی ہے کہ میں آپ کو آگاہ کر دوں تاکہ آپ فرحت کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں اگر آپ فرحت کی اصلاح کر سکیں تو یقین جانئے کہ اس سے بہتر داماد آپ کو نہیں مل سکتا ان چند عیوب کے علاوہ جو کھاتے پیتے گھرانوں کے نوجوانوں میں پیدا ہو ہی جاتے ہیں وہ ذاتی طور پر بے حد شریف اور موتیوں میں تولنے والا شخص ہے اور اگر اس کی اصلاح کی طرف

سے آپ بھی میری طرح مایوس ہو جائیں تو خدا کے لئے اپنی بے زبان بیٹی کا صبر نہ سمیٹئے اور جان بوجھ کر اسے اندھے کنویں میں نہ جھونکئے۔ اولاد خدا کی ایک امانت ہے جو والدین کو حیثیت امین کے ملتی ہے اگر آپ نے اپنی بچی کے ساتھ زیادتی کی تو یقین جانئے کہ قیامت میں آپ جواب دہ ہوں گے۔ میں چونکہ خود ایک لڑکی کا باپ ہوں اس لئے اپنے دل میں آپ کی بچی کے لئے بھی ایک درد پاتا ہوں۔ بہر حال میں یہ عریضہ لکھ کر اپنے فرض سے سبکدوش ہو رہا ہوں۔ زیادہ حد آداب

آپ کا ایک خیر خواہ

یہ سنا کر ادھر ہم مسکرا کر خاموش ہوئے ادھر والد صاحب نے منہ کا پان جلدی جلدی چبا کر خان بہادر صاحب کو دیکھنا شروع کیا۔ خان بہادر صاحب نے والد صاحب کو غور سے دیکھتے ہوئے فرمایا“

”سنا آپ نے یہ خط اور اب تو آپ کو یقین آیا کہ یہ کس قدر خطرناک آدمی ہے“

والد صاحب نے کہا ”مگر بھائی صاحب میں تو آج سے اس بات کا قائل ہو گیا ہوں کہ یہ شخص بیوقوف تو ہر گز نہیں ہے خواہ اور جو کچھ ہو۔ اس خط میں اس نے کافی ذہانت کا ثبوت دیا ہے مثلاً اس نے یہ نہیں لکھا کہ رعنا ان کے ساتھ بھاگی ورنہ یہ سوال پیدا ہوتا کہ اگر یہ صاحب غیر متعلق قسم کے آدمی ہیں تو رعنا کو کیسے پہچانتے ہیں دوسری بات یہ ہے کہ چونکہ وہ رعنا کے سلسلے میں بیہودہ بکواس کرنا چاہتا تھا اور خط بھیج رہا تھا آپ کو لہٰذا اس نے رعنا کو رعنا تسلیم کرتے ہوئے بکواس بھی سب کچھ کر دی اور یہ پہلو بھی صاف بچا گیا“

خان بہادر صاحب نے کہا ”نہیں خیر بیوقوف تو وہ اعلیٰ درجے کا ہے گر فتنہ پردازی میں بھی اپنا جواب نہیں رکھتا اپنے نزدیک بڑے بڑے تیر مارے ہیں اس گدھے نے اس خط میں کہ ان سے بہتر داماد مجھ کو کوئی نہیں مل سکتا اگر ان کی اصلاح

ہو جائے مگر چونکہ یہ اصلاح کی حدوں سے گذرے ہوئے ہیں لہٰذا مجھ کو چاہئے کہ میں رعنا کا صبر نہ سمیٹوں“

ہم نے کہا ”لکھتے ہیں کہ میں فرحت کو ضرور سمجھاتا مگر وہ اصلاح کی حد سے گذرے ہوئے نظر آئے اور اوپر لکھ چکے ہیں کہ میں ان کی ان محفلوں میں بھی شریک رہا ہوں جن میں شہناز کے یہاں قمار بازی اور میخواری کے مشاغل رہتے تھے گویا ان تمام حرکتوں میں میرے شریک بھی تھے اور اب میری ہی اصلاح بھی کرنا چاہتے تھے“

خان بہادر صاحب نے کہا ”جی ہاں مگر میں تو بھائی صاحب کو ان کی حماقت کا ایک ثبوت دینے والا ہوں کہ آپ جو بڑے اعتقاد سے اس کو ذہین کہہ رہے ہیں یہ اعتقاد ہی ختم ہو جائے۔ ملاحظہ فرمائیے۔ یہ خط لکھا گیا ہے گویا راولپنڈی سے اور لفافے پر مہر ہے پشاور کی جہاں صاحبزادے آج کل مقیم ہیں بیٹے ذرا پڑھنا یہ مہر“

اور ہم نے دیکھا کہ واقعی لفافے پر پشاور کی صاف مہر تھی ہم کو بیساختہ ہنسی آ گئی ابھی شبو میاں کی اس حماقت پر والد صاحب اور خان بہادر صاحب کے تبصرے باقی ہی تھے کہ مس پال غصے میں سرخ ایک خط لئے ہوئے نازل ہوئیں اور غصے میں کپکپاتے ہوئے لب و لہجہ سے کہا ”دیکھئے نواب صاحب یہ خط۔ خان بہادر صاحب آپ بھی دیکھئے یہ خط آپ کے ان ہی بھتیجے صاحب نے مجھ کو بھیجا ہے۔ میں ان پر مقدمہ چلا دوں گی آخر انہوں نے سمجھ کیا رکھا ہے مجھے“

خان بہادر صاحب نے کہا ”لیجئے یک نہ شد دو شد۔ پڑھو بیٹا یہ خط بھی پڑھو“

اور ہم نے خط پڑھنا شروع کیا“

از پشاور بازار قصہ خوانی معرفت خان عبدالعزیز خاں

مسِ کافر۔

یہ القاب پڑھ کر مارے ہنسی کے ہم سے آگے نہ پڑھا گیا ذرا اس کمبخت کو دیکھئے تو سہی مس پال کے لئے القاب کہاں سے ڈھونڈھ کر لایا ہے۔ والد صاحب کو بھی بے ساختہ ہنسی آگئی اور وہ ہنس کر بولے " مان گئے صاحب جواب نہیں ہے ان صاحبزادے کا۔ آسان نہیں تھا اس القاب کا سوجھنا"

مس پال نے جل کر کہا" آپ کو ہنسی آ رہی ہے اور میں کھول رہی ہوں۔ ابھی ذرا آگے تو سنئے۔

ہم نے ہنسی پر قابو پا کر آگے پڑھنے کے بجائے پھر سے پڑھنا شروع کیا"

بت کافر۔ اف تری کافر جوانی جوش پر آئی ہوئی

خان بہادر صاحب نے برجستہ کہا" لاحول ولا قوۃ"

ہم پڑھتے رہے۔

آپ کا عتاب سر آنکھوں پر مگر آپ نے شاید یہ نہیں سنا کہ۔

ان کو آتا ہے پیار پر غصہ
مجھ کو غصے پہ پیار آتا ہے

اظہار تمنا کا جواب آپ نے جس طرح دیا ہے یہ کوئی نئی بات نہیں اور نہ میں اس کی شکایت کرتا ہوں۔

جور و جفا تو حسن کے جائز حقوق ہیں
جور و جفا کا شکوہ بیجا نہ کیجئے

مگر آپ کو شاید معلوم نہیں کہ محبت آپ سے بھی زیادہ کافر ہے۔ یہ کمبخت نہ ان باتوں سے بجھتی ہے۔ نہ جفا کے مقابلے میں وفا ہار مان سکتی ہے اپنا تو یہی قول ہے کہ۔

جفائیں تم آزمائے جاؤ وفا کے خوگر وفا کریں گے

ہمارے کہنے میں دل نہیں ہے تو ہم ہی دل کا کہا کریں گے

آپ یہ نہ سمجھ لیجئے گا کہ آپ کے اس طرز عمل سے میں مایوس ہو کر وہاں سے چلا آیا ہوں اگر میرا جذبہ وقتی اور سطحی ہوتا تو شاید یہ ممکن ہو سکتا مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آج آپ نے جس کو ٹھکرایا ہے کل آپ اسی کی وفا کا دم بھریں گی اب میں آپ کے قریب نہیں ہوں مگر میرے قریب آپ ہر وقت ہیں۔ میں نے آپ سے دور ہو کر اپنے کو ہر ممکن طریقے پر جانچنے اور پرکھنے کی کوشش کی۔ صبر کرنا چاہا۔ دل بہلانا چاہا۔ تفریح میں مشغول رہنے کی کوشش کی مگر سب بے سود آپ ہیں کہ میرے تصور سے ہٹنے کا نام ہی نہیں لیتیں جتنا جتنا بھلاتا ہوں اتنی ہی یاد آتی ہیں اور یہ اب طے ہو چکا ہے کہ یا تو آپ مجھ کو سہارا دے کر میری زندگی کو زندگی بنائیں گی ورنہ میں زندگی کا مقصد صرف آپ کو حاصل کرنے کی کوشش سمجھوں گا اور آپ ہی کے لئے بھٹکتا رہوں گا۔ میں آپ سے یہ نہیں کہتا کہ آپ بھی مجھ سے محبت کریں مگر مجھے محبت کرنے کا حق دے کر آپ مجھے خرید سکتی ہیں۔ امید تو نہیں کہ آپ مجھے جواب دیں گی مگر اپنی طلب صادق پر مجھے اعتماد ہے اور اگر میری کشش سچی ہے تو آپ کو آج نہ سہی کل سہی میری طرف آنا ہے آپ ہر طرح آزما کر دیکھ لیں یہ دل کھوٹا ثابت نہ ہو گا۔

آپ کا اور صرف آپ کا شباب

مس پال نے کہا" مان نہ مان میں تیرا مہمان"

والد صاحب نے کہا" مس پال محبت کو ٹھکرایا نہیں کرتے کفران نعمت ہے"

مس پال نے پھر جل کر کہا" نواب صاحب آپ یہ بات ہنسی میں نہ ٹالئے میں اس خط کو اپنی سخت توہین سمجھتی ہوں"

خان بہادر صاحب نے کہا" یقیناً توہین ہے مگر مس پال چاند کو دیکھ کر کتے

بھونکا ہی کرتے ہیں آپ پرواہی نہ کیجئے میں تو اس وقت ایک اور بات پر غور کر رہا ہوں۔ بھائی صاحب ملاحظہ فرمایئے یہ کاغذ اور لفافہ ان دونوں خطوں کے کاغذ اور لفافے تک ایک ہیں۔ گدھا کہیں کا چلا ہے بیوقوف بنانے اور خود عقل ٹھکانے نہیں“

مس پال حیران تھیں مگر ہم نے ان کو چپکے چپکے تو سارا قصہ سنا دیا اس کے بعد وہ گمنام خط ان کو دے دیا کہ وہ خود پڑھ لیں والد صاحب اور خان بہادر صاحب پھر ادھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے اور ہم وہاں سے اٹھ آئے“

* * *

مس پال صبح کے کاموں سے فارغ ہو کر آج کا اخبار لینے ہمارے کمرے میں پہنچی ہی تھیں کہ رعنا کو بیٹھا دیکھ کر پہلے تو مسکرا کر مزاج پرسی کی مگر فوراً ہی اس کے ہاتھ میں اپنے نام شبو میاں کا نامہ محبت دیکھ کر ان کی تیوریاں پر بل پڑ گئے اور بڑے تلخ انداز سے کہا ”دیکھا آپ نے صاحبزادی صاحبہ یہ خط“

رعنا نے ہنس کر کہا ”جی ہاں مت کا فر بڑے مزے کا خط ہے یہ“

ہم نے کہا ”بیٹھ جایئے مس پال اچھا ہوا کہ آپ خود آ گئیں ورنہ آپ کو بلانا پڑتا میں نے اس خط پر کافی غور کیا اور میں اس خط سے بڑا کام لینا چاہتا ہوں بشرطیکہ آپ تعاون کریں۔ رعنا بھی اس وقت موجود ہیں سب مل کر ایک مزیدار پلاٹ بناتے ہیں یہ بہت ہی اچھا موقع ملا ہے اسے ہاتھ سے کھونا نہیں چاہئے“

رعنا نے کہا ”کچھ معلوم تو ہو ارادہ کیا ہے“

ہم نے کہا ”میں اپنا پلاٹ تو بعد میں بتاؤں گا پہلے مس پال تو وعدہ کریں کہ وہ تعاون کریں گی۔ صاحب میں سچ کہتا ہوں کہ اگر مس پال میرے پلاٹ پر عمل کر جائیں تو لطف آ جائے۔ یہ بیوقوف بھی کیا یاد کرے گا کہ کن لوگوں سے سابقہ پڑا تھا۔“

مس پال نے کہا ”اگر ان حضرت کو سزا دینے کی کوئی اسکیم ہے تو میں گلے گلے پانی شریک ہوں“

ہم نے کہا ”ایسی ویسی سزا۔ یاد کرے گا زندگی بھر“

رعنا نے بڑے اشتیاق سے کہا ”توبہ ہے اب بتا بھی چکیے“

ہم نے کہا ”میں مس پال سے اس کو اس خط کا جواب لکھواتا ہوں۔ پہلے وہ جواب دیکھ لیں آپ دونوں اس کے بعد مشورہ دیں میں نے رات ہی کو اس جواب کا مسودہ تیار کر لیا تھا“

اور یہ کہہ کر ہم نے میز سے مسودہ اٹھا کر سنانا شروع کیا“

جناب من۔ تسلیم

آپ کا خط پڑھ کر پہلے غصہ آیا۔ دوسری مرتبہ پھر غصے میں پڑھا مگر یہ غصہ اپنے اوپر زبردستی طاری کرنا پڑا۔ تیسری مرتبہ یہ خط پڑھ کر مجھ کو ضروری معلوم ہوا کہ میں اس کا جواب دوں اور آپ کو ٹھنڈے دل سے سمجھانے کی کوشش کروں کہ کسی کی پر سکوں زندگی میں خواہ مخواہ ہلچل پیدا کرنے کا مذاق آپ کا نہایت بے رحمانہ کھیل ہے۔ میں اس قسم کے بہت سے کھیل دیکھ چکی ہوں اور ان کے نتائج سے ناواقف نہیں ہوں۔ عورت کی زندگی بغیر کسی قدردان کے لالہ صحرائی سے زیادہ اور کچھ نہیں اس کو جستجو ہوتی ہے اپنے حسن کے لئے حسن شناس نظروں کی بھی مگر اس کے معنی یہ نہیں کہ وہ ان نظروں سے دھوکہ بھی کھا جائے وہ اپنے قدردان میں علاوہ اپنے لئے جذبہ پرستاری کے اور بھی چند چیزیں ڈھونڈھتی ہے مثلاً اس جذبہ پرستاری میں خلوص کی مقدار اور ثبات کے امکانات خود اپنے دل میں اپنے پرستار کی پذیرائی کی گنجائشیں۔ دونوں کی افتاد طبع کا اندازہ بھی کرنا پڑتا ہے۔ خیر میں ان تمام باتوں کی طرف سے تو مطمئن ہوں مگر مجھے نہیں معلوم ہے کہ آپ نے خود اپنا کس حد تک جائزہ لے کر یہ قدم بڑھایا ہے۔ میری مخلصانہ رائے یہ ہے کہ پہلے آپ خود اپنے کو تولیں اور پھر مجھے غور کرنے کا موقع دیں۔ اس اہم بات کو چوں

کا کھیل اور دل کی بازی کو دل کا بازی نہ بنائیے۔ میں دراصل یہ خط و کتابت بھی اس لئے غلط سمجھتی ہوں کہ ممکن ہے آپ کا یا میرا کوئی خط پکڑا جائے اور خواہ مخواہ کی رسوائی ہو۔ کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ آپ نہایت خاموشی سے کام لے کر لاہور آجائیں اور میرے ذاتی مکان میں قیام فرما کر مجھ کو اپنے مطالعے کا اور باہمی تبادلہ خیال کا موقع دیں۔ میرا مکان آپ کو گڑھی شاہو برکتند اروڈ پر آسانی سے مل جائے گا۔ یہ خط آپ کو آج کے دوسرے دن یعنی ۱۴ر جنوری کو مل جائے گا اگر آپ ۱۵ر جنوری کو چل کر ۱۶ر جنوری کی صبح کو پہنچ جائیں تو میں آپ کو اپنے ہی گھر پر منتظر ملوں گی۔

آج کل یہاں کے حالات بھی دگرگوں ہیں آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ آپ کی چچا زاد بہن رعنا بیگم سے میرے آقازادے فرحت صاحب کی شادی ہونے والی تھی مگر کچھ خطوط خان بہادر صاحب کے پاس اس قسم کے آئے ہیں کہ یہ شادی گڑبڑ ہو گئی ہے۔ میں آپ کی طرف سے اس لئے اور بھی ڈرتی ہوں کہ اب آپ کی ادھر سے بھی جستجو شروع ہوگی اور آپ کے لئے ادھر بھی امکانات پیدا ہوں گے اس کے بعد شاید میں آپ کو یاد نہ رہ سکوں۔ بہر صورت آپ کا تشریف لانا ضروری ہے۔

براہ کرم اس خط کا کوئی جواب نہ دیں میں بہر حال ۱۶ر جنوری کی صبح آپ کی منتظر رہوں گی“

راقمہ راجرس پال

یہ خط سنکر پہلے تو ایک سناٹا رہا اس کے بعد رعنا نے آنکھوں میں چمک پیدا کر کے کہا۔ ”ایسی لاجواب سوجھی ہے آپ کو کہ میں داد نہیں دے سکتی اس خط سے وہ یقیناً چکمے میں آکر دوڑا ہوا آئے گا“

ہم نے کہا ”۱۶ر جنوری کی صبح کو آپ اسے یہیں لیجیے“

مس پال نے کچھ شش و پنج کے ساتھ کہا یہ تماشہ تو اچھا ہے مگر میرا گھر خواہ مخواہ رکھ رہے ہیں آپ۔ سارے محلے میں مفت کی بدنامی ہوگی”

رعنا نے کہا“ یہ بھی ٹھیک کہہ رہی ہیں کسی ہوٹل میں کیوں نہ کہا جائے ان سے ٹھہرنے کو”

ہم نے کہا“ میرے ذہن میں بھی پہلے ہوٹل ہی آیا تھا مگر ہوٹل میں ان کا قیام ہم دونوں کے لئے بیکار ہو جائے گا مس پال کے گھر میں یہ آسانی تھی کہ ہم دونوں بھی چھپ کر یہ تماشہ دیکھ سکتے تھے”

مس پال نے کہا“ اگر آپ دونوں بھی ان کے آنے سے پہلے ۱۶ر جنوری کی صبح کو میرے یہاں پہنچ جائیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے پھر تو میں یہ کہہ سکوں گی نا کہ میرے یہاں مہمان آئے ہیں میں تو صرف ان حضرت کی موجودگی سے گھبراتی ہوں”

رعنا نے کہا“ مگر ہم لوگ آخر کہاں تک آپ کے یہاں رہیں گے وہ آرہے ہیں تو ذرا تفصیل سے رہیں گے”

یہ بات واقعی غور طلب تھی دوسرے یہ بھی کہ خود مس پال مستقل طور پر یہاں کے فرائض چھوڑ کر اپنے گھر نہیں رہ سکتی تھیں۔ لہٰذا ہم نے مشورہ دیا“ دیکھئے نا وہ آئیں گے تو آپ کے گھر ان کو باقاعدہ ناشتہ کرائیے بلکہ دن کا کھانا بھی کھلا دیجئے اس کے بعد ان کو مشورہ دیجئے کہ اس قصہ کو راز میں رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ آپ کسی ہوٹل میں ٹھہریں ورنہ ممکن ہے کہ نواب صاحب کے یہاں سے کوئی آکر آپ کو یہاں دیکھ لے”

رعنا نے تائید کی“ ہاں یہ ٹھیک ہے ان سے کہہ دیجئے گا کہ میں مقررہ اوقات میں نواب صاحب کے یہاں سے اور آپ ہوٹل سے آتے رہئے یہاں”

مس پال نے بھی رضامندی ظاہر کی“ ہاں یہ ٹھیک ہے اور ظاہر ہے کہ دو تین دن سے زیادہ یہ تماشہ کیا رہے گا۔

ہم نے کہا“ یہ کچھ نہیں کہا جا سکتا مس پال یہ تو تماشہ شروع ہونے کے بعد اندازہ ہوگا کہ پلاٹ کتنی وسعت رکھتا ہے اور اس کو کتنے سین پر پھیلایا جائے”

مس پال نے کہا“ مگر کچھ اس تماشے کا خلاصہ تو معلوم ہو جاتا ہے”

ہم نے کہا“ خلاصہ فی الحال اتنا ہی سن لیجئے کہ جب وہ آپ سے ملیں گے تو ان کے اسی خط اور اس کے اسی جواب کی روشنی میں ان سے آپ کی باتیں ہوں گی ظاہر ہے کہ وہ آپ کے شکوک مٹانے کے لئے طرح طرح کے وعدے کریں گے اور ہم کو تو دراصل یہ دیکھنا ہے کہ وہ آپ کے سامنے کس رنگ میں نمودار ہوتے ہیں۔ اب تک تو دراصل ان کا رنگ کھلا ہی نہیں ہے ان کو کھل کھیلنے کا کبھی موقع ہی نہ مل سکا اس لئے کہ ہر جگہ وہ کچھ دبے ہوئے سے رہے مگر اب خدا نے وہ دن دکھایا ہے کہ ان کی حماقت پروان چڑھے تو اب وہ کچھ اور ہی نظر آئیں گے”

رعنا نے کہا“ یہ تو نہایت بودا پلاٹ ہے میں تو اس کو اور ہی کچھ بنانا چاہتی ہوں”

ہم نے کہا“ بھئی اس ڈرامے کے مصنف تو دراصل ہم تینوں ہی ہیں آپ جو چاہتی ہیں وہ بھی فرما دیں۔

رعنا نے کہا“ اس کمبخت سے یہ ضرور قبول کرا لیا جائے یہ خط جو ڈیڈی کو اس نے بھیجا ہے یہ اسی کا ہوا ہے۔

ہم نے کہا“ وہ تو معلوم ہی ہے سب کو”

رعنا نے کہا“ نہیں میں چاہتی ہوں کہ ڈیڈی اور نکل خود اپنے کانوں سے سن لیں اور جو الزام اس نے آپ پر اور مجھ پر لگائے ہیں ان میں وہ خود مبتلا ہو کر ان کی

نگاہوں کے سامنے آجائے۔

ہم نے کہا ”اس کے معنی یہ ہوئے کہ آپ خان بہادر صاحب کو اور والد صاحب کو بھی یہ تماشہ دکھانا چاہتی ہیں مگر میں اس کے حق میں نہیں ہوں پھر یہ تماشہ سنجیدہ بن کر ممکن ہے کہ تکلیف دہ بن جائے“

مس پال نے بھی کہا ”خان بہادر صاحب واقعی غصہ ضبط نہ کر سکیں گے اسے تو بس ایک دلچسپ تماشے کی حد تک رہنے دیجئے“

رعنا کی سمجھ میں بھی یہ بات آگئی اور اس نے بجھے ہوئے دل سے کہا ”جیسی آپ کی مرضی مگر پھر بھی یہ تماشہ اتنا مکمل ہو کر غالب کے پرزے اڑ جائیں یہ نہ ہو کہ۔

دیکھنے ہم بھی گئے تھے یہ تماشہ پر ہوا

ہم نے کہا ”اس کا تمام تر دارو مدار مس پال پر ہے یہ جتنی عمدہ ایکٹنگ کریں گی اتنا ہی اچھا یہ تماشہ ہوگا۔ اس میں شک نہیں۔ کہ ان کو نفس کشی بھی کرنی پڑے گی اور دل پر کافی جبر بھی اس لئے کہ شبو میاں سے عشق کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔“

مس پال نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا ”نابابا مجھ سے عشق و شوق نہیں ہو سکتا“

رعنا نے کہا ”تو پھر آپ ان کو کس سلسلے میں بلا رہی ہیں۔ دیکھئے نا مقصد تو بیوقوف بنانا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جس حد تک وہ منجانب اللہ بیوقوف بنے ہوئے ہیں وہی ہمارے لئے بہت ہے مگر ہم تو حماقت کے قلزم محراج کی گہرائیوں کا تماشہ دیکھنا چاہتے ہیں۔

ہم نے مس پال کو سمجھایا ”صاحب آپ کو یہ اطمینان تو ہونا ہی چاہئے کہ پس پردہ آپ کی جان و مال کے دو محافظ موجود ہوں گے پھر آپ ڈرتی کیوں ہیں۔ ذرا میٹھی

میٹھی باتیں کیجئے گا تاکہ وہ طے کر لے کہ بس جیت لی اس نے بازی اور پھر دیکھئے کہ اس عاشق صادق کا عالم کیا ہوتا ہے خدا میں تو اس کیفیت کے ساتھ جب ان کو تصور میں لاتا ہوں تو بے ساختہ ہنسی آجاتی ہے۔ آپ گھبرائیے نہیں میں آپ کو کافی رہرسل کرا دونگا“

اس اطمینان کے بعد مس پال نے خط لکھنے کا کاغذ سنبھالا اور ہر چند کہ اردو وہ ذرا ٹٹول ٹٹول کر لکھتی ہیں مگر خط زیادہ برا نہیں۔ تھوڑی ہی دیر میں انہوں نے خط لکھ کر اور لفافے پر پتہ لکھ کر ہمارے حوالے کر دیا اور ہم تینوں شبو میاں کی تشریف آوری کے جشن کے پروگرام دیر تک بناتے رہے یہاں تک رعنا کے یہاں سے ان کا بیرا یہ پیغام لایا کہ صاحب یاد کرتے ہیں چنانچہ یہ مجلس مشاورت برہم کرنا پڑی“

☆

ہماری طلبی ہوئی تھی اور جس وقت ہم پہنچے ہیں والد صاحب قبلہ سبزہ زار پر اپنے ان ہی تیوروں کے ساتھ ٹہل رہے تھے جو تیور جنگ عظیم کے موقعوں پر ہمیشہ دیکھے گئے ہیں۔ جب کبھی وہ والدہ محترمہ سے ناراض ہوتے ہیں اسی انداز سے ٹہلنا شروع کرتے ہیں کہ دونوں مٹھیاں بھنچی ہوئی ہیں زیر لب کچھ بدبدا رہے ہیں اور نہایت تیزی سے اس طرف سے اس طرف اور اس طرف سے اُس طرف ٹہل رہے ہیں اس کو ٹہلنا نہ کہئے نہ یہ دوڑنا ہے ان دونوں کی درمیانی رفتار ہے جس کو فوجی اِصلاح میں کوئک مارچ کہتے ہیں۔ یہ آثار دیکھ کر ہم نے دل ہی دل میں کہا خدا خیر کرے۔ اور جیسے ہی آگے بڑھ کر والد صاحب قبلہ کے سامنے آئے ہیں وہ نہایت شعلہ بار انداز سے بولے۔

"دیکھ لی تم نے اس حرامزادی کی حرکت"

یہ نہ سمجھئے گا کہ یہ عزت افزائی مس پال یا گھر کی کسی خادمہ یا جمعدارنی وغیرہ کی ہوئی ہے۔ جی نہیں ہمارے گھر میں یہ خطاب صرف بیگمات کے لئے مخصوص ہے چنانچہ ہم فوراً سمجھ گئے کہ اس قصیدے کی ممدوحہ والدہ محترمہ کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ ہم نے ادب کے ساتھ دریافت کیا "بات کیا ہوئی"

والد صاحب نے بدستور منہ سے پھول برساتے ہوئے فرمایا "بات وہ ہوئی ہے کہ جی چاہتا ہے جوتیاں مار کر چڑیل کو گھر سے نکال دوں۔ تم کو بڑا اطمینان تھا کہ

مس پال کی تعلیم و تربیت نے ان کو آدمی بنا دیا ہے مگر میں جانتا تھا کہ کتے کی دم بارہ برس تک نلکی میں رکھی رہے اس کے بعد بھی نکالی جائے گی تو ٹیڑھی ہی ہوگی، لٹیا ہی ڈبو دی اس کمبخت عورت نے اور میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اب ہوگا کیا۔ عورت جوتے لات کی عادی تھی لاتوں کے بھوت باتوں سے رام نہیں ہوتے آخر ہے نا اصل نسل کی نائن اپنی اصلیت پر گئی"

اب کون سمجھاتا والد صاحب کو کہ قبلہ و کعبہ اصلیت تو حضور کی بھی یہی ہے یہ دوسری بات ہے کہ آپ بھول جائیں۔ بہر حال اس وقت تو دریافت یہ کرنا تھا کہ واقعہ کیا ہے لہٰذا عرض کیا "مگر بات تو معلوم ہو"

والد صاحب نے بھڑک کر کہا "میاں جہنم میں گئی بات جو بات بنی ہوئی تھی وہ اس گھامڑ عورت کی وجہ سے ختم ہو گئی کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا سمجھ میں نہیں آتا کہ کدھر منہ کالا کر جاؤں"

ہم نے پھر دست بستہ عرض کیا "مگر ہوا کیا"

والد صاحب نے ایک مرتبہ ہم کو غور سے دیکھا پھر فرمایا "ہوا یہ کہ آپ کی والدہ صاحبہ مکرمہ و معظمہ نے خدا ان کو غارت کرے اپنے بھیا کو خط لکھا ہے کہ فرحت کی شادی اس کے باپ ایک رئیس کی لڑکی سے کئے دیتے ہیں اگر پہنچنا ہے تو فوراً پہنچو ورنہ پھر کچھ نہ ہو سکے گا۔ چنانچہ اس خط کے جواب میں اس چغد کا یہ خط آیا ہے لو سنو"

یہ کہہ کر والد صاحب نے خط سنانا شروع کر دیا"

ہمشیرہ صاحبہ مکرمہ۔ تسلیم۔

آپ کا خط ملا پڑھ کر سخت رنج ہوا کہ دولت پا کر بھائی صاحب اپنوں کو بھول گئے اور جو نسبت بچپن سے ٹھہری ہوئی تھی اس کا بھی خیال نہ کیا۔ میں جانتا ہوں کہ

http://www.pakiumplace.com

آپ مجبور ہیں اور شوہر کے مقابلہ میں آپ کی چل نہیں سکتی میں بہر حال لاہور پہنچنے کی کوشش کر رہا ہوں جیسے ہی پاسپورٹ کا انتظام ہو گیا لاہور پہنچ جاؤں گا مگر آپ صرف یہ کیجئے کہ جہاں تک ہو سکے اس شادی میں دیر کرایئے گا کہ میرا پہنچنا بیکار ہی نہ ہو جائے کوشش کروں گا کہ نجو اور اس کی والدہ کو بھی ساتھ لاؤں مگر قطعی طے نہیں ہے۔

والد صاحب نے یہیں تک یہ خط پڑھ کر ہم سے کہا ”سن لیا آپ نے۔ اب نازل ہو رہی ہے یہ آفت اور اب ہماری اصلیت کا بھانڈا ایسا پھوٹے گا کہ طبیعت صاف ہو جائے گی“

ہم نے بھی واقعی متفکر ہو کر کہا ”یہ تو بہت برا ہوا۔ سوال یہ ہے کہ اب کیا کیا جائے“

والد صاحب نے جلبلا کر کہا ”مجھ سے کیا پوچھتے ہو اسی حرامزادی سے پوچھو جس نے یہ گل کھلایا ہے۔ صاحبزادے مجھے یقین تھا کہ یہ جو ہم بڑے شریف زادے بنے بیٹھے ہیں اس کا پول اگر کبھی کھلا تو اس میں اسی عورت کا ہاتھ ہو گا۔ صاحب نائی ہم بھی ہیں ہمارے باپ دادا بھی کھرے نائی تھے۔ مگر یہ تو کچھ بہت ہی نائن نکلی۔ اب اس کا علاج صرف یہی ہے کہ سر مونڈ کر چوٹی ہاتھ میں رکھ دی جائے اور نکال باہر کیا جائے گھر سے“

ہم نے کہا ”خیر آپ شور نہ مچائیں مجھے بھی غور کرنے دیں اور خود بھی غور کریں کہ یہ آئی بلا کسی صورت سے ٹل بھی سکتی ہے یا نہیں“

والد صاحب نے کہا ”اب کیا ٹلے گی وہ ممکن ہے کہ آج ہی کل میں پہنچ بھی جائے مگر اتنا میں بتائے دیتا ہوں کہ خواہ خان بہادر کے یہاں یہ رشتہ اس وجہ سے نہ ہو سکے کہ ہمارا نائی ہونا اچھل جائے گا مگر میری زندگی میں نجو بھی بہو بن کر اس گھر میں نہیں آ سکتی اگر وہ نائی ہے تو میں بھی نائی ہوں وہ میری مونچھ مونڈ رہا ہے میں اس کا سر مونڈ کر رکھ دوں گا اور جوتے مار کر گھر سے نکال دوں گا بھائی بہن دونوں کو“

ہمارے ذہن میں یکایک ایک ترکیب آئی اور ہم نے والد صاحب سے پوچھا ”اس خط کی اطلاع والدہ صاحبہ کو ہو چکی ہے“

والد صاحب نے فرمایا ”ابھی نہیں۔ میں نے تم کو اسی مشورے کے لئے بلایا ہے“

ہم نے کہا ”بس تو پھر ٹھیک ہے ابھی والدہ صاحبہ کی طرف سے تار دیئے دیتے ہیں کہ نکاح ہو گیا۔ اب مت آؤ۔ میں خود پہنچ رہی ہوں پاسپورٹ کا انتظار ہے“

والد صاحب کی آنکھوں میں بھی ایک چمک سی آ گئی اور سارا غصہ جیسے کافور ہو گیا بڑے رازدارانہ انداز سے بولے ”بھئی ماشاءاللہ چلتے رہو۔ آخر کس باپ کے بیٹے ہو واقعی یہ تار کام کر جائے گا بشرطیکہ وہ تار سے پہلے ہی چل نہ دیا ہو“

ہم نے کہا ”توبہ کیجئے پاسپورٹ ملنا اتنا آسان نہیں ہے دوڑے دوڑے جوتیاں ٹوٹیں گی پتلون لنگوٹی بنے گا پھر کہیں جا کر پاسپورٹ مل سکے گا اور ابھی تو وہ روپے کا بندوبست کریں گے ان کے پاس اتنا کہاں کہ تین آدمیوں کو لیکر ہوائی جہاز پر آ جائیں“

والد صاحب نے کہا ”بھئی لاجواب ترکیب سوجھی ہے واقعی اتنی جلدی وہ کیسے چل سکتا ہے۔ اس تار کے ملنے کے بعد وہ ارادہ ہی ملتوی کر دے گا اور ادھر ہم نکاح میں جلدی کریں گے۔ یہ تو خیر ٹھیک ہو گیا مگر اپنی ماں کی اس حرکت کو تو دیکھو“

ہم نے کہا ”بہر حال اب آپ ان سے کچھ نہ کہئے گا ورنہ وہ سنک جائیں گی کہ شاید ان کا خط یا اس کا جواب پکڑا گیا ہے ہم اور آپ تو اسی طرح چپ رہیں گویا ہم کو

http://www.paktunplace.com

کچھ خبر ہی نہیں”

والد صاحب نے وعدہ کر لیا کہ وہ خاموش رہیں گے اور ہم سے ماموں صاحب کے نام مجوزہ مضمون کا تار لکھوا کر خود موٹر پر تار گھر تشریف لے گئے۔ وہ خود تو تشریف لے گئے مگر ہم عجیب ادھیڑبن میں مبتلا ہو گئے کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے یہ کس حد تک صحیح ہے اس وقت رعنا کا سادہ و معصوم تصور ہمارے سامنے تھا اور ہم کو محسوس ہو رہا تھا کہ گویا وہ ہم پر اب بھی وہی اعتماد کر رہی ہے جو ہمیشہ کرتی آئی ہے مگر ہمارا دل چور ہے اور ہم اپنے کو اس اعتماد کا مستحق نہیں سمجھتے۔ ہم اس کے دل میں بھیس بدل کر سمائے ہوئے ہیں اور ہم اسی کو دھوکہ دے رہے ہیں جس کی سادگی اور معصومیت نے اپنی شرافت اور خاندانی اعزاز کو ہمارے سپرد کر رکھا ہے۔ آج پہلی مرتبہ ہم خود اپنی نظروں سے گرتے ہوئے محسوس ہوئے اس لئے نہیں کہ ہم قوم کے نائی ہیں، ہمارے نزدیک ایک نائی بھی شرافت کا دعویدار ہو سکتا ہے اور ایک نائی کو بھی اس کا حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے نائی ہونے پر فخر کرے مگر یہ حق ہم کو نہ پہنچتا تھا اس لئے کہ ہم نے اپنی قوم کو خود پست سمجھ کر اپنے کو کچھ اور بنا رکھا تھا۔ اپنی نظروں سے گرنے کی وجہ یہ تھی کہ ہم نے یہ راز رعنا پر بھی ظاہر نہیں کیا۔ وہ ہم کو نواب زادہ ہی سمجھ رہی ہے کاش وہ ہم کو خالص نائی سمجھ کر رد کر دیتی مگر ہمارا یہ فریب نہ کھاتی۔ اس کو نہیں معلوم کہ وہ ایک بہروپئے ایک دغاباز اور ایک مکار کے فریب میں مبتلا ہے اور ہم اسی کو دھوکہ دے رہے ہیں جس کو اپنی زندگی کا ساتھی بنانا چاہتے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہوئے ہم زندگی بھر کے لئے ایک مستقل فریب خرید رہے ہیں...... مگر اسی تصور میں تصویر کا دوسرا رخ بھی سامنے آنے لگا کہ ..... یہ سب اعتبارات ہیں دنیا میں کوئی انسان کسی سے پست یا کسی سے بلند نہیں ہے یہ بلندی اور پستی اپنے ذاتی کردار سے پیدا ہوتی ہیں اسلامی نقطہ نظر تو یہ ہے ہی مگر آج کل کے

بہت سے فیشن ایبل اعتقادات بھی اسی کے حامی ہیں۔ ہمارا نائی ہونا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی ڈپٹی کلکٹر ہو جائے یہ کیا لغویت ہے کہ جو سوئی لے کر کپڑا سئے وہ تو درزی کہلائے اور اس کا پیشہ اس کی قوم بن جائے اور جو ٹیلرنگ ہاؤس کھولے وہ معزز کا معزز رہے۔ جوتا گانٹھنے والا موچی اور جوتوں کا بیوپار کرنے والا شریف کا شریف”

مگر اس کے باوجود ہماری کمزوری یہ تھی کہ ہم نے رعنا سے آخر اپنا نائی ہونا چھپایا ہی کیوں۔ ظاہر ہے کہ ہم خود اپنے کو پست سمجھتے تھے اور احساس کمتری میں مبتلا تھے ورنہ ہمارا سب سے پہلا فرض یہ تھا کہ اگر وہ احساس برتری میں مبتلا ہوتی تو اسے اس کی اعتباری بلندی سے اس سطح پر واپس لانے کی کوشش کرتے جہاں سب انسان ہوتے ہیں دو ہاتھ دو پیر دو آنکھیں دو کان اور ایک ناک والے انسان ہم کو چاہئے تھا کہ رعنا کو اس نسلی خود فریبی سے نجات دلاتے اور اس کو ذاتی شرافت اور شخصی نجابت کا قائل بناتے مگر ہم نے یہ نہ کیا اس لئے کہ ہم خود شریف بننے کے لئے نہایت غیر شریفانہ طریقہ اختیار کئے ہوئے تھے۔

خدا جانے ہم کب تک اسی ادھیڑبن میں مبتلا رہتے مگر رعنا نے آکر ہم کو چونکا دیا وہ آج کچھ ملکوتی قسم کا لباس پہنے ہوئے تھی۔ ہم نے رعنا کو لباس کے معاملے میں کبھی سادگی کے حدود سے آگے بڑھتے نہ دیکھا تھا یہ اور بات ہے کہ اس سادگی میں بھی بلا کی پرکاری ہوتی تھی۔ عام طور پر وہ سفید لباس پسند کرتی تھی گرمیوں میں تو خیر سفید لباس کا جواب ہی نہیں پہننے والے کی طبیعت بھی خوش ہوتی ہے اور دیکھنے والے کی نگاہوں میں بھی ٹھنڈک پڑتی ہے مگر رعنا بیگم تو جاڑے میں بھی سفید ہی لباس پسند فرماتی تھیں چنانچہ اس وقت سفید شلوار سفید قمیص اور سفید ہی دوپٹے پر اپنادہ سفید فر کا کوٹ پہنے ہوئے تشریف لائیں کہ گویا کسی برفستان کا سفیر چلا آ رہا ہو۔ ہم نے جنوری کی سردی میں اس لباس پر احتجاج کرتے ہوئے کہا ”ممکن ہے کہ آپ

http://www.paktunplace.com

کو آپ کے اس کوٹ نے گرم کر دیا ہو مگر یہ سفید رنگ دیکھ کر دیکھنے والے کو جو سردی لگتی ہے اس کا بھی آپ کے پاس کوئی علاج ہے۔"

رعنا نے مسکراتے ہوئے کہا "معلوم نہیں کیا بات ہے مجھے کسی اور رنگ کا کپڑا پہنتے شرم کیوں آتی ہے۔ مجھے رنگین کپڑا پہن کر نہ جانے کیوں یہ احساس ہوتا ہے کہ جیسے میں نے بننے سنورنے کی کوشش کی ہو"

ہم نے کہا "واقعی میں نے آپ کو کبھی کسی اور رنگ کے کپڑوں میں دیکھا ہی نہیں"

رعنا نے کہا "نہیں خیر رنگین کپڑے بھی ہیں تو ضرور میرے پاس مگر جہاں تک ہو سکتا ہے میں سفید ہی کپڑے اپنے لئے پسند کرتی ہوں۔ کیوں کیا آپ کو پسند نہیں ہیں"

ہم نے کہا "ناپسند ہونے کی تو کوئی وجہ ہی نہیں سفید رنگ کو آپ کی شخصیت میں بڑا دخل حاصل ہو چکا ہے مگر کبھی کبھی دیکھنے والوں کی نگاہوں کا مزہ بدلنے کے لئے اگر کوئی رنگ بھی پسند کر لیا کریں آپ تو کیا مضائقہ ہے"

رعنا نے کہا "دیکھنے والوں کی نگاہوں کا مزہ خوب کہا آپ نے۔ بہر حال آپ اس بے فکری سے نہ کھڑے رہیں آج ہم دونوں کو سردار کے گھر چائے پینا ہے ان کی خیر سے سالگرہ ہے میں نے آپ کی اور اپنی طرف سے دو تحفے خرید لئے ہیں۔ مگر اب آپ جلدی چلئے دیر کافی ہو چکی ہے ......" ہم تیار تو تھے ہی جاتے دیر کیا لگتی روانہ ہو گئے۔

* * *

اگر مس پال گھر پر ہوتیں تو کوئی مضائقہ نہ تھا وہ خود جگا دیتیں مگر وہ تو رات ہی سے آج کی چھٹی پر جا چکی تھیں اور ہم کو معہ رعنا کے اس وقت ان کے گھر پہنچنے کے لئے ٹائم پیس میں الارم لگا رکھنا پڑا تھا تا کہ اندھیرے منہ اٹھ کر تیار ہو سکیں اور ایسے وقت مس پال کے گھر پہنچ جائیں کہ ان کے مہمان محترم اس وقت تک نہ پہنچے ہوں۔ چنانچہ جیسے ہی الارم بجا ہے ہم باوجود نیند کے پورے غلبے کے بس ایک جست کر کے بستر سے اٹھ ہی تو گئے ورنہ ذرا تکلف سے کام لیتے اور صبح کی یہ سردی ہم کو اچھی طرح لحاف میں لپیٹ کر پھر سے سلا دیتی۔ مگر ہم کو خود حیرت ہے کہ یہ سپاہیانہ مستعدی اس وقت ہم میں کہاں سے آ گئی۔ بہر حال اٹھتے ہی جلدی جلدی شیو کیا۔ اور داد دیجئے گا کہ غسل کے فرض سے بھی سبکدوش ہو ہی گئے۔ مگر اس داد کی مستحق دراصل مس پال ہیں جن کی بدولت جمعہ جمعہ غسل کرنے والے ہم جاڑا گرمی برسات ہر موسم میں صبح کے غسل کے عادی ہو چکے تھے اور مری کی برفباری میں بھی غسل نہ چھوٹ سکا ہم غسل کے بعد کپڑے بدل کر ٹائی باندھ ہی رہے تھے کہ کمرے کے دروازے پر ایک انگلی سے کسی نے کھٹ کھٹ کیا کسی نے کیا ظاہر ہے کہ یہ رعنا کے سوا اور کون ہو سکتا تھا ہم نے دروازہ کھول کر رعنا کو بلا لیا"

"کمال کیا آپ نے یعنی اتنی جلدی تیار بھی ہو گئیں"

رعنا نے کہا "کمال تو مجھے آپ کی تیاری میں نظر آ رہا ہے۔ میں تو سمجھی تھی کہ

الارم بجا ہوگا اسے آپ نے تھپک کر پھر سلا دیا ہوگا اور خود بھی سو گئے ہوں گے اب میں جگاؤں گی تو جاگیں گے اور پھر میں نہانے سے منع کروں گی تو لڑائی ہوگی"

ہم نے کہا" اب آپ خود ہی دیکھ لیجئے کہ میں نہا دھو کر بالکل تیار ہوں بات یہ ہے کہ میں واقعی نہ کاہل ہوں نہ سست یہ سب مخالف پروپیگنڈا ہے جو میرے خلاف کیا گیا ہے فریق مخالف اس قسم کی افواہیں پھیلاتے ہی رہتے ہیں"

رعنا نے ہنس کر کہا" یہ باتیں غالباً اس لئے بن رہی ہیں کہ مجھے آپ کی نامکمل تیاری کا احساس نہ ہونے پائے۔ ابھی ٹائی بندھ رہی ہے اس کے بعد موزے پہنے جائیں گے پھر جوتا کسا جائے گا۔"

ہم نے کہا" جوتا بھی پہنا ہی جائے گا جوتا جن سے کسنا چاہئے ہم تو ان کا بھی خیر مقدم ہی کرنے جا رہے ہیں۔ بہر حال آپ نے دیکھا کہ ٹائی بندھ گئی اور اب یہ دیکھئے یہ آپ ہی کی صناعیوں کا ایک نمونہ ہے جو سویٹر کے طور پر میں پہن رہا ہوں"

رعنا نے کہا" ہاں اسے تو میں بھول ہی گئی تھی بلکہ اس کے اوپر کوٹ اور پھر کوٹ پر چسٹر بھی پہنا جائے گا"

ہم نے کہا" آپ کے اطمینان کے لئے عرض ہے کہ میں چسٹر یقیناً نہ پہنوں گا جب سے میں نے شبو میاں کو چسٹر پہن کر لحاف میں گھستے ہوئے دیکھا ہے مجھے نہ جانے یہ خیال کیوں ہو گیا ہے جو کوئی اس شدت سے چسٹر پہننے لگے وہ شبو میاں بن کر رہ جاتا ہے۔ میرے لئے یہ کوٹ ہی کافی ہے۔"

رعنا نے زبردستی شروع کر دی۔ غضب کر رہے ہیں آپ اس قیامت کی سردی حضور والا سردی ہو یا گرمی ان دونوں بہنوں کا طریقہ یہ ہے کہ یہ اصل میں ڈومنیاں ہیں جہاں ان کو منہ لگایا اور ان کے نخرے برداشت کیجئے یہ گانا شروع کر دیتی ہیں تال بے تال بہر حال اس تمام گفتگو کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں بالکل تیار ہو گیا اور آپ کو

تیاری کے مزید تقاضوں کا موقع ہی نہ مل سکا۔ بہر حال اب تشریف لائیے۔"

ہم دونوں اس سرمئی صبح کے مناظر میں کھوئے ہوئے اپنے کمپاؤنڈ سے نکل کر خان بہادر صاحب کے کمپاؤنڈ میں آ گئے جہاں دونوں خوفناک کتے ہمارے خیر مقدم کے لئے کھڑے دم ہلا رہے تھے۔ جیسے ہی رعنا نے موٹر کا دروازہ کھولا ہے۔ ریکس نے موٹر میں بیٹھنے کی کوشش کی اور نیرو نے اس یقین کے بعد کہ وہ ساتھ جائیں گے مارے خوشی کے اچھلنا شروع کر دیا مگر رعنا نے ریکس کو چمکار کر نہایت پیار سے سمجھایا" جی نہیں اس وقت آپ ہمارے ساتھ نہیں جا سکتے ہم دونوں بہت چھپ کر جا رہے ہیں اور آپ ہمارے چھپنے کی چوری کھول دیں گے آپ کو پھر کسی وقت سیر کرائی جائے گی۔

اور ریکس نے گردن جھکا کر یہ فیصلہ اس طرح سنا گویا وہ سب کچھ سمجھ گئے اور موقعے کی نزاکت کا احساس کر لیا۔ ان کے سمجھ جانے کے بعد ہم دونوں گاڑی کی پچھلی نشستوں پر بیٹھ گئے اور ڈرائیور کو چلنے کی ہدایت کی۔ ڈرائیور کا ساتھ لینا اس لئے ضروری تھا کہ کار وہاں سے کہیں اور بھجوانا تھی تاکہ شبو میاں کو کسی قسم کا شبہ نہ ہو سکے جس وقت ہم مس پال کے در دولت پر پہنچے ہیں وہ نہایت بے صبری سے ہمارا انتظار کر رہی تھیں ہم کو دیکھتے ہیں ان کی جان میں جان آ گئی اور ہمارا استقبال کرتے ہوئے بولیں" مجھے تو ڈر تھا کہ کہیں وہ حضرت آ موجود ہوں اور آپ دونوں نہ پہنچ پائیں تو کیا ہوگا"

ہم نے کہا" اول تو یہ ہو ہی کیسے سکتا تھا دوسرے ہم آپ کو بے شمار ہر سل کرا کے اب اتنا پختہ تو کر ہی چکے ہیں کہ آپ کو ڈرنے کی کوئی وجہ تو نہ ہونا چاہئے۔"

مس پال نے ڈرائیور سے کہا" تم یہ گاڑی لے جاؤ واپس اور دو بجے جب لانا تو اس سامنے والی گلی کے موڑ پر روک لینا مگر خود نہ آنا اطلاع کرنے ہم خود ہی معلوم کر

لیں گے کہ تم آ گئے ہو یا نہیں“

ہم نے بھی تائید کر دی کہ وہاں بھئی بات ہی کچھ ایسی ہے کہ تمہاری یا اس کار کی موجودگی کا پتہ نہ چلے۔ بس تم کار لا کر خاموشی سے ہمارا انتظار کرنا“

کار واپس کر کے مس پال ہم کو ایک کمرے میں لائیں جہاں نہایت پر تکلف بریک فاسٹ تیار تھا مس پال نے ہم کو بٹھاتے ہوئے کہا ”بس یہ ہے آپ دونوں کا کمرہ۔ اس سے ملا ہوا یہ غسلخانہ ہے اور وہ حضرت اس سامنے والے کمرے میں بیٹھیں گے آپ دونوں اس کمرے سے اس کمرے کی ہر آواز بھی سن سکیں گے اور ہر منظر بھی آپ کے سامنے ہو گا“

رعنا نے کہا ”مگر مس پال ہماری آپ کی یہ شرط تو نہ تھی کہ آپ اتنا تکلف کریں گی“

مس پال نے سچ مچ میزبان بن کر کہا ”کیا باتیں کرتی ہیں صاحبزادی آپ بھی ہم غریب آدمی بھلا کیا تکلف کرتے۔ آپ ہمارے گھر آئیں ہمارے لئے یہ عزت ہی کیا کم ہے رات گئے تو میں آ سکی کوٹھی سے سچ مچ نہ جانے کیا کیا جی چاہتا تھا مگر کچھ نہ ہو سکا بہر حال اب آپ جلدی سے ناشتہ کر لیں ورنہ وہ آ جائے گا“

ہم نے گھڑی دیکھ کر کہا ”اگر ٹرین صحیح وقت پر آ رہی ہے تو ابھی اس کے پہنچنے میں پورا آدھ گھنٹہ باقی ہے۔ مگر مس پال آپ نے اپنے مہمان عزیز کے لئے بھی ناشتے کا انتظام کیا ہے یا نہیں“

مس پال نے کہا ”بھلا یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ میں اپنے مہمانوں کے لئے انتظام کرتی اور مہمانوں کے مہمان کے لئے نہ کرتی“

رعنا نے ہنس کر کہا ”مس پال ان کو اپنا مہمان بھی تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ بہر حال وہ ہمارے ہی مہمان سہی مگر آپ کی میزبانی میں کوئی کمی نہ رہے۔

مس پال نے ہم کو ناشتے کی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا ”وہ تو اضع کروں گی کہ یاد رکھیں گے وہ حضرت بھی“

ہم نے ڈر کر کہا ”مہربانی فرما کر اپنی طرف سے کوئی حرکت نہ کر بیٹھئے گا“

مس پال نے ہم کو یقین دلایا کہ وہ ہماری کسی ہدایت کے خلاف کوئی اداکاری نہ کرے گی اور اس اطمینان کے بعد ہم دونوں اس پر تکلف ناشتے کی طرف متوجہ ہوئے جس کی تیاری میں مس پال نے واقعی ضرورت سے زیادہ تکلف سے کام لیا تھا اور وہ خالص مشرقی انداز سے اس وقت بھی اس فکر میں مبتلا تھیں کہ کہیں ہم دونوں میں سے کوئی تکلف نہ کر جائے ایک ایک چیز نہایت اصرار سے آگے بڑھاتی تھیں اور زبردستی کھلائے ہی چلی جا رہی تھیں کہ ”ایک مچھلی کا ٹکڑا اور ایک آدھ گرو اور“ وہ تو کہئے کہ تانگے کی آواز سنکر ہم سب ہی گڑبڑا کر رہ گئے اور مس پال کو بھاگنا پڑا ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ کر۔ ہم نے نہایت احتیاط سے کمرے کا وہ دروازہ بند کر دیا جو اس کمرے میں کھلتا تھا جس میں ہمارے ممدوح جلوہ افروز ہونے والے تھے اور پھر ایک سناٹا سا چھا گیا۔ واقعی اس کمرے سے اس کمرے کا ہر منظر اس قدر صفائی سے نظر آ رہا تھا کہ ہم کو کسی تکلیف دہ زاویئے سے جھانکنے کی ضرورت پیش نہ آئی آرام سے کرسی پر بیٹھے ہم دونوں اس کمرے کی ایک ایک چیز دیکھ رہے تھے کہ یکایک شبو میاں کی وہی زنانی ہنسی سنائی دی جو ان کے نزدیک بڑی دلربا ہنسی ہے کہ خواہ مخواہ کوشش کر کے وہ مہمل ہنسی ہنستے ہیں۔ ہنسی کی اس آواز کے پیچھے پیچھے وہ ایک پشاوری فرغل پہنے ہوئے کینچوے کی طرح بل کھاتے کمرے میں نمودار ہوئے اور بولے مس پال سے کہا ”یہ بھلا کیسے ممکن تھا کہ میں نہ آتا میں تو رات کی یہ ٹرین حاصل کرنے کے لئے کل سہ پہر ہی سے اسٹیشن پر آ گیا تھا“

مس پال نے کہا ”نہیں مجھے ڈر یہ تھا کہ کہیں آپ غریب خانے پر تشریف لانا

http://www.paktunplace.com

اپنی شان کے خلاف نہ سمجھیں۔ بہر حال تشریف تو رکھئے۔ نہ نہ اس صوفے پر نہیں اس پر بیٹھئے اس صوفے کے اسپرنگ خراب ہیں ذرا" اور یہ کہہ کر مس پال نے شبو میاں کو ہمارے بالکل قریب بٹھادیا شبو میاں نے بیٹھتے ہوئے کہا "میں اور آپ کے گھر آنا اپنی شان کے خلاف سمجھوں۔ جی تو چاہتا تھا کہ سر کے بل پہنچوں"

مس پال نے برجستہ کہا "سر کے بل ؟ سر کے بل تو کوچہ رقیب میں جاتے ہیں"

ظاہر ہے کہ یہ بات مس پال کو سمجھائی نہیں گئی تھی مگر کمبخت خود بھی تو بلا کی ذہین ہے اور مقابلہ ہے ان کا جو ایک دم پھڑک اٹھے

"اچھا اچھا وہ مصرعہ ؎

میں کوچہ رقیب میں بھی سر کے بل گیا

اچھا ذرا دونوں ٹوکرے کسی ملازم سے کہہ کر کھلوا لیجئے ورنہ پھل خراب ہو جائیں گے پشاور سے اور کیا لاتا تھوڑے سے پھل لا سکا ہوں اور ایک پشاوری چپل بھی لایا ہوں"

گر قبول افتد زہے عزو شرف

مس پال نے کہا "آپ نے خواہ مخواہ یہ تکلف کیا مجھ کو ان میں سے ہر چیز سے زیادہ خود آپ کے خلوص کی ضرورت ہے شبو میاں آپ کو نہیں معلوم کہ آپ بغیر سوچے سمجھے جو کھیل کھیل رہے ہیں وہ آپ کے لئے بہت امتحانی ثابت ہو گا"

شبو میاں نے کہا "میں ہر آزمائش کے لئے تیار ہوں۔ اور یہ میرا فیصلہ ہے کہ خواہ مجھے ساری دنیا کو چھوڑ دینا پڑے مگر میں آپ کو نہیں چھوڑ سکتا"

مس پال نے کہا "ایسا بڑا بول نہ بولئے۔ آپ کو نہیں معلوم کہ خان بہادر صاحب آپ کی تلاش میں ہیں۔ صاحبزادہ فرحت اللہ خاں کو جواب مل چکا ہے اور اب رعنا لی بی کے لئے آپ ڈھونڈے جا رہے ہیں"

شبو میاں نے کہا "چہ خوش گویا میں ایسا ہی تو فالتو ہوں کہ جب ان کی صاحبزادی کی کہیں شادی نہ ہو سکے تو گھر کی یہ مرغی یاد آئے۔ سوال تو یہ ہے کہ یہ تو دل کا سودا ہے۔ میرے دل میں رعنا کے لئے ذرا کوئی جگہ نہیں"

مس پال نے کہا "یہ مجھے معلوم ہے اگر آپ کے دل میں ان کے لئے کوئی جگہ ہوتی تو میرے لئے اس دل میں جگہ کیونکر نکلتی مگر ایک بات آپ بھول رہے ہیں کہ رعنا کا مطلب ہے خان بہادر صاحب کی پوری دولت"

شبو میاں نے کہا "مگر میں اپنے دل سے مجبور ہوں اور آپ سے درخواست ہے کہ میری میرے سامنے اب کسی رعنا وعنا کا ذکر کبھی نہ کریں"

مس پال نے اسی کمرے میں ان کے لئے ناشتے کا انتظام کر دیا اور ان کو باتوں ہی باتوں میں سمجھا دیا کہ آپ کا یہاں ٹھہرنا خطرناک ہے ممکن ہے کہ کسی کو پتہ چل جائے آپ کسی ہوٹل میں قیام کریں اور ہر سہ پہر کو تشریف لے آیا کریں شبو میاں نے یہ پروگرام پسند کر لیا اور ناشتہ کرنے کے بعد ہی کچھ دیر باتیں کر کے وہ روانہ ہو گئے"

☆

اب ہم سب کا پروگرام یہ ہو گیا کہ چونکہ شبو میاں چار بجے اپنے ہوٹل سے مس پال کے یہاں پہنچ جایا کرتے تھے لہٰذا ہم سب معہ مس پال کے تین بجے ان کے گھر پہنچ جاتے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ یہ تماشہ دیکھتے اس کے بعد وہ اپنے ہوٹل یا کہیں اور آوارہ گردی کے لئے چلے جاتے اور ہم اپنے گھر آجاتے۔ شبو میاں کو مس پال نے حدود سے تو خیر آگے بڑھنے نہ دیا مگر وہ اپنی جگہ مطمئن تھے کہ مس پال اب سولہ آنہ ان کی ہیں۔ ان ملاقاتوں میں اس کمبخت نے بازاری قسم کے عشق کی تو رخ انتہا کر ہی دی تھی مگر رعنا کے اور اپنے چچا خان بہادر صاحب کے متعلق وہ وہ باتیں اس نے مس پال سے کیں کہ رعنا غصے میں کانپ کانپ جاتی تھی مگر چپ رہنے کے لئے مجبور تھی یہ تو خیر وہ کئی مرتبہ کہہ چکے تھے کہ رعنا ان پر جان دیتی ہے اور ان کو رعنا سے ہمیشہ تنفر رہا۔ پھر رعنا کی طرف سے اظہار جذبات کے بے شمار افسانے اور ان کے جواب میں اپنی بے اعتنائیوں کی داستانیں سنا سنا کر اس نے واقعی کان پکا دیئے تھے۔ مگر داد دینا پڑتی ہے مس پال کو جو اس خوبی سے یہ پارٹ ادا کر رہی تھیں کہ کیا کوئی مشاق ممثلہ یہ کردار پیش کرے گی۔ ہماری ہدایت کاری بہر حال محدود تھی اور صورتیں ایسی ایسی بھی پیش آرہی تھیں جن کا وہم و گمان بھی نہ تھا مگر سبحان اللہ کس خوبی سے مس پال یہ منزلیں طے کر رہی تھیں آج تک کوئی موقع ایسا نہ مل سکا کہ مس پال نے اناڑی ہونے کا ثبوت دیا ہو مگر اب ہم کو رعنا کی طرف سے یہ اندیشہ

پیدا ہو گیا تھا کہ یہ کسی دن ایک دم بھڑک نہ اٹھیں اور اگر بھڑک نہ بھی اٹھیں تو ضبط کا ان پر نہایت ناگوار اثر پڑ سکتا تھا ہم نے ان کو لاکھ سمجھایا کہ جب آپ کو مجھ کو اور مس پال کو سب کو یہ معلوم ہے کہ یہ حضرت کیا چیز واقع ہوئے ہیں تو آخر غصہ کس بات کا ہے اس کی احمقانہ باتوں کا تو لطف لینا چاہئے مگر رعنا بھی ٹھیک کہتی تھیں کہ یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی وہ کمبخت بات ایسی کہتا ہے کہ تن بدن میں آگ ہی تو لگ جاتی ہے۔ بہر حال آج جب ہم تینوں تین بجے مس پال کے گھر پہنچے ہیں مس پال کو ہم کو رعنا کو مسلسل سمجھانا پڑا اس لئے کہ آج وہ ہنس ضرور رہی تھیں مگر کچھ زبردستی کی ہنسی تھی ان کو بمشکل گویا ہنسنا پڑ رہا تھا۔ آخر مس پال نے کہا۔ ”دیکھئے نا صاحبزادی غصہ دراصل مجھ کو آنا چاہئے کہ وہ مجھ سے عشق فرما رہے ہیں اور فخر کرنا چاہئے کہ آپ کو کہ آپ سے وہ بیزاری کا اظہار کر رہے ہیں۔ سچ پوچھئے تو میں مری جا رہی ہوں آپ کی بلائیں لے کر“

ہم نے کہا ”مس پال واقعی آپ کو اتنی باتیں بنانا آتی ہیں کہ میں تو حیران ہوں اس روز آپ نے شبو میاں سے کہا کہ سر کے بل تو کوچہ رقیب میں جاتے ہیں میں تو خدا پھڑک اٹھا تھا سنکر“

رعنا نے کہا ”اور اس وقت فرما رہی ہیں کہ میں مری جا رہی ہوں آپ کی بلائیں لے کر“

مس پال نے کہا ”رعنا بی اس میں میرا تو کمال نہیں یہ تو آپ ہی لوگوں میں گھل مل کر کچھ آگیا ہے مجھ کو۔ خیر یہ باتیں تو ہوتی رہیں گی مگر آج جو میں نے ان سے قطعی جواب دینے کا وعدہ کیا ہے اس کا کیا ہو گا“

ہم نے کہا ”دیکھئے مس پال آپ اس کردار کو پیش کرنے میں اپنے ڈائرکٹر کو طاق پر بٹھا چکی ہیں آپ نے خود طے کر لیا ہو گا کہ آپ اس کا کیا جواب دیں گی یہ محض

آپ کی خاکساری ہے کہ آپ ہم لوگوں سے پوچھ رہی ہیں۔ اچھا واقعی بتایئے آپ نے کیا طے کیا ہے"

مس پال نے کہا" میں آپ سے سچ کہتی ہوں میں پہلے سے کچھ طے نہیں کرتی اسی وقت جو سمجھ میں آتا ہے کہہ دیتی ہوں مگر ان حضرت سے اتنی مرتبہ مل کر میری یہ رائے ضرور ہو گئی ہے کہ ان کو بیوقوف بنانے میں کسی خاص محنت یا ذہانت کی ضرورت بھی نہیں ہے وہ خدا کے فضل سے اتنے پیٹ بھر کر بیوقوف ہیں کہ جو چاہئے ان سے کہہ دیجئے۔ اچھا یہ بتایئے کہ وہ جو سینما لے جانے کے لئے کہہ رہے ہیں"

ہم نے کہا" یہ حضرت آپ ضرور منظور کر لیجئے اس دعوت کا پروگرام میں طے کر چکا ہوں بڑا لطف آئے گا کہ یہ حضرت تماشہ دیکھنے جائیں گے اور خود تماشہ بن کر رہ جائین گے"

رعنا نے کہا"آخر طے کیا کیا ہے"

ہم نے کہا" یہ دونوں تو ادھر سے جائیں گے اور ہم دونوں گویا بے خبری میں وہاں پہنچ جائیں گے اور مس پال ہم کو دیکھ کر شبو سے کہیں گی کہ اب پھوٹا بھانڈا اور اب مجھ کو بھی چھپاؤ اور خود بھی چھپو۔

رعنا نے سمجھ کر کہا" اچھا۔ اچھا گویا صرف مس پال ہم کو دیکھ لیں گی اور شبو کو دکھا دیں گی مگر ہم دونوں ان کو نہ دیکھیں گے"

مس پال نے ایک قانونی نکتہ نکالا۔ "مگر یہ تو غلط ہے اس لئے کہ شبو میاں کو یہ بتایا جا چکا ہے کہ آپ دونوں کی نسبت چھوٹ چکی ہے پھر یہ ساتھ ساتھ گھومنا کیسا؟"

ہم نے کہا" یہی بات تو آپ شبو میاں کو سمجھائیں گی کہ دیکھئے خان بہادر

صاحب نسبت چھوڑا چکے ہیں اور یہ دونوں اس طرح چوری چھپے مل رہے ہیں"

ہم لوگ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی اور مس پال نے لپک کر اس کمرے کا دروازہ بند کرتے ہوئے اس کمرے کا دروازہ کھول دیا جس میں شبو میاں اپنے مقررہ صوفے پر سدھے ہوئے جانور کی طرح آ کر خود ہی بیٹھ جایا کرتے تھے۔ چنانچہ شبو میاں آج شیروانی اور چوڑی دار پاجامے میں جیسے ہی تشریف لائے مس پال نے تیوریوں پر بل ڈال کر کہا" توبہ توبہ یہ لباس کس نے کہا تھا آپ سے پہننے کو ایک تو عجیب چیز معلوم ہوتے ہیں آپ دوسرے یہ لباس تو کسی پر اچھا معلوم ہوتا ہے۔ آپ تو مجھے میرے محلے میں بدنام کر دیں گے کہ اللہ جانے ان کے پاس کون سازندہ آیا کرتا ہے"

اور ہم نے دیکھا کہ شبو میاں جو بڑے جامہ زیب بن کر آئے تھے جیسے کچھ جھ کر رہ گئے اور صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا" تو گویا آپ کا خیال یہ ہے کہ مجھ پر انگریزی کپڑے اچھے لگتے ہیں"

مس پال نے بڑی سنجیدگی سے کہا" اچھے تو خیر وہ بھی نہیں لگتے مگر ہاں اس لباس سے پھر بھی غنیمت نظر آتے ہیں اور یہ آپ نے سرمہ لگایا ہے اتنا۔ ہاں یہ البتہ میری آنکھوں میں خاک بہت اچھا معلوم ہوتا ہے سرمہ آپ ہمیشہ کیوں نہیں لگاتے"

شبو میاں نے کچھ خوش ہو کر کہا" بات یہ ہے کہ رات نیند نہ آ سکی اور صبح سے آنکھیں کھٹک رہی تھیں اس لئے لگا لیا سرمہ"

مس پال نے بڑے کافرانداز سے کہا" تو کیا آپ کو بھی نیند نہیں آئی"

شبو میاں اور بھی خوش ہو گئے۔ یعنی آپ کس سلسلے میں بیدار رہیں"

شبو میاں نے بڑے محققانہ انداز سے فرمایا" اچھا وہ گانا۔ نندیا بیرن بھئی"

مس پال نے برجستگی سے کہا" بھئی اللہ اتنی سمجھداری کی باتیں نہ کیا کرو

اپنوں کی بھی نظر لگ سکتی ہے“

شبو میاں نے صوفے کی بالکل کگر تک کھسکتے ہوئے کہا” اچھا تمہیں میری قسم یہ بتاؤ کہ تم کیوں جاگتی رہیں“

مس پال نے گویا شرمندہ ہو کر اور پیمائش داماں میں مصروف ہو کر کہا” جان بوجھ کر پوچھتے ہیں۔ بڑے اچھے معصوم ہیں بیچارے خود ہی آنکھوں کی نیند چرائی اور خود ہی یہ باتیں پوچھتے ہیں“

شبو میاں نے کہا” اچھا آج تم نے مجھ کو قطعی جواب دینے کا وعدہ کیا تھا سوال یہ ہے کہ ہم دونوں ان تمام قربتوں کے باوجود اتنے دور کب تک رہیں گے۔ کاش تم کو معلوم ہوتا کہ میں امید وبیم کی کس کشمکش سے گذر رہا ہوں“

مس پال نے کہا” جو بات میں کہنے والی ہوتی ہوں وہ تم پہلے ہی سے کہہ جاتے ہو۔ امید وبیم کا عالم تو مجھ پر گذر رہا ہے کہ نہ جانے میری قسمت میں کیا لکھا ہے۔ خان بہادر صاحب برابر تم کو تلاش کر رہے ہیں اور ان کا خیال یہ ہے کہ جیسے ہی تم مل گئے نکاح پڑھوا دیں گے فوراً رعنا سے اس حالت میں مجھ سے کوئی قطعی جواب تم کو کیا مل سکتا ہے“

شبو میاں نے کہا” تم کو مجھ پر اعتبار نہیں۔ بھئی اسی لئے تو میں کہہ رہا ہوں کہ خواہ اپنے طریقے پر خواہ میرے طریقے پر خواہ عدالت میں جس طرح چاہو نکاح پڑھوا لو اس کے بعد خان بہادر صاحب کی تمام خان بہادری دھری رہ جائے گی میں اگر ان کو ملا بھی تو شادی شدہ ملوں گا پھر وہ کیا کریں گے“

مس پال نے کہا” پھر بھی سب کچھ ہو سکتا ہے تم کو مجبور کیا جا سکتا ہے کہ تم مجھ کو چھوڑ دو۔ دولت کی چمک دکھا کر تم کو اپنایا جا سکتا ہے لاٹھی مارے پانی جدا نہیں ہوتا تم پھر ایک ہو جاؤ گے اور میں نہ دین کی رہوں گی نہ دنیا کی“

شبو میاں نے لاجواب ہو کر کہا” میں تم کو کیسے یقین دلاؤں کہ تمہارا یہ شبہ غلط ہے۔ تم مجھ سے چاہے جیسی قسم لے لو کہ یہ ہرگز نہ ہوگا۔ میں تمہارا ہوں اور تمہارا ہی رہوں گا“

مس پال نے کہا” میں جانتی ہوں کہ تم سچ کہہ رہے ہو مگر بعد کے حالات تم کو مجبور بھی کر سکتے ہیں“

شبو میاں نے کہا” اچھا تو ہم دونوں شادی کر کے کہیں باہر چلے چلیں“

مس پال نے آمادگی ظاہر کرتے ہوئے کہا” ہاں یہ مانا کہ ہنی مون پیرس میں منایا جائے“

شبو میاں گھبرا گئے ” ایں کیا کہا؟ پیرس یعنی ولایت۔ وہاں کا تو کرایہ بہت ہو گا“

مس پال نے بتاتے ہوئے کہا” تو کیا تمہارا مطلب یہ ہے کہ چھانگا مانگا یا میاں منوں چلے چلیں“

اور ادھر ہم دونوں نے بمشکل ہنسی ضبط کی شبو میاں نے کہا” میں کراچی تک جانے کا انتظام تو کر سکتا ہوں“

مس پال نے کہا” اور وہاں سے واپسی کا انتظام خود خان بہادر صاحب کر دیں گے یہ غلط ہے جانا ہی ہے تو اس ملک سے باہر جائیں گے ورنہ میرا آخری فیصلہ یہ ہے کہ جب تک رعنا کی شادی کہیں نہیں ہوتی یہ خطرہ ہرگز مول نہ لوں گی“

شبو میاں نے کہا” کمال کر رہی ہو تم۔ رعنا ایسی بدنام لڑکی سے اب کون کرے گا شادی“

اور رعنا کو ایک دم جلال آیا مگر ہم نے اس کو اشارے سے پھر خاموش کیا۔

مس پال نے کہا“

http://www.paktunplace.com

”خیر یہ تو غلط ہے اس کے باپ کی عزت اور اس کی دولت سلامت ہے تو ہزار امیدوار مل جائیں گے بہر حال میرا فیصلہ یہی ہے اس کا میں تم کو یقین دلاتی ہوں کہ میں اب تمہارے سوا کسی کی نہیں ہو سکتی۔ بشرطیکہ مجھ کو یہ یقین ہو جائے کہ تم میرے سوا کسی کے نہ ہو گے اور یہ یقین رعنا کی شادی سے پہلے نہیں ہو سکتا“

شبو میاں نے کہا ”تم پھر غور کر لو میرے خیال میں تو تمہارا یہ شبہ غلط ہے“

مس پال نے اس مسئلہ کو زیادہ بڑھانا مناسب نہ سمجھا اور ان کو چائے میں الجھا کر سینما کا ذکر چھیڑ دیا اور آخر یہ طے ہو گیا کہ کل شام کو سینما دیکھا جائے گا۔ چائے کے بعد سینما کا وعدہ لے کر وہ حضرت تو رخصت ہو گئے اور ہم نے واقعی آج دل کھول کر مس پال کو ان کی کامیاب اداکاری اور خواب صورت مکالموں پر داد دی مگر رعنا کا پارہ آج پھر چڑھا ہوا تھا لہٰذا ہم کو اور مس پال کو انہیں الگ سمجھانا پڑا۔

* * *

مس پال سے دن میں طے ہو گیا تھا کہ وہ کس پکچر ہال میں جائیں گی چنانچہ وہ تو حسب معمول اپنے گھر روانہ ہو گئیں اور ہم دونوں بالا بالا سینما پہنچنے کی تیاریاں کرنے لگے اور سینما کے وقت پر ہم دونوں جس وقت پہنچے ہیں غالباً مس پال اور ان کے پالو ابھی تک نہیں آئے تھے مگر چونکہ مس پال سے طے ہو چکا تھا کہ سب کس درجے میں بیٹھیں گے چنانچہ اسی درجے کے وہ ٹکٹ لے کر ہم دونوں جا کر بیٹھ گئے ابھی ہم کو وہاں بیٹھے مشکل سے دس منٹ ہوئے ہوں گے کہ یہ دونوں بھی پہنچ گئے اور مس پال نے ایک ہی نظر میں ہال کا جائزہ لے کر ہم دونوں کو دیکھ لیا اور عین ہمارے مقابل آ کر معہ شبو میاں کے بیٹھ گئیں۔ ہماری اور ان کی نشستوں کا درمیانی فاصلہ اتنا زیادہ نہ تھا کہ ہم ان کی باتیں نہ سن سکتے البتہ اگر سرگوشیاں ہوں تو بات ہی دوسری ہے۔ شبو میاں نے بیٹھتے ہی اپنا پائپ نکال کر سلگایا جو غالباً مس پال کو مرعوب کرنے کے لئے خریدا گیا تھا اور جو آپ کے منہ میں اس حلیہ کے ساتھ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا ابھی کسی برات کے جلوس میں کارنٹ جا کر تشریف لائے ہیں۔ آپ نے پائپ کا دھواں نہایت بیہودگی سے ادھر ادھر منتشر کر کے مس پال سے پوچھا ”کچھ چائے آئس کریم وغیرہ“

مس پال نے کہا ”جی نہیں شکریہ۔ مگر یہ آپ کو باکس کا ٹکٹ لینے کی کیا سوجھی تھی“

شبو میاں نے اپنے دونوں پیر اگلی کرسی پر رکھتے ہوئے کہا ”کچھ نہیں البتہ وہاں ذرا تنہائی رہتی ہے اور کسی کی مداخلت کا ڈر نہیں ہوتا اب یہاں ہر ایک دیکھ سکتا ہے“

مس پال نے کہا ”ایسا ہی سب کے دیکھنے کا ڈر تھا تو برقع پہن کر تشریف لائے ہوتے آپ۔ اور کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ آپ تنہائی کیوں چاہتے تھے؟“

شبو میاں نے کہا ”جی وہ تنہائی تو گویا۔ یعنی بس یوں ہی ذرا بے تکلف بیٹھ سکیں گے“

مس پال نے کہا ”تو یہاں آپ کونسا تکلف برت رہے ہیں ذرا پائے مبارک دیکھئے کہاں ہیں“

شبو میاں نے جلدی سے ٹانگیں سیدھی کرتے ہوئے کہا ”وہ تخلیہ کی بات نہیں ہوتی نا یہاں“

مس پال نے کہا ”آپ کو تو کسی بات کا اندازہ ہی نہیں ہوتا۔ آپ جس وقت باکس مانگا ہے ٹکٹ دینے والے نے ہم دونوں کو بڑی مشکوک نظروں سے دیکھا تھا۔ آپ آئندہ اس قسم کی شک شبے والی باتیں نہ کیا کیجئے آپ کا کیا جائے گا بدنام تو میں ہوں گی اور آخر آپ سچ سچ یہ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ آپ خان بہادر صاحب کے یہاں کے لوگوں سے ڈرتے ہیں کہ کہیں وہ آپ کو میرے ساتھ دیکھ نہ لیں اسی لئے باکس میں چھپ کر بیٹھنا چاہتے تھے“

شبو میاں نے کہا ”لاحول ولا قوۃ“ خدا آپ کا یہ خیال غلط ہے۔ مجھے کونسا ڈر پڑا ہے خان بہادر صاحب کا وہ خان بہادر ہوں گے تو اپنے گھر کے ہوں گے۔ ڈروں تو جب اگر مجھے ان کی لڑکی لینا ہو یا ان کی دولت ہتھیانا ہو ان کے گھر کا کوئی آدمی کیا معنی اگر وہ خود بھی مجھے دیکھ لیں تو بھی مجھے پروا نہیں ہے۔“

مس پال نے بات اور پکی کرنے کے لئے کہا ”جی اور کیا ابھی کوئی نظر آجائے ان کے گھر کا آدمی تو پھر دیکھوں میں آپ کی بہادری“

شبو میاں نے کہا ”خدا یہ بات نہیں ہے آپ دراصل مجھے جانتی نہیں کہ میں کس قسم کا آدمی ہوں“

اتنے میں ایک چاکلیٹ والا اپنی ٹرے لئے ہوئے سامنے سے گذرا اور شبو میاں نے ایک بغیر پوچھے متعدد پیکٹ چاکلیٹ کے لے کر مس پال کے حوالے کر دیئے۔ اسی وقت ہال کی روشنی غائب ہو گئی اور پکچر شروع ہو گئی۔ پکچر شروع ہوئے ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ مس پال نے اپنا ہاتھ پیچھے بڑھا کر چاکلیٹ کے کچھ پیکٹ رعنا کی گود میں اچھال دیئے وہ ایک دم حیران رہ گئیں کہ یہ کیا گرا ہے مگر ہم نے ان کے کان میں کہا ”مال غنیمت ہے۔ بٹوارہ کرو فوراً“

چنانچہ دو پیکٹ ہمارے حصے میں بھی آئے اور ہم چاکلیٹ پکچر اور اس تماشے کا ایک ساتھ مزا لیتے رہے۔ ہم نے اس خیال کے آتے ہی پھر رعنا کے کان میں کہا ”ایک ٹکٹ میں تین مزے پکچر چاکلیٹ اور شبو میاں“

رعنا نے ہم کو چپ رہنے کا اشارہ کیا اور ہم پکچر دیکھتے رہے۔ خدا جانے یہ شبو میاں کی نحوست تھی یا کیا کہ اتنی لغو تصویر آج تک نظر سے نہیں گذری تھی ابھی ہم تصویر دیکھنے میں مصروف تھے کہ مس پال کی آواز آئی ” آخر آپ مجھے کیوں سمجھا رہے ہیں میں خود تصویر دیکھنا جانتی ہوں اور کسی مترجم کی ضرورت کبھی پیش نہیں آئی مجھے “

یہ بات ہر چند کہ نسبتاً آہستہ کہی گئی تھی تاکہ دوسرے بے گناہ تماشائی بور نہ ہوں مگر چونکہ ہمارے کان اسی طرف لگے ہوئے تھے لہٰذا ہم نے یہ بات بھی سن لی اور پھر شبو میاں کا سنبھل کر الگ ہٹنا بھی دیکھ لیا وہ غالباً مس پال کو تصویر کا مفہوم سمجھانے کے لئے اس کے بہت ہی قریب آگئے تھے اور وہ غالباً اس قرب سے بیزار تھی ورنہ اس بری طرح نہ جھڑکتی۔ اسی طرح تصویر کا نصف حصہ ختم ہو گیا اور

انٹرول میں ہال پھر روشنی سے جگمگا اٹھا۔ ہال کے روشن ہوتے ہی تماشائیوں نے اپنی اپنی جگہ سے اٹھنا شروع کیا اور جب یہ فضا پھر سکون پہ آئی تو مس پال نے ایک دم ہلکی سی چیخ ماری۔ غضب ہو گیا فرحت میاں اور رعنالی بی“

شبو میاں ایک دم جیسے سٹپٹا گئے ہوں ”خواہ مخواہ بھی“

مس پال نے ذرا آواز دبا کر کہا ”تمہاری قسم دونوں بیٹھے ہیں پچھلی نشستوں پر“

شبو میاں نے گھبرا کر کہا ”اب کیا ہو گا“

مس پال نے کہا ”کچھ نہیں بس چپکے بیٹھے رہو خبردار اٹھنا نہیں ورنہ پہچانے جاؤ گے“

شبو میاں نے بڑی تشویش سے کہا ”اور جو انہوں نے پہلے ہی دیکھ لیا ہو تو“

مس پال نے کہا ”تو آخر تم کیوں گھبرا رہے ہو گھبرانا تو مجھ کو چاہئے جس کی روزی کا قصہ ہے۔ فرحت میاں نے دیکھ لیا مجھے تمہارے ساتھ تو بھلا میں رہ سکتی ہوں ان کے یہاں نکال باہر کریں گے۔ ڈرنا مجھے چاہئے اور ڈر رہے ہیں جناب“

شبو میاں نے گھبرا کر کہا ”ڈر نہیں رہا ہوں مگر ذرا مصلحتاً یہ نہیں چاہتا کہ وہ مجھے یہاں دیکھیں“

مس پال نے کہا ”اچھا تو گویا اب مصلحت یاد آئی۔ میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ خان بہادر صاحب نے یا ان کے گھر کے کسی آدمی نے آپ کو اگر دیکھ لیا تو ساری قلعی کھل جائے گی حضور کی“

شبو میاں نے زبردستی اپنے کو سنبھال کر کہا ”خدا میں ان سے ڈرتا نہیں ہوں دیکھ لیا ہے تو دیکھ لیں میری بلا سے۔ لیکن اگر نہیں دیکھا ہے تو اچھا یہی ہے کہ نہ دیکھیں“

مس پال نے کہا ”تو گویا ڈرتے نہیں آپ کسی سے یہی بات۔ ہے تو اٹھ کر ملئے نا فرحت میاں سے“

شبو میاں نے کہا ”خواہ مخواہ بھی آبیل مجھے مار“

مس پال نے کہا ”مگر یہ آپ دبے کیوں جا رہے ہیں اپنے کو سمیٹے کیوں لیتے ہیں‘

شبو میاں نے اب دوسرا رخ اختیار کیا ”خدا میں نہیں چاہتا کہ تمہاری بدنامی ہو ورنہ مجھے کیا پروا ہو سکتی ہے کسی فرحت یا کسی رعنا کی“

مس پال نے کہا ”اب تو بدنامی کا مجھے بھی ڈر نہیں دوسرے میرا خیال یہ ہے کہ وہ دونوں ہم دونوں کو غالباً دیکھ چکے ہوں گے اس لئے زیادہ اچھا یہی ہے کہ ہم بجائے چھپنے کے خود کیوں نہ مل لیں تاکہ ہماری نیت کی طرف سے کوئی شبہ نہ ہو سکے ان کو“

شبو میاں نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا ”نہیں نہیں ایسا غضب بھی نہ کرنا خواہ مخواہ کے لئے فضیحتہ ہو جائے گا بس چپکی بیٹھی رہو“

مس پال نے کہا ”یہی تو میں کہہ رہی تھی کہ آپ کو دراصل ان میں سے کسی پر یہ ظاہر کرنا نہیں چاہئے کہ آپ کو مجھ سے کوئی دلچسپی ہے۔ بات یہ ہے نا کہ ادھر بھی تو امید بندھی ہوئی ہے“

شبو میاں نے کہا ”خدا یہ بات نہیں ہے آپ کے سر عزیز کی قسم سہ بار۔ نہیں ہے مس پال“

مس پال نے کہا ”جھوٹی قسمیں کھانے کے لئے میرا ہی فالتو سر آپ کو ملا ہے اب تو یہ بات بالکل کھل گئی نا کہ آپ کتنا ڈرتے ہیں ان لوگوں سے“

شبو میاں نے پھر سمجھاتے ہوئے کہا ”بھئی میں اپنے لئے نہیں تمہارے لئے ڈرتا ہوں“

مس پال نے کہا ”میرے لئے ڈرنے کی کیا بات ہے جب آپ مجھ سے شادی ہی کرنے والے ہیں تو پھر مجھے اس ملازمت کی پروا کیوں ہو اور ملازمت کے علاوہ

میرا ان کا کوئی رشتہ بھی نہیں ہے آپ سے البتہ کچھ رشتے ہیں کچھ مزید رشتے آپ چاہتے ہیں کہ اب ہو جائیں"

شبو میاں نے تقریباً رو دینے کے انداز سے کہا "اللہ جانتا ہے یہ بات نہیں۔ میں ببانگ دہل آپ سے شادی کرنے کو تیار ہوں مجھے کسی کی پروا نہیں میں کسی سے نہیں ڈرتا"

مس پال نے کہا "بس تو پھر ٹھیک ہے آؤ ہم دونوں ان دونوں سے ملیں اور اگر ان میں سے کوئی پوچھے کہ ہم دونوں ساتھ ساتھ کیسے تو صاف کہہ دیں گے کہ ہم تو زندگی کے ساتھی بن رہے ہیں یہ ساتھ کیا معنی"

شبو میاں نے پھر گھبرا کر کہا "نہیں ابھی نہیں یہ موقع نہیں ہے اس اعلان کا"

مس پال نے اٹھنے کے لئے پر تولتے ہوئے کہا "خیر آپ کو اختیار ہے مگر میں کیوں خواہ مخواہ چور بنوں میں تو ملے لیتی ہوں ان دونوں سے"

شبو میان نے گھبرا کر مس پال کا ہاتھ پکڑ لیا "للہ یہ غضب نہ کیجئے اس وقت آپ کی اس جلدبازی کی وجہ سے اختلاج سا ہو رہا ہے"

مس پال نے کہا "جی اور کیا میری جلدبازی سے اختلاج ہو رہا ہے یا اس وجہ سے ہو رہا ہے کہ اگر رعنا بیگم نے آپ کو میرے ساتھ دیکھ لیا تو پھر آپ کا کیا حشر ہو گا"

اب شبو میاں جز ہو رہے تھے، بھئی استغفر اللہ آپ کو تو جیسے اس نازک موقع پر کچھ ضد سی ہو گئی ہے"

مس پال نے کہا "جی ہاں ضد ہو گئی ہے اور ضد کی وجہ صرف یہ ہے کہ اگر آپ کو رعنا سے کوئی مطلب نہیں ہے تو پھر یہ ڈر کیا معنی آپ بقول اپنے قطع تعلق ہی کر چکے ہیں تو پھر آخر لحاظ کس بات کا ہے یہی نا کہ آپ کو اب تک کچھ امیدیں باقی ہیں"

شبو میاں نے گھبرا کر اپنا ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا "دیکھئے خدا ہاتھ پیر

ٹھنڈے ہو گئے ہیں"

مس پال نے کہا "حضور ویسے تو میں پسینہ بھی دیکھ رہی ہوں آپ کی جبین پر"

یہ قصہ ابھی اور طول کھنچتا مگر ہال میں پھر اندھیرا ہو گیا اور مس پال کو چپ ہو جانا پڑا غالباً اس اندھیرے کو شبو میاں نے اپنے لئے غنیمت ہی سمجھا ہو گا وہ کچھ اور بھی بولے مگر اس قدر آہستہ کہ ہم کچھ سن نہ سکے۔ اور اس کے بعد بالکل خاموشی طاری ہو گئی تصویر کے پچھلے نصف کی طرح نہ اب شبو میاں نے مس پال کی طرف بڑھنے کی فکر کی نہ کوئی سرگوشی فرمانے کا ارادہ کیا بت کی طرح نہایت خاموشی سے بیٹھے تصویر دیکھتے رہے اور تصویر کے ختم ہونے کے بعد بھی جب روشنی ہوئی اور مس پال نے اٹھنا چاہا تو ان حضرت نے اپنے چسٹر کا کالر الٹ کر اپنا منہ زیادہ سے زیادہ چھپاتے ہوئے مس پال کا دامن پکڑ کر بٹھاتے ہوئے پھر کچھ چپکے سے کہا "غالباً مطلب یہ ہو گا کہ ہم دونوں پہلے جائیں۔ چنانچہ ہم دونوں نہایت خاموشی سے اٹھ کر ہال کے باہر آ گئے پھر خدا جانے مس پال اور شبو میاں کب نکلے۔ رعنا نے ہال کے باہر آ کر کہا"

"آج تو مس پال نے واقعی اس بیوقوف کو اختلاج کرا دیا"

ہم نے کہا "آج پہلی مرتبہ مس پال کچھ اوور ایکٹنگ کر گئیں مگر خیر اتنی اور بھی نہ تھیں جتنے ہمارے فلمی اداکار ہو جایا کرتے ہیں مگر لطف آ گیا آج"

رعنا نے کہا "مس پال کو یہ سمجھانے کی ضرورت ہے کہ زیادہ اکھڑی باتیں نہ کیا کریں"

ہم نے بھی اس کی تائید کی اس لئے کہ شبو میاں کو ڈرانا دھمکانا نہیں، بلکہ پیار محبت سے چھیڑنا مقصود ہے۔

* * *

سچ کہا ہے کسی نے کہ مصیبت ہمیشہ بغیر اطلاع کے نامعلوم راستوں سے آیا کرتی ہے چنانچہ ہمارے یہاں آج جو مصیبت آئی ہے اس کی نوعیت بھی کچھ اسی قسم کی ہے۔ والدہ صاحبہ کے برادر عزیز ایک دن یکایک معہ اہل و عیال یعنی معہ ممانی صاحبہ اور ٹلی نجو کے آموجود ہوئے۔ والد صاحب کا تو پوچھنا ہی کیا ان کا تو ایک رنگ آرہا تھا اور ایک رنگ جا رہا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کریں تو کیا کریں۔ بظاہر ان مہمانوں سے خندہ پیشانی کے ساتھ بھی پیش آرہے تھے اور دانت بھی پیستے پھرتے تھے۔ آخر جب ماموں صاحب قبلہ ضروریات سے فارغ ہونے اندر تشریف لے گئے تو والد صاحب نے ہمارے کمرے میں آکر تقریباً رو دینے کے انداز سے کہا“

”بنا بنایا کھیل بگڑ گیا نا۔ یقیناً اس حرامزادی نے بعد میں بھی خطوط بھیجے ہوں گے اور ہمارے تار والے جھوٹ کا پول بھی کھول دیا ہوگا۔ ابھی تک تو اس کا کوئی ذکر نہیں آیا ہے مگر میں دعوے سے کہتا ہوں کہ یہی بات ہے“

ہم نے کہا ”یہ بات ہو یا نہ ہو مگر اب تک نہیں کھلا ہے تو اب کھل جائے گا یہ جھوٹ“

والد صاحب نے کہا ”جھوٹ کھل جائے تو کھل جائے۔ میں تو صاف کہہ دوں گا کہ میں نے یہ تار دلوا دیا تھا اور اس لئے دلوایا تھا کہ جس نسبت پر آپ لوگ اڑے ہوئے ہیں اس سے صبر کرلیں اس لئے کہ میں کسی قیمت پر بھی یہ رشتہ نہ ہونے دوں گا“

ہم نے کہا ”مگر اس کا نتیجہ بدنامی کے سوا اور کیا ہوگا۔ ماموں جان کو آپ جانتے ہیں وہ ڈھنڈورہ پیٹ دیں گے ہماری اصلیت کا اور ہم جو بڑے خاندانی نواب بنے بیٹھے ہیں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہ جائیں گے“

والد صاحب نے کہا ”جو کچھ قسمت میں لکھا ہے وہ ہو کر رہے گا مگر میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہارے ماموں کی لڑکی میری بہو نہیں بن سکتی۔ نہیں بن سکتی میں تمہارے لئے کوئی مہترانی بیاہ لاؤں کوئی چمارن اٹھا لاؤں مگر یہ لڑکی قیامت تک اس گھر میں بیاہ کر نہیں آسکتی اور دوسری بات یہ بھی سن لو کہ اگر تمہاری ماں نے ذرا بھی تین پانچ کی تو اپنے باپ کی اولاد نہ سمجھنا مجھے اگر اس حرامزادی کو فارغ خطی لکھ کر نہ دیدی ہو۔ بڑی اپنے بھیا پر پھولی ہوئی ہے سالے کو سر بازار وہ جوتیاں لگوائی ہوں کہ یاد کرے وہ بھی“

یہ سالا جو گالی کے طور پر استعمال ہوا ہے اتفاق سے واقعہ بھی تھا۔ ہم اس سلسلے میں والد صاحب کو کچھ سمجھانا ہی چاہتے تھے کہ مس پال نے آکر ہم سے کہا ”آپ کو آپ کی آنٹی کیا کہتے ہیں انہیں ممانی۔ جی ہاں آپ کی ممانی بلا رہی ہیں“

ہم نے مس پال کو ٹال کر خود بھی یہاں ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا اور اپنے کمرے سے نکل کر ملا کی دوڑ مسجد تک کے مصداق خان بہادر صاحب کی طرف ہو لئے مگر اس خیال سے ہم کو راستے ہی سے لوٹنا پڑا کہ اب کس منہ سے وہاں جا رہے ہیں آج ہی کل میں ہمارا پول کھل جائے گا اور کس قدر صدمہ ہوگا رعنا کو جب وہ یہ سنے گی کہ جس کو وہ نہ جانے کیا سمجھ رہی تھی وہ نائی ہونے کے علاوہ کس قدر پست انسان بھی ہے کہ اب تک اپنی اصلیت کو چھپائے رہا۔ ہم ان ہی خیالات میں الجھے ہوئے خان بہادر صاحب ہی کے کمپاؤنڈ سے گذر کر سڑک پر ہو لئے اور بے خیالی میں شملہ پہاڑی تک ٹہلتے چلے گئے۔ سچ پوچھئے تو اب ہمت نہ ہوتی تھی رعنا کے سامنے جانے کی معلوم ہوتا تھا کہ جو بھید رعنا پر کچھ دن بعد کھلے گا وہ ہم پر آج ہی کھل گیا ہے۔ ہم

http://www.paktunplace.com

http://www.paklinkplace.com

اپنی نظروں سے خود گر چکے تھے اور آج یہ احساس شدت سے تکلیف دہ بنا ہوا تھا کہ ہم نے آخر رعنا سے اپنی اصلیت چھپائی ہی کیوں اور اگر یہ کوئی چھپانے کی چیز تھی تو رعنا سے یہ تعلقات اس حد تک بڑھانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ ہم نے اس معصوم کو دھوکہ دیا ہے۔ وہ کیسے یقین کرے گی کہ ہم اتنے دغاباز بھی ہو سکتے ہیں۔ مگر ساتھ ہی ساتھ ایک خیال یہ بھی آیا کہ اب آخر ہم دیر کیوں کر رہے ہیں یہ خبر کسی نہ کسی طرح تو اس کو ہو ہی جائے گی کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ ہم ہی ہمت سے کام لیں اور خود رعنا کے سامنے اعتراف کر لیں کہ ہم کیا ہیں۔ ظاہر ہے کہ اب یہ کام ہمارے لئے آسان نہ تھا مگر ہماری زیادتی کا اگر کفارہ تھا تو صرف یہی، ہم کو بہادری سے کام لے کر اس امتحان سے گذرنا ہی تھا اور رعنا کے سامنے سچ بولنا تھا۔ کہتے ہیں سانچ کو آنچ نہیں کیا عجب ہے کہ رعنا پر ہمارا یہ سچ اثر کر جائے اور وہ ان نسلی اعتبارات کی قائل نہ ہو۔ یہ خوش فہمی دیرپا ثابت نہ ہوئی اور فوراً یہ خیال بھی آیا کہ رعنا اگر اتنی وسیع النظر بھی نکلی تو بھی خود خان بہادر صاحب کا کیا ٹھیک ہے وہ کیونکر گوارا کریں گے کہ ان کی بیٹی ایسے خاندان میں جائے اور ان کا داماد ایک نائی بنے۔ مگر اس کے معنی یہ تو نہیں ہو سکتے ہیں کہ ہم چور بنے اب بھی بیٹھے رہیں جتنا جتنا غور کیا یہی بات سمجھ میں آئی کہ جو سچ ہماری بزدلی اب تک نہ بول سکی وہ سچ بولنے میں ہم کو اب دیر نہ کرنا چاہئے اور قبل اس کے یہ راز کسی اور ذریعہ سے افشا ہو ہم کو کم سے کم رعنا پر اپنی اصلیت ضرور ظاہر کر دینا چاہئے یہ خیال اتنی تاخیر سے ضرور پیدا ہوا تھا مگر اب بھی بعد از وقت نہ تھا شکر ہے کہ اب تک نکاح یا منگنی وغیرہ کی نوبت نہ آئی تھی ورنہ اس دغا بازی پر مہر ثبت ہو جاتی۔ سلسلہ خیال تو خدا جانے کہاں سے کہاں جا پہنچا مگر ہم نے یہ طے کر لیا کہ آج اور اسی وقت ہم کو جان پر کھیل کر رعنا پر یہ راز ضرور کھولنا ہے چنانچہ ایک عزم کے ساتھ ہم پھر لوٹے اور خان بہادر صاحب کی کوٹھی پہنچ کر رعنا کے کمرے میں آ کر دم لیا۔ رعنا اس وقت مطالعہ میں مصروف تھی ہم کو دیکھ کر اس نے کتاب رکھدی اور اپنی اسی معصوم یگانگت کے ساتھ کہا۔

”آج تو بہت سے مہمان آگئے آپ کے گھر“

ہم نے کہا ”جی ہاں عزیز ہیں اپنے۔ ماموں جان اور ان کے بال بچے آئے ہیں ہندوستان سے“

رعنا نے کہا ”ہندوستان سے؟ پھر تو بڑی خوشی کی بات ہے کہ بچھڑے ہوئے ملے۔ مگر آپ تو کچھ متفکر سے معلوم ہوتے ہیں“

ہم سچ بولنے پر تلے ہوئے ہیں ”جی ہاں میں متفکر ہوں۔ مہمانوں کی وجہ سے نہیں بلکہ ایک اور وجہ ہے“

رعنا بھی متفکر ہو گئی اور ہم شرم سے گڑ گئے کہ یہ معصوم لڑکی ہمارے لئے متفکر ہو رہی ہے اس نے واقعی بڑی تشویش سے پوچھا ”کیا بات ہے آخر“ ”خیریت تو ہے“

ہم نے کہا ”مجھے نہیں معلوم کہ خیریت ہے یا نہیں اس کا فیصلہ آپ سے گفتگو کرنے کے بعد ہوگا“

رعنا نے تشویش انگیز حیرت سے کہا ”مجھ سے گفتگو کرنے کے بعد؟ تو کیجئے نا گفتگو یہاں کوئی نہ آئے گا“

ہم نے کہا ”آج میں تم سے بہت ہی سطحی باتیں کرنا چاہتا ہوں اس لئے کہ ان ہی باتوں پر تمام تر دارومدار ہے۔ میں بغیر کسی تمہید کے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اس حد تک میرے قریب آچکنے کے بعد اگر یکایک تم کو معلوم ہو کہ جو کچھ میں نظر آرہا تھا وہ نہیں ہوں اس سے پست بہت ہی پست اور تمہارے معیار سے قطعاً گرا ہوا ایک انسان ہوں تو اس کا ردعمل تم پر کیا ہوگا“

رعنا نے بھولپن سے کہا ”میں سمجھی نہیں آپ کا مطلب۔ آپ مجھے ڈرا کیوں رہے ہیں جو کہنا چاہتے ہیں صاف صاف کہہ دیجئے گا“

ہم نے کہا "میں صاف ہی بات کر رہا ہوں کہ اگر تم کو یہ معلوم ہو کہ جن بلندیوں پر تم مجھ کو دیکھ رہی ہو وہ بلندیاں دراصل پستیاں ہیں تو کیا تم مجھ کو آسانی سے نظر انداز کر سکو گی"

رعنا نے کہا "نظر انداز کرنے کا تو خیر خیال ہی دل میں نہ لائیے یہ سوال تو پیدا ہی نہیں ہوتا۔ مگر یہ خیال آپ کو آیا کیسے؟ آپ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں اس سے پہلے مجھ سے سن لیجئے کہ اگر مجھ کو یہ معلوم ہو کہ خدانخواستہ آپ کی حالت تباہ ہو چکی ہے تو مجھ پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ اگر مجھ کو یہ پتہ چلے کہ آپ نے مجھ سے بہتر کوئی مرکز محبت اپنے لئے ڈھونڈھ لیا ہے تو میں آپ کے راستے سے ہٹ کر خواہ خود کیسی ہی تکلیف میں مبتلا رہوں مگر آپ کو تکلیف نہ اٹھانے دوں گی۔ اگر مجھ کو پتہ چلے کہ آپ نصیب دشمناں کسی ایسے مرض میں مبتلا ہیں جس کا کوئی علاج ممکن نہیں تو میں اس کو اپنی قسمت کا لکھا سمجھوں گی مگر میں کنارہ کش یا دست بردار نہ ہو سکوں گی"

ہم بڑی ہمت کر کے کہا "رعنا جو کچھ تم کہہ رہی ہو وہ مجھے تمہارے متعلق معلوم تھا اسی لئے میں تمہارے سامنے آج بے نقاب آنا چاہتا ہوں تاکہ اس رنگین نقاب سے تم دھوکہ نہ کھا سکو میں تم کو دھوکہ نہیں دے سکتا میں تم سے جھوٹ نہیں بول سکتا میں جو نما گندم فروشی تم سے نہیں کر سکتا میرے ضمیر کی اتنی ہی ملامتیں میرے لئے کافی ہیں کہ میں نے اب تک یہ بات تم سے کیوں نہ کی مگر آج میں آج برافگندہ نقاب تمہارے سامنے آ رہا ہوں اگر تم مجھ سے نفرت کرو گی تو میں اپنے کو اس کا مستحق سمجھوں گا"

رعنا نے بات کاٹ کر کہا "یہ آخر آپ کو ہو کیا گیا ہے۔ لیکن اس کمبخت شبو نے تو کوئی گل نہیں کھلایا ہے۔ آخر یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ سچ سچ میرا دم الجھ رہا ہے یہ باتیں سن کر"

ہم نے کہا "مجھے معاف کر دو رعنا اور یہ کڑوے گھونٹ پی لو۔ میں نے بمشکل

آج اپنے میں یہ جرأت پیدا کی ہے کہ تمہارے سامنے اتنا خطرناک کچھ کھول ہی دوں کہ میں تمہارے قابل نہیں۔ تم ایک شریف خاندان کی بیٹی ہو تمہارا باپ خاندانی اور سماجی ہر اعتبار سے بہت بلند ہے اور وہ شریف انسان جتنا بلند ہے میں اتنا ہی پست ہوں میں تمہارے معیار پر پورا نہیں اترتا بلکہ میں نے دراصل تمہاری توہین کی ہے کہ میرا نام تم سے منسوب کیا جاتا ہے ------"

اور یہ کہہ کر ہم نے اپنی پوری تاریخ تمام تفاصیل سے رعنا کو سنادی کہ ہم کیا تھے کن حالات میں ہم کو ہجرت کرنا پڑی اور یہاں آکر ہم کیا سے کیا بن گئے۔ والد صاحب نے جو ڈھونگ رچایا تھا۔ والدہ صاحبہ کے دماغی خلل کے جو افسانے مشہور کئے تھے۔ مس پال کو جس مقصد کے لئے رکھا گیا تھا مختصر یہ کہ سب ہی کچھ تو رعنا کو سنا دیا اور اس کا یہ عالم کہ دہشت بنی بیٹھی تھی اور سوائے اس کے اس میں کوئی تبدیلی نہیں تھی کہ چہرے کا رنگ رفتہ رفتہ اڑ کر بالکل اڑ چکا تھا یہاں تک کہ جب ہم پوری داستان سنا چکے تو بھی وہ اسی طرح خاموش بیٹھی رہی یہاں تک کہ کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد ہم کو خود اسے مخاطب کرنا پڑا

"اب میں اپنے اصل خدوخال کے ساتھ تمہارے سامنے ہوں اور اب تم مجھ کو اچھی طرح دیکھ سکتی ہو"

یہ سننا تھا کہ رعنا نے دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ چھپا کر ایک گھٹی ہوئی سی دلدوز چیخ کے ساتھ کرسی سے ایک لغزیدہ جست کی اور لڑکھڑاتی ہوئی کمرے سے نکل گئی ہم دیر تک مبہوت سے کمرے میں تنہا بیٹھے رہے۔ ریکس آیا ہم کو سونگھ کر چلا گیا۔ نیرو آیا اس نے اپنا سر ہمارے پیروں سے رگڑا کچھ دیر منہ اٹھائے ہم کو دیکھتا رہا آخر وہ بھی تنہا چھوڑ گیا اور جب دیر تک رعنا واپس نہ آئی تو ہم بھی اس کے کمرے سے نکل کر کھوئے کھوئے سے اپنے گھر آ کر اپنے کمرے میں بند ہو گئے۔ مگر باوجود اس تکلیف کے معلوم یہ ہوتا تھا کہ جیسے کسی خطرناک آپریشن کا خوف بیٹھا ہو اور وہ

آپریشن ایکدم ہو جائے زخم کی سوزش اور کمزوری کا احساس ضرور ہوتا ہے مگر دل میں وہ روح فرسا خوف نہیں ہوتا۔ اب اگر کوئی فکر تھی تو صرف یہ کہ رعنا پر نہ جانے کیا بیتی ہو گی اس کی دلدوز چیخ روح میں اب تک تیری ہوئی تھی کاش کوئی اس سے جا کر کہہ دیتا کہ ۔

ارے منہ ڈھانک کے رونے والے
دم الٹ جائے گا فریاد تو کر

مس پال نے کھانے کے لئے پوچھا انکار کر دیا اور طبیعت کی خرابی کا بہانہ کر دیا۔ سکون کی ضرورت کا اظہار کیا مگر جب پیہم پرسشیں ہونے لگیں تو اس سے صرف یہ کہا کہ خان بہادر صاحب کے گھر جایئے اور رعنا کی کیفیت معلوم کر یئے۔ مس پال نے خان بہادر صاحب کے یہاں سے آکر جواب دیا کہ رعنا بی بی کو تو خدا جانے کیا ہو گیا ہے کچھ غشی کی سی کیفیت ہے بخار میں پھنک رہی ہیں اور اختلاج سی کیفیت معلوم ہوتی ہے خان بہادر صاحب ڈاکٹر کو لینے گئے ہیں ابھی گاڑی پر"

اور شام تک یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ڈاکٹر نے اس تمام کیفیت کو کسی شدید صدمے کا اثر بتایا ہے اور گھر والوں کو مریضہ کی انتہائی دل دہی کی ہدایت کی ہے۔ رعنا کو دیکھنے والد صاحب بھی گئے مس پال بھی بار بار گئیں مگر ہمارے لئے خود بخود یہ عذر پیدا ہو گیا کہ ہمارے ڈاکٹر نے ضعف قلب تجویز کر کے نقل و حرکت کی قطعی ممانعت کر دی اور اسی کی روشنی میں مس پال کو بھی منع کر دیا گیا کہ رعنا کی علالت کی کوئی خبر ہم کو نہ پہنچائیں"

* * *

ایک طرف تو قسمت کا لکھا یہ پورا ہوا اور دوسری طرف گھر میں جو کچھ ہو رہا تھا خدا نہ کرے کہ دشمن کے گھر میں بھی ہو۔ والد محترم کی مزاجی کیفیت اس حد تک خراب ہو رہی تھی کہ ان کو ہمارا اوقت بیمار پڑنا بھی کھل رہا تھا اور وہ جب بھی ہم کو دیکھنے آتے تھے یہ افسوس نہ کرتے تھے کہ ہم بیمار کیوں ہیں بلکہ ہم ہی سے ان کو گویا شکایت سی ہوتی تھی کہ اس مصیبت کے وقت تم سے یہ امید نہ تھی کہ تم بھی اس طرح بیمار پڑ کر مجھ کو بالکل تنہا چھوڑ دو گے اس مصیبت کا مقابلہ کرنے کے لئے آج بھی جب وہ مرزا صاحب کے ساتھ تشریف لائے ہم کو دیکھ کر اور مس پال سے ہمارا پورا حال سنکر مرزا صاحب سے کہنے لگے۔ صاحب عجیب آج کل کی جوانیاں اور نوجوانیاں ہوتی ہیں کہ نہایت خرانٹ قسم کے امراض لیکر یہ نوجوان پڑ جاتے ہیں بھلا بتایئے دل بھی کہیں نوجوانی میں کمزور ہوتا ہے"

مرزا صاحب نے بسر و چشم تائید کی "بلکہ حضور والا دل تو بس ایک ہی چیز ہوتا ہے جوانی اور نوجوانی میں"

والد صاحب اس وقت اس بذلہ سنجی کے موڈ میں نہ تھے مرزا صاحب کو جھڑک دیا "صاحب آپ جانے کیا کہہ رہے ہیں میں یہ عرض کر رہا تھا کہ آخر میں بھی کبھی ان کی عمر کا تھا یہ اختلاج اور ضعف قلب قسم کے امراض مجھے تو کبھی ہوئے نہیں"

مرزا صاحب نے پھر دربارداری کی "حضور والا آپ کا ایسا دل و دماغ یہ آج کل کے لوگ کہاں سے لائیں گے۔ مگر حضور والا میری رائے یہ ہے کہ اس مرض میں یہ ڈاکٹری علاج تو ہے واہیات"

والد صاحب نے بات کاٹ کر کہا "علاج ہونا چاہئے دراصل آپ کا۔ میں پوچھتا ہوں مرزا تمہارا دماغ آخر کتنے پہلوؤں سے خراب ہے، فراست الید کے تم ماہر ،شاعر تم، موسیقار تم اور آج طبابت کا بھی دعویٰ کر رہے ہو"

مرزا صاحب نے کہا "یہ بات نہیں ہے حضور والا بلکہ میرے گھرانے میں دل کے مریض اس کثرت سے تھے اور اس قدر تیمارداریاں کرنا پڑی ہیں مجھے کہ واقعی مرض کا علاج انشاء اللہ غلط نہ کرونگا"

والد صاحب نے کہا "مرزا صاحب یہ میرا اکلوتا بچہ ہے اندھے کی لاٹھی میں اسے جناب کی حماقت پر قربان کرنے کو ہرگز تیار نہیں ہوں"

مرزا صاحب کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے بولے "درست فرمایا حضور والا مگر کسی حکیم کو ضرور دکھا دیجئے اور اگر نامناسب نہ ہو تو فی الحال بید مشک کا استعمال کثرت سے ہو اور صبح اگر نہار منہ صاحبزادے صاحب مربہ آنولہ در ورق نقرہ و پیچیدہ نوش فرما لیا کریں تو سبحان اللہ"

والد صاحب چڑھ گئے "لاحول ولا قوۃ صاحب کون آپ سے نسخہ لکھوا رہا ہے۔ میں آیا تھا خدا جانے کیا باتیں کرنے ان سے اور آپ نے یہ داستان چھیڑ دی ان کا جو علاج ہو رہا ہے وہ بالکل ٹھیک ہو رہا ہے اور ہم کو فی الحال آپ کے طبی مشورے کی کوئی ضرورت نہیں آپ تو ان کو یہ بتائیے کہ آپ نے اس عجیب الخلقت جانور کو کہاں دیکھا ہے"

مرزا صاحب نے پھڑک کر کہا "حضور یہی میں بھی عرض کرنے والا تھا کہ

واقعی عجیب الخلقت جانور ہے خان بہادر صاحب کہ ان کے یہ بھتیجے شبو میاں چہ نسبت خاک را با عالم پاک"

اب ہم بھی چونکے "شبو میاں تو کیا آپ نے شبو میاں کو کہیں دیکھا ہے"

مرزا صاحب نے خالص داستان گوئی کے انداز سے کہنا شروع کیا۔ حضور والا کل ناگاہ میرا گذر انار کلی میں جو ہوا تو دیکھتا کیا ہوں کہ حضرت ایک سنار کی دکان پر کھڑے انگوٹھیاں دیکھ رہے ہیں۔ میں آداب بجا لایا تو وہ کچھ گھبرا گئے اور بظاہر بڑے تپاک سے ملے مگر جیسے میرا اس طرح ملنا ان کو زیادہ پسند نہ آیا ہو آخر جب میں رخصت ہونے لگا تو مجھ سے کہا کہ میں ذرا بصیغہ راز لاہور آیا ہوں میری موجودگی یا مجھ سے اتفاقاً ملنے کا کوئی ذکر نواب صاحب کے حضور یا خان بہادر صاحب کے گھر میں نہ کیجئے گا"

والد صاحب نے ہم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نا معقول آج کل لاہور میں آوارہ گردی کر رہا ہے اور غالباً خان بہادر صاحب کو بھی خبر نہیں ہے اور خبر ہوتی بھی تو بیچارے کانوں پر ہاتھ رکھتے ہیں اس کا نام سن کر"

والد صاحب شبو میاں کی شان میں قصیدے پڑھتے رہے اور ہم اس بات پر غور کرتے رہے کہ آخر یہ سنار کی دکان پر کیا لینے گیا تھا کہیں ایسا تو نہیں کہ مس پال کو موہ لینے کے لئے کچھ زیور وغیرہ پیش کرنا چاہتے ہوں۔ افسوس تو یہ ہے کہ اس ناگہانی صورت حال کی وجہ سے شبو میاں والا کھیل ادھورا ہی رہ گیا اور وہ دن ہے تو ہم کو خبر ہی نہیں کہ یہ قصہ آخر کس منزل پر ہے مگر کسی منزل پر خاک ہوتا مس پال کو ہم نے یہاں سے جاتے ہوئے دیکھا ہی نہیں وہ بیچارہ ہوٹل میں پڑا سوکھ رہا ہوگا اور مس پال کے یہاں جا کر ناکام لوٹ جاتا ہوگا۔ ہم ان باتوں پر غور کر رہے تھے اور اس عرصہ میں والد صاحب شبو میاں کی شان میں قصیدہ پڑھتے پڑھتے نہ جانے گریز فرما

کر ماموں جان کی طرف کیسے متوجہ ہو گئے "مرزا صاحب جس دن سے یہ قافلہ آیا خدا زندگی سے دل کھٹا ہو گیا ہے"

مرزا صاحب نے نہایت گھٹیا انداز سے فرمایا" حالانکہ حضور سنا یہ ہے کہ ساری خدائی اک طرف"

والد صاحب نے ضرب المثل پوری کر دی "جورو کا بھائی اک طرف مگر ہمارے گھر میں تو نقشہ یہ ہے کہ ساری خدائی اک طرف اور جورو کا بھائی ہر طرف۔ آج اس بدتمیز نے میرے کمرے میں اپنا سڑا ہوا حقہ لا کر نہ صرف پینا شروع کیا بلکہ وہیں چلم الٹ کر دوسری چلم بھرنا شروع کر دی۔ اگر زبان سے کچھ نکالیں تو یہی کہا جائے گا کہ دیکھئے صاحب بڑے آدمی ہیں لہذا عزیزوں کی بے عزتی کرتے ہیں ان کو حقیر اور ذلیل سمجھتے ہیں"

والد صاحب کی بات پوری بھی نہ ہو پائی تھی کہ مس پال نے آکر کہا "ذرا اس کمرے میں پردہ کرا دیجئے صاحبزادے کو دیکھنے کے لئے ممانی صاحبہ آرہی ہیں"

والد صاحب نے برجستہ کہا "جل تو جلال تو صاحب کمال تو آئی بلا کو ٹال تو۔ کل سے میرا ناک میں دم کیا جا رہا ہے کہ فرحت میاں کو یا تو اندر بلایا جائے یا ہم سب جائیں گے ان کو دیکھنے باہر۔ لو بھئی مرزا بلا آکر ٹل ہی جائے تو اچھا ہے"

والد صاحب تو مرزا صاحب کے ساتھ تشریف لے گئے اور ہم محترمہ و معظمہ ممانی صاحبہ کے رحم و کرم پر تنہا رہ گئے۔ بات یہ ہے کہ بندھا ہوا مار کھاتا ہے ہم صاحب فراش تھے اور بھاگنے کی ہر راہ مسدود تھی لہذا پکڑے گئے۔ خیر ممانی صاحبہ تنہا آتیں تو ایک بات بھی تھی مگر ان کے ساتھ والدہ صاحبہ اور سب کے پیچھے بی نجو بھی چوڑی دار پاجامہ لمبا سا کرتہ اور گہرے ہرے رنگ کا دوپٹہ اوڑھے تشریف لے آئیں۔ ممانی صاحبہ نے آتے ہی بلائیں لینا شروع کر دیں اور چونکہ ان کے

یہاں رواج یہ ہے کہ ہر کرسی اور ہر صوفہ چھوڑ کر عین مریض کی چارپائی پر عیادت کرنے والے کو خصوصیت ظاہر کرنے کے لئے بیٹھنا چاہئے لہذا وہ اپنی گرگابی اتار کر چھڑے سے کڑا اور کڑے سے چھڑا بجاتی ہوئی ہمارے ہی بستر پر بیٹھ کر بولیں۔

"ایک تو یوں ہی دھان پان اوپر سے یہ موئی بیماریاں۔ مگر میرے لعل کمال کرتے ہو تم بھی کہ باہر پڑے ہوئے ہو بیمار اے بیٹا اندر ہوتے تو ہم لوگ بھی دیکھ بھال رکھتے"

عرض کیا "ڈاکٹر کا حکم یہی ہے کہ شور اور عیادت کرنے والوں کے ہجوم سے دور رہنا چاہئے"

ممانی صاحبہ نے اپنے چوڑیوں سے لدے ہوئے ہاتھ کو مٹکا کر فرمایا "یہ ڈاکٹر گور مارے اور بھی مریض کو آدم بے زار بنا دیتے ہیں تم یہاں پڑے ہو اور ہم سب گھر میں پریشان ہیں۔ اے اے تو دیکھو نجو کو کیا مجال جو دو دن سے کھیل بھی اڑ کر گئی ہو منہ تک نہ کھانے کی ہے نہ پینے کی چپ چپ پھرا کرتی ہے"

والدہ صاحبہ نے نجو سے کہا "اے بیٹا دروازے سے چمٹی ہوئی کیوں کھڑی ہو بیٹھ جاؤ نا ادھر کرسی پر"

بی نجو اپنی انگلیوں کے گھنگرو ہوئے چھلوں سے دروازہ پر ڈھول جانے کی کوشش کر رہی تھیں غالباً اب جو ہم نے ان کو غور سے دیکھا تو اپنی اصلیت بے نقاب ہو کر ہمارے سامنے آگئی۔ کانوں میں بڑے بڑے بالے گلے میں طوق جواب سوائے ہمارے خاندان کے شاید ہی اور کہیں نظر آتا ہو اور چکن کے کرتے میں زنجیروں دار چاندی کے بٹن۔ ہاتھوں میں کنگن اور چوڑیوں کی وہ کثرت کہ الامان والحفیظ اور ایک کلائی پر جیبی گھڑی کے سائز کی نہایت خوفناک گھڑی تقریباً ہولڈال کے تسموں سے بندھی ہوئی۔ اب کہاں نظر آتی ہیں ایسی بہو بیٹیاں۔ ہم ان کے کانوں کے وزنی

زیور کو نگاہوں سے تول ہی رہے تھے کہ ممانی صاحبہ نے فرمایا "اللہ جانتا ہے ایسی خوش خوش آئی تھی یہاں اور تمہاری بیماری سے مرجھا کر رہ گئی۔ ووری پگلی لو اور سنو شرما رہی ہیں بے چاری"

اور واقعی وہ مارے شرم کے دوپٹہ کھائے جا رہی تھیں۔ ہم نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "بھئی اب تو تم اتنی بڑی ہو گئی ہو کہ نجو آپا کہنے کو جی چاہتا ہے"

ممانی جان نے دلار سے کہا "خاک بڑی سی ہو گئی ہے۔ مزاج میں وہی بچپن ہے البتہ یہ ضرور ہے کہ اللہ رکھے فر فر پڑھ لیتی ہے اردو کا اخبار ضد یہ تھی کہ انگریزی بھی پڑھوں گی مگر بیٹا میں نے تو صاف کہدیا کہ اللہ رکھے جب اپنے گھر کی ہو جانا پھر چاہے انگریزی پڑھنا چاہے یوروپین پڑھنا میں تو لڑکی ذات کو انگریزی پڑھوانے سے رہی"

والدہ صاحبہ نے کہا "یہ جو آنکھوں کا پانی اب تک مرا نہیں ہے اس کی یہی وجہ ہے اور ایک میں ہوں کہ مجھ بڑھیا کو گلا گھونٹ کر انگریزی پڑھوائی جا رہی ہے"

ممانی صاحبہ نے اپنی صاحبزادی کے معجزات بیان کرتے ہوئے فرمایا واللہ رکھے سوئی کا کام تو ایسا کرتی ہے کہ میری آنکھوں میں خاک لوگ دیکھتے ہی رہ جاتے ہیں۔ تمہارے لئے بھی تکیے کے غلاف بڑے شوق سے بنا کر لائی ہیں۔ دیدہ نادہ غلاف دبوچے ہوئے بیٹھی کیا ہو"

اور نجو نے وہ دبوچے ہوئے غلاف ماں کی گود میں اس طرح اچھالے کہ ان کی ساری چوڑیاں کھنک اٹھیں، ممانی صاحبہ نے یہ غلاف ہمارے سامنے کھولتے ہوئے کہا "بڑے شوق سے بنائے ہیں یہ غلاف راتوں کو جاگ جاگ کر"

ان غلافوں میں سے ایک پر ریشم سے ایک کبوتر بنایا گیا تھا جو دراصل گدھ کی نسل سے تھا اس کی چونچ میں ایک لفافہ دیا ہوا تھا اور اس لفافے پر ریشم سے کاڑھا گیا تھا "خوش آمدید" اب نہ پوچھئے گا کہ تکیے کے غلاف پر خوش آمدید کا کیا تک ہے اور خوش آمدید کا کبوتر سے کیا تعلق ہے بہر حال غلاف محنت سے ضرور بنایا گیا تھا اور ریشم کے جتنے رنگ مل سکتے تھے سب اس میں کھپا دیئے گئے تھے مثلاً کبوتر کے پر گہرے سرخ رنگ کے تھے اور گردن ہرے رنگ کی تھی دم نیلے رنگ کی اور پنجے اودے رنگ کے۔ اسی قسم کی ترتیب لفافے اور لفافے کی عبارت کی تھی۔ دوسرے غلاف پر ایک گھوڑا تھا یا شاید بکری ہو بہر حال ان دونوں میں سے کچھ تھا ضرور اور اس کے پیروں کے نیچے غالباً گھاس دکھائی گئی تھی ہم نے گھاس اس لئے کہا کہ اس کا رنگ نیلا تھا اور صاحب پھر ایک مصرعہ کاڑھا گیا تھا اس تکیے پر ملاحظہ ہو۔

اٹھو سونے والو کہ میں آرہی ہوں

اب یقین آگیا کہ یہ گھوڑا ہرگز نہیں ہے بکری ہی ہے ورنہ وہ یہ کیوں کہتی کہ "میں آرہی ہوں" ہم نے بہر حال ان غلافوں کی تعریف میں زمین آسمان ایک کر دیا اور نہایت شکریے کے ساتھ ان کو رکھ لیا حالانکہ ابھی یہ بھی طے نہیں کیا تھا کہ ان کو کریں گے کیا مگر تحفے کی قدر کرنا بھی ضروری ہے۔ ممانی صاحبہ بی نجو کی کرامات بیان ہی کئے جا رہی تھیں کہ ڈاکٹر صاحب کے آنے کی اطلاع پر ہماری جان بچی اور ہم نے لاکھوں پائے"

* * *

مس پال ایک ہی چلتی پرزہ۔ وہ یہ تو سمجھ گئی تھی کہ بات کچھ ضرور ہے مگر یہ کیا اس کی اسے خبر نہ تھی اور نہ رعنا سے یا ہم سے پوچھنے کی جرأت ہوتی تھی وہ رعنا کی عیادت کے لئے بھی برابر جاتی رہتی تھی اور ہماری تو تیمار دار تھی ہی وہ مگر یہ بات پوچھتے ہوئے جیسے وہ کچھ ڈر سی رہی تھی۔ ادھر ہم جب مس پال کو دیکھتے تھے شبو میاں کا خیال آتا تھا کہ خدا جانے ان پر کیا بیت رہی ہو گی آخر ہم نے خود ایک دن مس پال سے یہ ذکر چھیڑا "مس پال آپ نے شبو میاں کی بھی خبر لی"

مس پال نے کہا "چولھے میں گئے شبو میاں موئے نحس کہیں کے ایسے سبز قدم آئے کہ شیرازہ ہی منتشر ہو گیا وہ ادھر پڑی ہیں بیمار آپ ادھر پڑے ہیں"

ہم نے کہا "بھئی بیماری تو خیر زندگی کی علامت ہے مگر آپ نے اس غریب الدیار مسافر کی بھی تو خبر لی ہوتی"

مس پال نے کہا "روز آ کر میرے ملازم کو ایک خط دے جاتے ہیں اور اب تو خان بہادر صاحب کو بھی خبر ہو چکی ہے کہ دولہا ہو رہی میں ہیں"

ہم نے فوراً تہہ تک پہنچتے ہوئے کہا "مرزا صاحب نے یہ خبر پہنچائی ہو گی"

مس پال نے کہا "جی ہاں مرزا صاحب نے ان کو دیکھا تھا لہٰذا یہاں آ کر نواب صاحب سے بھی کہدیا اور خان بہادر صاحب سے بھی کہدیا"

ہم نے کہا "سنا ہے وہ آپ کے لئے کچھ زیورات خرید رہے تھے"

مس پال نے کہا "جی ہاں ایک انگوٹھی میرے لئے خریدے ہوئے پھر رہے ہیں مگر میں ملی ہی نہیں ان سے"

ہم نے کہا "بھئی آپ کو کسی نہ کسی طرح ملنا ضرور چاہئے"

مس پال نے کہا "اور کیا فرصت بھی بہت ہے مجھے آج کل ان فضول باتوں کے لئے کبھی یہاں ہوں کبھی رعنا بی بی کے پاس۔ آپ تو خیر اب پہلے سے بہت اچھے ہیں مگر ان کی طرف سے سب بہت پریشان ہیں اتنے ہی دنوں میں یہ حال ہو گیا ہے کہ جیسے خدا نہ کرے برسوں کی بیمار ہوں۔ خان بہادر صاحب بے چارے ڈاکٹر پر ڈاکٹر بدل رہے ہیں مگر کسی کے علاج سے کوئی فائدہ نہیں"

ہم نے کہا "آخر کیفیت کیا ہے"

مس پال نے کہا "ایک بات پوچھوں مگر ڈر لگتا ہے آپ خفا نہ ہو جائیں خیر خفا ہو جائیں گے تو منا لوں گی مگر ڈر تو یہ لگتا ہے کہ اللہ نہ کرے دل کا دورہ نہ پڑ جائے"

ہم نے بات ٹالنے کے لئے کہا "بھئی تو اس کو میں کیا کروں یہ تو کچھ عجیب اتفاق ہے کہ ایک ہی وقت میں دونوں بیمار ہوئے ہیں"

مس پال نے کہا "اور مجھے تو بیماری بھی ایک ہی قسم کی معلوم ہوتی ہے بلکہ اگر میرا خیال غلط نہیں ہے تو بیماری کی وجہ بھی شاید ایک ہی ہو ورنہ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی تھی کہ آپ دونوں بیمار تو خیر ہیں مگر ایک دوسرے سے اتنے غیر متعلق سے کیوں ہو کر رہ گئے ہیں کہ آپ کے سامنے جب ان کا ذکر آتا ہے آپ نہایت خوبصورتی سے ٹال جاتے ہیں اور ان کے سامنے جب آپ کا ذکر آتا ہے وہ بھی گول ہو جاتی ہیں۔ خود ایک دوسرے کا ذکر کرنا تو دوسری بات ہے اگر کوئی اور یہ ذکر چھیڑ دے تو آپ دونوں ٹالنے کی کوشش کیوں کرتے ہیں"

ہم کیا جواب دیتے مگر جواب بھی دینا تھا لہٰذا مس پال کو چکمہ دینا چاہا "یہ آپ

خواہ مخواہ کے وہم میں مبتلا ہو گئی ہیں مجھ کو تو خدا ہر وقت اپنی بیماری سے زیادہ رعنا کی بیماری کی فکر ہے"

مس پال نے کہا "کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ آپ نے کتنی مرتبہ ان کا حال مجھ سے پوچھا۔ اور حیرت ہے کہ وہ بھی آپ کا حال مجھ سے نہیں پوچھتیں۔ بلکہ آج تو خان بہادر صاحب بھی یہی باتیں کر رہے تھے۔"

ہم نے اب زیادہ دلچسپی لیتے ہوئے کہا "خان بہادر صاحب؟ وہ کیا کہہ رہے تھے"

مس پال نے کہا "جو ان کو کہنا چاہیے تھا۔ جو سب کو محسوس ہو رہا ہے۔ وہ مجھ کو علیحدہ لے جا کر بہت ہی تشویش سے کہنے لگے کہ یہ بات کیا ہے آخر کہ فرحت میاں ادھر کچھ بے نیاز سے ہیں اور رعنا ادھر ان سے غیر متعلق سی ہے۔ کہیں ان دونوں میں کوئی اختلاف تو نہیں ہو گیا"

ہم نے کہا "پھر آپ نے کیا کہا؟"

مس پال نے کہا "میں کیا کہہ سکتی تھی ظاہر ہے کہ میں نے یہی کہا کہ ان دونوں میں اختلاف تو خیر ناممکن ہے ممکن ہے کوئی غلط فہمی پیدا ہو گئی ہو۔"

اب ہم مس پال کو کیا بتاتے کہ غلط فہمی پیدا نہیں ہوئی ہے بلکہ رفع کی گئی ہے۔ مشہور یہ تھا کہ سانچ کو آنچ نہیں بلکہ ہماری قسمت سے سانچ کو آنچ آ کر رہی۔ بہرحال یہ ہمارا فرض تھا جو ہم نے محبت کی قربانی دے کر پورا کیا اور آج نہ سہی کل سہی خود رعنا ہماری اس قربانی کی قدر کریں گی۔ یہ تمام کیفیت وقتی ہے۔ وقت کے ساتھ یہ تلخیاں کم ہو جائیں گی اور یہ بات باقی رہ جائے گی کہ ہم نے رعنا کو دھوکا نہیں دیا۔ ہم نے مس پال کو سمجھاتے ہوئے کہا "مگر آپ کو چاہیے تھا کہ آپ رعنا سے اپنے اس خیال کی تصدیق کر لیتی یا اپنی اس غلط فہمی کو ان سے بات کر کے دور

کر دیتیں۔

مس پال نے کہا "میں خود بھی اس کو غلط فہمی ہی سمجھتی تھی مگر جب میں نے ایک دن رعنا بی بی سے یہ ذکر چھیڑا تو ان کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی اور مجھ کو ندامت ہوئی کہ میں نے یہ ذکر چھیڑا ہی کیوں تھا۔"

ہم نے اب بھی جھوٹ بولا "بہرحال میری طرف سے آپ یقین کر لیجیے کہ نہ میرے اور ان کے درمیان کوئی غلط فہمی پیدا ہوئی ہے نہ کوئی اختلاف ہے"

مس پال بھلا اس آسانی سے مان سکتی تھیں کہنے لگیں "دیکھیے صاحبزادے صاحب یہ سچ ہے کہ آپ کے اور رعنا بی بی کے درمیان جو مراسم ہیں ان مراسم میں اگر کبھی کوئی اختلافی صورت پیدا ہو جائے تو سوائے آپ دونوں کے اور کوئی یہ خلیج پر نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی بات ہوئی بھی ہو گی تو آپ مجھ کو نہ بتا سکتے ہیں نہ بتائیں مگر اتنا بے وقوف مجھے نہ سمجھیے کہ آپ کہہ دیں کہ کوئی بات نہیں ہوئی ہے اور میں اس پر یقین کر لوں"

ہم نے مس پال سے کہا "دیکھیے مس پال جب آپ اتنی سمجھدار ہیں تو آپ کو مجھ سے یہ سوال ہی نہ کرنا چاہیے تھا بات یہ ہے کہ اگر کوئی بات نہیں ہوئی ہے تو میں بتاؤں گا کیا اور اگر ہوئی بھی ہے تو بقول آپ کے میں کیسے بتا سکتا ہوں لہٰذا یہ ذکر ہی رہنے دیجیے البتہ یہ بتائیے کہ ہمارے یہاں جو نئے مہمان آئے ہوئے ہیں ان کے مطالعے کا بھی آپ کو موقع ملا ہے"

مس پال نے بے پروائی سے کہا "مطالعے کا شوق مجھے ضرور ہے مگر میں صرف مستند کتابیں پڑھتی ہوں یہ نہیں کہ جہاں کوئی کاغذ پڑا ہوا لیا پڑھنے بیٹھ گئی"

ہم نے کہا "اچھا تو گویا میرے ماموں اور ان کی بیوی بھی آپ کے نزدیک ایسے گئے گذرے لوگ ہیں"

مس پال نے آنکھیں نکال کر کہا ”یہ میں نے کب کہا۔ میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ مجھے مطالعے کی ضرورت ہی کیا ہے وہ آپ کے عزیز ہیں مہمان آئے ہیں بس میرے لئے اتنا ہی جاننا بہت ہے“

ہم نے کہا ”اور اگر آپ کو یہ معلوم ہو جائے کہ ان کی تشریف آوری کا بہت کچھ تعلق مجھ سے ہے تو“

مس پال نے اب بھی بے پروائی سے کہا ”ظاہر ہے کہ وہ آپ کے ماموں ہیں آپ ان کے بھانجے ہیں آپ ہی سے ہو سکتا ہے ان کے تشریف لانے کا تعلق“

ہم نے کہا ”اچھا خیر یہ بتایئے کہ آپ ان لوگوں کو دیکھ کر حیران نہیں ہوئیں کہ یہ ہمارے اتنے قریبی عزیز کیسے ہو سکتے ہیں“

مس پال نے کہا ”کیوں کیا ہوا ہونے کو یہ کوئی ضروری بات تو نہیں کہ خاندان میں سب ہی کی تعلیمی، معاشرتی اور مالی حیثیت یکساں ہو۔ خود میرے گھرانے میں بہت سے اتنے امیر و کبیر ہیں کہ اگر میں ان سے اپنی قرابت ظاہر کروں تو لوگوں کو مشکل سے یقین آئے گا اور بہت سے بے چارے ان بری حالت میں ہیں کہ اگر میں ان سے اپنی قرابت ظاہر کروں تو لوگ اس کو مذاق سمجھیں گے“

مس پال معمول کے خلاف نہایت روکھی پھیکی باتیں کر رہی تھیں لہٰذا ہم نے ان کو یہ بات جتا دینا ضروری سمجھا ”آخر آپ اس قدر سنجیدہ بننے کی کیوں کوشش کر رہی ہیں۔ عجیب قانونی سے جواب دے رہی ہیں آپ“

مس پال نے بڑے دردناک انداز سے کہا ”صاحبزادے صاحب اگر آپ برا نہ مانیں تو کہوں کہ مجھے اس وقت آپ کی غیر متعلق باتیں کچھ زیادہ پسند نہیں آ رہی ہیں میں خود نہیں جانتی کہ میں آپ کی کس بات کا کیا جواب دے رہی ہوں میری پوری توجہ اس کوٹھی کے ایک ایسے کمرے کی طرف ہے جہاں ایک شگفتہ پھول مرجھایا

ہوا پڑا ہے اور روز بروز اس کا رنگ اڑ رہا ہے۔ صاحبزادے صاحب آپ تصور بھی نہیں کر سکتے رعنا بی بی کو کیا ہو گیا ہے وہ کیا سے کیا ہو کر رہ گئی ہیں۔ آپ کو نہیں معلوم کہ خان بہادر صاحب کی آج کل کیا حالت ہے۔ میں نے ان کی بیگم صاحبہ کو خود چھپ چھپ کر روتے ہوئے دیکھا ہے“

ہم ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئے اور مس پال اس طرح دم بخود ہو گئیں گویا وہ بھول گئی تھیں کہ یہ باتیں ہمارے سامنے کرنے کی نہیں ہیں مگر وہ روانی میں ضبط نہ کر سکیں ہم نے تقاضا بھی کیا ”مس پال آپ کہے جایئے میں وعدہ کرتا ہوں کہ اپنے کمزور دل کو اپنے مضبوط ارادے سے قابو میں رکھنے کی کوشش کروں گا“

مس پال نے کہا ”میں تو صرف یہ کہہ رہی تھی کہ ادھر آپ کا یہ حال ہے ادھر ان کا وہ حال اور یہ میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ آپ دونوں ایک دوسرے کے لئے کیا کچھ کر سکتے ہیں پھر آخر یہ کیوں ہے۔ اگر کوئی بات ہو بھی گئی ہے تو ایثار سے کام لے کر اس کو بھلانے کی کوشش کیوں نہیں کرتے“

کس قدر مجبور تھے ہم کہ نہ مس پال کو کچھ بتا سکتے تھے نہ رعنا کے اس درد کا کوئی مداوا تھا ہمارے پاس یہ تھی وہ آگ لگی ہوئی جو اس ایک سچ نے لگائی تھی اس سچ نے جس کے متعلق مشہور ہے کہ سانچ کو آنچ نہیں۔ مگر ہم اس کا الزام سچ پر کیوں لگا رہے ہیں یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ یہ آگ اس جھوٹ نے اس مسلسل جھوٹ نے لگائی ہو جو یہاں آنے کے بعد سے بولا جا رہا ہے یہ سب کچھ اسی کا نتیجہ تو ہے کہ والد صاحب نے یہاں آکر اپنے بدلے ہوئے حالات کے ساتھ اپنی اصلیت بھی بدلنے کی کوشش کی اور اس کوشش میں وہ اپنے نزدیک اتنے کامیاب ہو گئے کہ یہ جھوٹ روز بروز سنگین سے سنگین تو بنتا چلا گیا اور آخر کار وہ دن آگیا کہ اس مسلسل فریب کی قلعی کھل جائے۔ ہم رعنا کی معصومیت سے کھیلے تھے۔ ہمارے خاندان نے خان

بہادر صاحب کے خاندانی اعزاز پر بٹہ لگایا تھا اور ہم ہر اس تنفر کے مستحق تھے جو رعنا کے دل میں ہمارے لئے پیدا ہوتا۔ مگر سزا تو ہم کو یہ مل رہی تھی کہ وہ تنفر بھی نہ تھی وہ تو جیسے گھلی جا رہی تھی اپنے اوپر سب کچھ جھیل کر وہ اپنی ہی آگ میں بھسم ہو رہی تھی“

ہم ان خیالات میں الجھ کر رہ گئے اور مس پال کو اندازہ یہ ہوا کہ اس بے محل گفتگو نے ہمارے قلب پر پھر نہایت ناگوار اثر کیا ہے لہٰذا اس نے سب سے پہلے تو ہم کو ایک خوراک دوا کی دی اور اس کے بعد ادھر ادھر کی باتوں سے نہایت اداکارانہ شگفتگی پیدا کرنے کی کوشش کی مگر ہم نے اس سے معذرت چاہی کہ اس وقت میں صرف سکون چاہتا ہوں۔ چنانچہ وہ دبے پاؤں کمرے سے نکل گئی“

* * *

ہماری طبیعت کافی سنبھل چکی تھی اور ڈاکٹر صاحب نے ہم کو ٹہلنے کی اجازت دے دی تھی ادھر رعنا کی صحت کے متعلق بھی اطمینان بخش خبریں مل رہی تھیں مگر ایک شبہ ہمارے دل میں تھا کہ کہیں ڈاکٹر صاحب نے یہ مشورہ نہ دیا ہو کہ ہم دونوں کو ایک دوسرے کی صحت کے متعلق اچھی ہی خبریں سنائی جائیں بہر حال اگر اس کا نتیجہ بھی خوشگوار ہو رہا تھا تو کیا مضائقہ ہے اس میں۔ یہ حالات تو ایک طرف مگر خود ہمارے گھر میں جو مصیبت آئی ہوئی تھی اس کا کوئی علاج سمجھ میں نہ آتا تھا۔ رات ہی کھانے پر والد صاحب اور ماموں جان میں کافی تو تو میں میں ہو گئی تھی وہ تو خدا بھلا کرے مس پال کا جن کی موجودگی کے احساس نے والد صاحب کو ذرا قابو میں رکھا۔ مگر اس وقت وہی مس پال نہایت سراسیمہ بھاگی ہوئی ہمارے پاس آئیں کہ

”خدا کے لئے جلدی چلئے نواب صاحب بندوق ڈھونڈتے پھر رہے ہیں اور میں نے کارتوس کی پیٹی جنس کی کوٹھری میں چھپا دی ہے“

ہم بے تحاشہ گھر میں جو گئے تو دور ہی سے والد صاحب کی آواز آئی“

”تم اپنی جس بہن پر پھول رہے ہو میں اسی کا خاتمہ کئے دیتا ہوں یہاں جو رسوائی تم میری کرنا چاہتے ہو۔ اس کے بعد زندہ رہنا تو بھی بیکار ہے مگر میں اپنی موت کو کارآمد کیوں نہ بنا لوں اس عورت کو گولی مار کر سولی پر چڑھ جاؤں گا“

ماموں صاحب ادھر بولے ”میرے جیتے جی تو میری بہن پر آنچ آ نہیں سکتی۔

تم رئیس ہو گے تو اپنے گھر کے ہو گے چار پیسے کیا مل گئے کہ دماغ ہی خراب ہو گیا میں بھی تو دنیا کو بتاؤں گا کہ اس نوابی کے پردے میں ایک نائی اپنے قینچی استرے لئے بیٹھا ہے"

والد صاحب کڑ کے "زبان سنبھال کر بات کر کمینہ کہیں کا"

ماموں صاحب بھی شرافت پر آ گئے۔ میں کمینہ ہوں جو اپنے باپ دادا کو نہیں بھولا تم شریف ہو جو اپنا نائی ہونا بھول کر یہاں نواب بنے بیٹھے ہو اور شریفوں کو دھوکہ دے کر ان کی بیٹی لانا چاہتے ہو۔ میری بچی پر زندگی بھر اکی گالی چڑھائی اور اب چار پیسے کے نشے میں ایسا بہکے کہ اسی کو اپنی شان کے خلاف سمجھنے لگے"

والد صاحب نے کہا "میں مہترانی بیاہ لاؤں گا۔ بھنگن لے آؤں گا اپنے لڑکے کے لئے مگر تمہاری لڑکی سے قیامت تک میرے لڑکے کی شادی نہیں ہو سکتی"

اب ممانی صاحبہ بھی بولیں "تو کون آپ کے ہاتھ جوڑ رہا ہے۔ مگر میری بے زبان بچی کا بھی وہ صبر پڑے گا کہ یہ گھر نہ اجڑ جائے تو میرا ذمہ۔ الٰہی جو میری معصوم بچی کا صبر سمیٹے اس پر بجلی گرے۔ کالا سانپ ڈسے اسے......

اب ہم نے بھی آگے بڑھ کر اس میدان کارزار میں داد شجاعت دینا مناسب سمجھا "صاحب یہ کیا طوفان آیا ہوا ہے جو سنے گا وہ کیا کہے گا"

والد صاحب نے اسی طرح گرجتے ہوئے کہا "اب مجھے کسی کی پروا نہیں ہے۔ میں ببانگ دہل کہتا ہوں کہ میں نائی ہوں میرا باپ نائی تھا میرا دادا نائی تھا۔ مگر میرے لڑکے کی شادی فضلو (یعنی ماموں جان) کی لڑکی سے ہرگز نہیں ہو سکتی۔ مجھے یہ تو معلوم ہے کہ یہ بات خان بہادر صاحب کے یہاں پہنچ کر رہے گی"

ماموں جان نے سینے پر ہاتھ مار کر کہا "اجی میں پہنچاؤں گا میں ان کو بتاؤں گا کہ ایک نائی بچے نے آپ کی شرافت کا یہ مذاق اڑایا ہے......

ہم نے کہا "آخر آپ دونوں میری بات کیوں نہیں سنتے میں یہ تمام جھگڑا ابھی ایک منٹ میں ختم کئے دیتا ہوں"

والد صاحب نے گرج کر کہا "ناممکن ہے یہ قصہ اب ختم نہیں ہو سکتا"

ہم نے کہا "مگر آپ میری بات تو سن لیجئے مجھے نہ در اصل خان بہادر صاحب کا کوئی ڈر ہے نہ کسی کا میں اخلاقی طور پر صرف رعنا کا قصوروار تھا کہ میں نے اس سے اپنی اصلیت کیوں چھپائی چنانچہ میں چند دن پہلے اس کو سب کچھ بتا چکا ہوں کہ میں در اصل کیا ہوں اور کیوں میں اب تک نواب زادہ بنا رہا۔ اس کے بعد سے وہ بستر مرگ پر ہے اور میں یہاں صاحب فراش ہوں۔ میں اس سے کہہ چکا ہوں کہ میں اس کے قابل نہیں اور میرا اس کا سنجوگ نہیں ہو سکتا"

ممانی صاحبہ کو جیسے منہ مانگی مراد مل گئی ایک دم اپنا رویہ اور اپنے تیور بدل کر بولیں "بیٹا تم کیوں اس جھگڑے میں اپنی جان ہلکان کر رہے ہو یہ برادری کے جھگڑے تو ہوتے ہی رہتے ہیں لاٹھی مارے کہیں پانی جدا ہوتا ہے۔ بھائی صاحب کو اس وقت غصہ ہے۔ تھوڑی دیر میں خود سنبھل جائیں گے"

ماموں جان نے اپنی اہلیہ محترمہ کو ڈانٹا "تو چپ رہ حرامزادی۔ آئی وہاں سے سنبھل جائیں گے میں نجو کا گلا گھونٹ دوں گا مگر اب ان کے یہاں نہ بیاہوں گا"

والد صاحب پھر چیخے "انگور کھٹے ہیں۔ کہنے لگے میں نہیں بیاہوں گا۔ یہاں کس کی شامت آئی ہے کہ تمہاری لڑکی لے گا اور میں تو تمہارے خاندان کی جو ایک لڑکی لا چکا ہوں اسی کو فارغ خطی لکھ کر دے رہا ہوں لے جاؤ اپنے ساتھ اپنی بہن کو بھی اس کا گذارا اب اس گھر میں نہیں ہے......

ماموں صاحب پھر چیخے "تم میری بہن کو بھی بے آسرا نہ سمجھنا اور نہ اپنی دولت پر پھولنا میں تو اس دولت کا بھی ساری دنیا میں پول کھولوں گا یہ تمہارے ہاتھ

کیسے لگی بھول گئے وہ دن جب ٹکے کی دو حجامتیں بناتے تھے"

والد صاحب نے ہم سے کہا "منع کرلو اسے ورنہ اس وقت اس گھر میں خون ہو جائے گا"

ممانی جان بولیں "میں کہہ رہی ہوں آپ باہر جایئے اور یہ ادھر آئیں بیٹھے بات کی بات پر جھگڑا کھڑا ہو گیا ہے"

ہم نے کہا "دیکھئے صاحب غصے سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ آپ سب ذرا ٹھنڈے دل سے بیٹھ کر میری باتیں سن لیں یہ جو کچھ ہو رہا ہے اس کا براہ راست مجھ سے تعلق ہے اور میرا ہی فیصلہ آخری فیصلہ ہو گا"

ممانی جان نے تائید کی "ٹھیک بات ہے۔ وہ غریب تو کہہ رہا ہے کہ خان بہادر کی لڑکی سے وہ انکار کر چکا ہے"

والد صاحب نے کہا "تو کہہ چکو نا کیا کہتے ہو اب تو سب چپ ہیں"

ہم نے کہا "دیکھئے خان بہادر صاحب کے یہاں میری شادی ہونے کا اب کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا لہٰذا یہ ذکر تو آپ سب چھوڑ ہی دیں۔ رہ گیا ہمارا نائی ہونا وہ بھی اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے کہ اس کی ہم کو دھمکی دی جائے۔ اب سوال سب سے بڑا یہ ہے کہ نجو بی بی سے جو نسبت ٹھہری ہوئی تھی وہی اس کی [illegible] ہیں جہاں تک میرا تعلق ہے میں نجو کو اپنی بہن سمجھتا ہوں اور بہن ہی سمجھتا رہوں گا میری اور اس کی شادی قطعی ناممکن ہے میں صاف انکار کر رہا ہوں"

ماموں جان نے دانت پیس کر بیوی سے کہا "سن لے حرامزادی سن لے اور مر جا ڈوب کر تو ہی یہ جوتے کھلوانے لائی ہے یہاں اور یہ جو بہن ہیں میری انہوں نے بلوایا ہے مجھے یہاں اس طرح ذلیل کرنے کو"

والد صاحب نے روتے ہوئے کہا "بھیا مجھے کیا معلوم تھا کہ پیٹ کی اولاد بھی

مجھ ہی کو ڈسنے کے لئے پھن اٹھائے گی"

ماموں جان نے کہا "بہر حال جو کچھ مقدر میں لکھا تھا پورا ہوا اب اس گھر کا دانہ پانی حرام ہے ہم پر"

ممانی جان نے ہم سے کہا "فرحت میاں تم سے یہ امید نہ تھی کہ جس ممانی نے تم کو اولاد سے زیادہ ہمیشہ یہ سمجھ کر چاہا کہ بیٹی سے داماد پیارا ہوتا ہے تم نے آج اسی کے ارمانوں کا خون کر دیا"

ہم نے کہا "ممانی جان میرا قصور صرف یہ ہے کہ میں اپنی زندگی ہمیشہ کے لئے عذاب بنانے کے جائے اس وقت سچ بول رہا ہوں میں نہیں چاہتا کہ میری بہن نجو میرے ساتھ اپنی زندگی بھی تلخ کرلے"

ماموں جان نے بیوی کو ڈانٹا "کیوں خوشامد کر رہی ہے حرامزادی باندھ اپنا بستر بوریا اور نکل یہاں سے چلی ہے ان تلوں سے تیل نکالنے جو پتھر کے بنے ہوئے ہیں۔ سانپ کا بچہ سنپولیا ہی ہوتا ہے"

والد صاحب پھر کڑک کر بولے "پھر زبان بے قابو ہوئی"

ماموں جان نے کہا "یہ غرے ڈبے کسی اور کو دکھانا قسم ہے پروردگار کی آنتیں ڈھیر کر دوں گا یہیں ابھی"

ہم نے کہا "اس گالم گلوچ سے اچھا تو یہی ہے کہ واقعی آپ تشریف لے جائیں"

ماموں جان نے کہا "برخوردار تم کیوں نکال رہے ہو ہم اپنی سزا پر خود پہنچ چکے ہیں اور جا رہے ہیں یہاں سے"

اور پھر بیوی سے کہا "اب بیٹھی منہ کیا دیکھ رہی ہے اٹھتی ہے کہ اٹھوں جوتا لے کر"

اور ممانی جان نے اٹھ کر اپنا سامان بٹورنا شروع کر دیا۔ والد صاحب نے ہم کو

علیحدہ لے جا کر کہا''

''خدا کے لئے کوئی ترکیب ایسی نکالو کہ یہ جو تمہاری ماں ہے یہ بھی ان ہی کے ساتھ دفع ہو جائے یہاں سے یہ سب اسی لفنگی کا کیا دھرا ہے اور مجھے نفرت ہو گئی ہے اس کی صورت سے دوسرے اگر یہ گھر میں رہی تو ان لوگوں سے کوئی نہ کوئی سلسلہ برابر چلتا رہے گا......۔

ہم نے کہا ''اب آپ اس وقت یہ جھگڑا کھڑا نہ کریں ان لوگوں کو رخصت ہو جانے دیجئے اس کے بعد میں والدہ صاحبہ کو راہ راست پر لانے کی کوشش کروں گا''

والد صاحب نے کہا ''پھر وہی بچپن کی باتیں یہ عورت کبھی ٹھیک نہ ہو سکے گی اور جب تک یہ اس گھر میں ہے اس گھر کا ڈھنگ یہی رہے گا''

عین اسی وقت بڑے زور سے رونے کی آوازیں آنے لگیں ہم نے آگے بڑھ کر دیکھا کہ والدہ صاحبہ اور ممانی جان گلے مل کھڑی ہیں اور دونوں رو رہی ہیں اس رونے دھونے سے فارغ ہو کر ماموں جان معہ اپنی بیوی اور بیٹی کے جانے لگے تو ہم نے سلام کیا مگر وہ منہ پھیر کر نکل گئے۔ والد صاحب نے البتہ کہا ''حس کم جہاں پاک''

* * *

ہم سہ پہر کی چائے پی کر یہ غور ہی کر رہے تھے کہ آج کہیں باہر جا کر تھوڑا سا وقت گذار آئیں کہ خان بہادر صاحب نے ہمارے کمرے میں آتے ہوئے کہا ''السلام علیکم'' ''کیا حال ہے برخوردار اور بھائی صاحب کہاں ہیں''

جب سے رعنا کی طبیعت خراب ہوئی ہے آپ پہلی مرتبہ خان بہادر صاحب ہمارے یہاں یوں آئے ہیں ایک مرتبہ ہم کو دیکھنے آئے تھے مگر اس وقت رعنا کے متعلق کوئی تشویشناک فیصلہ نہیں ہوا تھا۔ ہم نے ان کو دیکھ کر اور اس قدر شگفتہ پا کر دل ہی دل میں تعجب تو کیا مگر انہوں نے تعجب کرنے کا بھی پورا موقع نہ دیا'' برخوردار میں پوچھ رہا ہوں بھائی صاحب کہاں ہیں''

ہم نے کہا ''جی وہ اپنے کمرے میں ہوں گے میں اطلاع کرتا ہوں ابھی''

خان بہادر صاحب نے کہا ''صرف اطلاع نہ کیجئے بلکہ پکڑ لایئے ان کو میرے پاس اور خود بھی فوراً تشریف لایئے''

اور یہ کہہ کر وہ ایک تازہ رسالہ اٹھا کر بڑے ترنگ سے سیٹی بجاتے ہوئے ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔ ہم جا کر تھوڑی ہی دیر میں والد صاحب کو بلا لائے تو خان بہادر صاحب نے بڑی محبت سے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا ''ذرا تشریف لے چلیئے آپ دونوں میرے ساتھ''

خان بہادر صاحب کے ہمراہ ہم دونوں ان کے گھر تک گئے اور وہ ہم دونوں

http://www.paktunplace.com

کو لئے ہوئے اس کمرے میں پہنچے جہاں رعنا اب تک بیمار بڑی تھی ہم لوگوں کو دیکھ کر اس نے اٹھنے کی کوشش میں ناکام رہ کر صرف اپنے اوپر چادر لے لی اور تعجب سے ہم کو دیکھ کر نظریں چرانے لگی۔ خان بہادر صاحب نے والد صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا”بھائی صاحب خدا اتنے دن کے بعد آج میرے چہرے پر ہنسی آئی ہے اور آج میں نے دوپہر کا کھانا پیٹ بھر کر کھایا ہے ذرا ان دونوں کو دیکھئے کیا حال ہے اپنا۔ مگر میں شکر گذار ہوں آپ کے بردر نسبتی فضلو میاں کا جن کی تشریف آوری نے ساری گتھی سلجھادی“

اور والد صاحب سناٹے میں آگئے۔ فضلو؟ کیا وہ یہاں بھی آیا تھا......۔“

خان بہادر صاحب نے کہا”جی ہاں۔ وہ مجھے سب معلوم ہو چکا ہے کہ وہ آپ سے ناراض ہو کر آپ کے یہاں سے چلے گئے اور اب آپ کے خلاف میرے کان بھرنے آئے تھے بہر حال ان کی تشریف آوری نے یہ گتھی ایسی سلجھائی ہے کہ سبحان اللہ۔ اب ذرا مجھ سے پوری تفصیل سن لیجئے۔ ان حضرت نے آکر آپ کے خاندانی حالات پر کچھ ایسی روشنی ڈالی کہ میں سناٹے میں آگیا۔ مگر جب ایک شخص خود یہ کہے کہ صاحب میں ذات کا نائی ہوں اور یہ میرے حقیقی چچازاد بھائی بھی ہیں اور بہنوئی بھی تو آدمی آخر کہہ ہی کیا سکتا ہے ان کا تو بہر حال شکریہ ادا کرکے میں نے ان کو پھر بلایا ہے مگر جب میں نے یہ ذکر ان صاحبزادی کی موجودگی میں اپنی بیوی سے کیا اور ساتھ ہی ساتھ یہ کہا کہ اس تمام قصے میں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ فرحت ایسے سچے اور کھرے نوجوان نے اس فریب دہی میں کیونکر حصہ لیا تو یہ صاحبزادی ایک دم ابل پڑیں کہ ان پر فریب دہی کا الزام غلط ہے۔ اور وہ یہ بات مجھے پہلے ہی بتا چکے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس پر مجھے اور بھی تعجب ہوا کہ یہ معلوم ہو جانے کے بعد بھی یہ صاحبزادی ان حضرت سے ملتی رہیں تو معلوم یہ ہوا کہ دراصل ان دونوں کی

بیماریوں کا راز ہی یہ ہے کہ اس راز کو رعنا پر ظاہر کرنے کے بعد ادھر تو ہمارے برخوردار فرحت میاں قلب کے دورے لیکر پڑے ادھر یہ صاحبزادی ایسی پڑیں بستر پر کہ ماں باپ کا دم ہی نکال لیا۔ بھائی صاحب آپ کو نہیں معلوم کہ ان صاحبزادی کے تھوک اور بلغم کے معائنے شروع ہو گئے تھے اور ایک ڈاکٹر صاحب نے تو مشورہ دیدیا تھا کہ ان کو فوراً کسی سنی ٹوریم میں پہنچا دیا جائے۔ یہ طے تھا کہ خدا نخواستہ تپ دق پالے پڑی ہیں یہ صاحبزادی اب معلوم ہوا کہ دراصل یہ قصہ تھا اچھا صاحب اب مجھ سے سنئے فرحت میاں ذرا یہ دروازہ بند کر دو“

اور ہم نے جب دروازہ بند کر دیا تو خان بہادر صاحب نے والد صاحب کو سگریٹ پیش کرتے ہوئے کہا”وہ تو کہئے کہ ان بچوں نے خدا ان کی عمر میں برکت دے میرے سر سے عجیب بوجھ اتار دیا ہے۔ میرے اور آپ کے گھرانے کے جب سے مراسم پیدا ہوئے ہیں میں مسلسل اسی فکر میں تھا کہ الٰہی اس کا کیا انجام ہوگا۔ میرا دل مجھ پر ملامت کرتا تھا کہ میں کتنا بڑا رنگا ہوا سیار ہوں۔ اور میں اپنے دل میں ایسا چور پاتا تھا کہ کسی وقت مجھے اطمینان حاصل نہ تھا۔ آپ کے متعلق وہم و گمان بھی نہ ہو سکتا تھا کہ آپ یہ ہوں گے جو اب معلوم ہوا ہے اور ظاہری حالات دیکھ دیکھ کر میں ڈر رہا تھا کہ اگر خدا نخواستہ کبھی آپ کو یہ معلوم ہو گیا کہ میں کیا ہوں تو نتیجہ کیا ہوگا“

والد صاحب نے چونک کر فرمایا”جی کیا فرمایا آپ نے۔ میں کیا ہوں۔ کیا مطلب ہے آپ کا؟

خان بہادر صاحب نے زیر لب تبسم کے ساتھ کہا”ابھی ذرا سنتے جائیے برادر محترم خدا یہ تو وہ بات ہوئی ہے کہ واقعی حیرت ہوتی ہے قدرت کے انتظامات پر مجھے سب سے زیادہ فکر ان بچوں کی تھی کہ یہ کس امنگ کے ساتھ ایک دوسرے

سے مل رہے ہیں اور اپنے معصوم دلوں کو کس حد تک ایک دوسرے سے وابستہ کر چکے ہیں اس راز کے کھلنے کے بعد کہ میں بھی دراصل قوم کا کن میلیا ہوں“

والد صاحب نے پھر کہا ”جی۔ کن میلیا۔“

خان بہادر صاحب نے کہا ”بھائی صاحب بات یہ ہے نا کہ اصل میں تو ہم اور آپ سب شیوخ میں سے ہیں آپ کے یہاں پیشہ یہ شروع ہو گیا کہ بزرگ بال بنا دیا کرتے تھے ذرا لہٰذا آپ نائی کہلانے لگے۔ ہمارے بزرگ کان کا میل نکال دیا کرتے تھے لہٰذا ان کا یہ پیشہ ان کی قومیت بن گیا۔ اب ہم لاکھ خان بہادر اور نواب بن گئے ہیں مگر جو ہم کو جانتے ہیں وہ تو ہم کو کن میلیا اور نائی ہی سمجھیں گے نا تو صاحب میں دل ہی دل میں ڈرتا رہتا تھا کہ اگر یہ راز کبھی کھلا تو ان دونوں کی مفارقت کس قدر مہلک ثابت ہو گی چنانچہ دیکھ لیجئے کہ صاحبزادی نے یہ معلوم ہوتے ہی اپنا کیا حال کر لیا ہے اور اگر یہی بات مجھ کو کچھ دن اور معلوم نہ ہوتی تو ظاہر ہے کہ جس نامراد بیماری کا شبہ کیا گیا ہے وہ واقعہ بن جاتی ہے“

اب والد صاحب کے چہرے پر بھی ایک چمک تھی انہوں نے بڑی گرمجوشی سے خان بہادر صاحب کا ہاتھ پکڑ کر کہا ”بھائی جان خدا آپ نے مجھ کو نئی زندگی دے دی۔ اللہ جانتا ہے کہ اب یہ امید تو خیر تھی ہی نہیں کہ یہ شادی ہو سکے گی اب تو فکر یہ تھی کہ اس پڑوس کا کیا حشر ہو گا۔ خدا میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ میں کیونکر آپ سے آنکھ چار کر سکونگا اب آپ سے کیا چوری کئی مرتبہ دل میں خیال پیدا ہوا کہ آپ کے سامنے شرمندہ ہونے سے بہتر یہی ہے کہ بندوق بھر کر کنپٹی پر رکھوں اور حلال خوروں کی یہ زندگی بسر کرنے سے بہتر یہی ہے کہ حرام موت مر جاؤں۔ مجھے کسی کا خیال نہ تھا صرف آپ کا خیال تھا اور آپ ہی سے آنکھ چار کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی“

خان بہادر صاحب نے کہا ”اور مجھے کس کا ڈر تھا سوائے آپ کے۔ خدا اندر ہی اندر خون خشک ہو جاتا تھا اس تصور سے کہ آخر کیا ہو گا اور یہ بیڑا پار کیسے ہو گا۔ کئی مرتبہ ارادہ کیا کہ فرحت میاں کو علیحدگی میں سمجھا دوں کہ بیٹا ہم تمہارے لائق نہیں ہیں تم ایک اونچے گھرانے کے چشم و چراغ ہو ہمارا تمہارا کوئی جوڑ نہیں بس اتنا احسان کرو کہ رعنا کو اپنے سے ایسا بیزار کر دو کہ تم سے بچھڑنا اس کے لئے مہلک نہ بنے۔ مگر اس کی بھی ہمت نہ ہوئی۔ مگر شاباش ہے اس بچے کو جس نے ایسا خوفناک سچ بول کر یہ ثابت کر دیا کہ بڑے بڑے شیر دل ابھی اس دنیا میں موجود ہیں اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی پتہ چل گیا کہ فرحت خواہ ایک اونچے خاندان کا بچہ نہیں مگر خود کتنا اونچا ہے اس نے رعنا کو فریب دینا نہ چاہا۔ اپنی محبت کو قربان کر دیا مگر دھوکہ نہ دیا اسے جسے چاہتا تھا۔

والد صاحب کا اس وقت خوشی کے مارے برا حال تھا کھلے جا رہے تھے اور سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کریں کہنے لگے ”خدا یقین نہیں آتا کہ میں جاگ رہا ہوں کچھ عجیب خواب کی سی کیفیت محسوس ہو رہی ہے“

خان بہادر صاحب نے کہا ”اور سنئے وہ آپ کے مرزا صاحب پہلے تو یہ خبر لائے کہ وہ نا معقول آدمی شبو میاں لاہور ہی میں موجود ہے پھر ان حضرت کا سراغ لگا کر ان کے مستقل پیامی بن گئے اور ان کے خطوط لانے لگے میرے پاس۔ ان صاحبزادے کی مسلسل یہ کوشش تھی کہ میں ان کو معاف کر دوں اور ان کی تمام کمینگی کو شربت کا گھونٹ سمجھ کر پی جاؤں۔ مرزا صاحب بھی ان کے بڑے سفارشی بنے ہوئے ہیں، یہ قصہ تو چل ہی رہا تھا کہ آپ کے برادر نسبتی نازل ہو گئے اور انہوں نے یہ گل کھلایا مگر بھائی صاحب میں ان کا تو بہر حال ممنون ہوں کہ ان کی بدولت مجھ کو اتنے بوجھوں سے سبکدوش ہونے کا موقع مل سکا اب جب خیر سے فرحت اور

رعنا کے سہرے کے پھول کھلیں گے تو سانپ لوٹے گا ان لوگوں کے سینے پر“

والد صاحب نے کہا ”بھائی جان اس مبارک موقع پر ہم دونوں شادی کی تاریخ طے ہی کر لیں اس وقت“

خان بہادر صاحب نے کہا ”میں تو آپ کو اختیار دے ہی چکا تھا مگر اب تو ان ہی دونوں کو یہ تاریخ طے کرنا پڑے گی جس قدر جلد یہ اپنی صحت بحال کریں گے اتنی جلدی شادی ہو سکے گی“

یہ کہہ کر چونکہ آدمی سمجھدار ہیں والد صاحب کو ساتھ لیکر باہر چلے گئے کہ آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنا ہیں اور اب ہم دونوں کمرے میں تنہا رہ گئے مگر اب عالم یہ کہ۔

محبت ہے مگر اس کشمکش میں تقاضہ ہو ادھر سے یا ادھر سے

دیر تک دونوں اپنی جگہ خاموش رہے۔ آخر ہم نے پہل کی :۔

”یہ حال کیا بنا لیا ہے اپنا.......

رعنا نے کہا ”خود بھی کبھی آئینہ دیکھ لیا ہوتا۔ آدھے بھی نہیں رہے“

ہم نے کہا ”بہر حال اب تو گذر گیا یہ وقت بھی اب کیا ارادہ ہے“

رعنا نے کہا ”صحت حاصل کرنے کا ارادہ ہے اور کیا ہوتا۔ بلکہ مجھے تو ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے میں بالکل ٹھیک ہوں اپنی بیماری کا خود مجھے تو اب احساس بھی نہیں“

ہم نے کہا ”آپ کو نہ ہو گا مگر مجھے ہے آپ کی بیماری کا احساس“

رعنا نے کہا ”ذرا مجھ کو سہارا دو تکیے میں بیٹھنا چاہتی ہوں، ہم نے اس کو اٹھا کر بٹھا دیا تو اس نے ہنس کر کہا ”سچ مچ اب میں بیمار نہیں ہوں“

☆

رعنا کی صحت نہایت تیزی سے بحال ہو رہی تھی بلکہ اب سوائے معمولی سی کمزوری کے بیماری کا اس پر کوئی اثر نہ تھا اور ہمارا کمزور دل تو ایسا شہ زور ہوا تھا کہ اب کیا عرض کریں۔ مگر اس تمام قصے میں جو سب سے زیادہ خوش تھا وہ مس پال تھیں مور کی طرح ناچتی پھرتی تھیں اور معلوم ہوتا تھا کہ جیسے یہ بھی ہم دونوں کے ساتھ بیماری سے ابھی اٹھی ہیں اور واقعہ بھی یہ ہے کہ مس پال پر جو شدید اثر تھا وہ بجائے خود کسی بیماری سے کم نہ تھا بلکہ وہ خود کہتی تھیں کہ مجھ کو بھی ذہنی بیماری سے شفا حاصل ہوئی ہے۔ رعنا پر مس پال کی شرافت اور خلوص کا اتنا گہرا اثر تھا کہ وہ تو یہاں تک کہہ چکی تھیں کہ اگر میری کوئی حقیقی بہن ہوتی تو شاید وہ بھی اس دلسوزی سے میری دیکھ بھال نہ کر سکتی جس ہمدردی محبت اور ایک خاص تعلق قلب کے ساتھ مس پال نے اس بیماری میں میری خدمت کی ہے اور یہ تو ہم بھی دیکھ رہے تھے کہ جب تک یہ گتھی سلجھی نہ تھی مس پال عجیب نزع کے عالم میں مبتلا نظر آتی تھیں انہوں نے ہر وقت ہماری اور رعنا کی تیمارداری میں دن کو دن اور رات کو رات نہ سمجھا اور پھر مستقل طور پر اس ذہنی انتشار میں مبتلا رہنے کہ آخر واقعہ کیا ہے یہاں تک کہ ایک دن ہمارے سامنے ضبط نہ کر سکیں اور ابل پڑیں۔ مگر اب وہ پھولی نہ سماتی تھیں۔“

آج بھی جبکہ لان پر گارڈن چیرس ڈالے ہم اور رعنا بیٹھے دھوپ کھا رہے تھے مس پال نے قریب آکر کہا

”بے حیا ہو تو ایسا جیسے میرے عاشق صادق شبو میاں ہیں۔ عجیب وضعدار بے حیا واقع ہوئے ہیں روز میرے گھر آتے ہیں اور ایک خط میرے ملازم کو دے جاتے ہیں آج نوکر نے یہ تازہ خط لا کر دیا ہے“

ہم نے مس پال کے ہاتھ سے لفافہ لے لیا جو عطر میں بسا ہوا تھا۔ رعنا نے بھی لفافہ جھپٹنے کی کوشش کی مگر ہم نے کہا ”یہ غلط ہے میں پڑھ کر سنائے دیتا ہوں“ اور لفافہ کھول کر پڑھنا شروع کیا۔

سرکار۔ یہ میرا گیارھواں خط ہے۔ میں ہر روز مقررہ وقت پر جاتا ہوں اور جو ارمان لے کر جاتا ہوں ان ہی کو حرمان بنا کر واپس آجاتا ہوں۔ یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ آپ فرحت اور رعنا کی بیماریوں کی وجہ سے مصروف ہیں مگر اپنے بیمار کو کس پر چھوڑا ہے۔

اچھے جیسے رہو مریضوں کا خیال اچھا ہے

خدا کے لئے صرف ایک مرتبہ وقت نکال کر مجھ سے بھی مل لیجئے۔

آپ کا اور صرف آپ کا شباب

رعنا نے کہا ”مس پال یہ قصہ تو بیچ ہی میں رہ گیا۔

مس پال نے کہا ”آپ دونوں نے حرکتیں ہی ایسی کی تھیں“

ہم نے کہا ”بھئی آج تو مس پال آپ اس سے مل ہی لیں۔ کیا خیال ہے رعنا چلتی ہو“

رعنا نے کہا ”میرا خیال تو کچھ اور بھی ہے کہ آج ڈیڈی اور انکل کو بھی یہ تماشہ دکھا دیا جائے۔ بات یہ ہے کہ جب ہمارے یہ دونوں بزرگ ہمارے

دوست بنے ہوئے ہیں تو کیوں نہ ہم ان کو بھی اس تماشے میں شریک کریں لطف آئے گا ان کو بھی“

ہم نے کہا ”مگر خان بہادر صاحب کے غصے سے ڈر لگتا ہے“

رعنا نے کہا ”نہیں میں ان کو سمجھا دوں گی کہ وہ نہایت خاموشی سے صرف تماشہ دیکھیں“

مس پال نے کہا ”اگر ان دونوں کا جانا بھی طے ہو جائے تو مجھے پہلے سے بتا دیجئے گا پہلی مرتبہ تو میرے گھر جائیں گے کم سے کم چائے ہی مل جائے ذرا ڈھنگ کی“

ہم نے کہا ”چائے تک تو غنیمت ہے مگر ڈھنگ ونگ کی نہیں بس بالکل سادہ اصل مقصد ہے تماشہ دیکھنا چائے کی دعوت تھوڑی ہے“

مس پال نے کہا ”پھر بھی مجھے ذرا پہلے سے معلوم ہو جائے“

رعنا نے کہا ”بس آپ طے سمجھئے میں ان دونوں کو ضرور لے جاؤں گی“

یہ طے ہو جانے کے بعد مس پال تو اپنی طرف چلی گئیں اور رعنا نے پہلے تو صاحب کو جا کر پورا قصہ سنایا پھر ان کو ساتھ لا کر اپنے ڈیڈی کو پوری داستان سنائی اور یہ طے ہو گیا کہ آج یہ دونوں بزرگ بھی جائیں گے“

مس پال تھوڑی دیر پہلے ہی روانہ ہو گئیں اور ہم لوگ مقررہ وقت پر جب مس پال کے یہاں پہنچے ہیں تو وہاں باقاعدہ ٹی پارٹی کا اہتمام تھا اور نہایت پر تکلف ناشتے سے میز سجی ہوئی تھی۔ خان بہادر صاحب نے یہ اہتمام دیکھتے ہی کہا:۔

”بھئی یہ کیا تکلف کیا ہے تم نے مس پال“

مس پال نے خوش ہو کر کہا ”خان بہادر صاحب یہ تکلف نہیں ہے بلکہ میں نے آج رعنا بی بی اور صاحبزادے صاحب کے غسل صحت کی تقریب کی

ہے اور یہ میری خوش نصیبی ہے کہ اس تقریب میں ہمارے نواب صاحب اور آپ دونوں شریک ہو گئے ہیں۔"

والد صاحب نے کہا "بھائی صاحب اس لڑکی نے میرے یہاں ملازم کی حیثیت سے آ کر اپنے کو ایسا گھلا ملا لیا ہے کہ مجھے واقعی یہ محسوس ہوتا ہے کہ میرا صرف ایک لڑکا نہیں بلکہ ایک لڑکی بھی ہے"

خان بہادر صاحب نے کہا "میں یہ بات مس پال کے منہ پر کہنا نہیں چاہتا تھا مگر ذکر چھڑ گیا ہے تو کہنا ہی پڑتی ہے کہ مجھے تو یہ واقعی گھر ہی کی بچی معلوم ہوتی ہے اور یہ حیثیت اس نے خود اپنی نیک نہادی سے حاصل کی ہے واقعی بڑی خوبیوں کی لڑکی ہے"

والد صاحب نے تو باقاعدہ شفقت شروع کر دی سر پر ہاتھ پھیر کر بولے "بیٹی یہ تکلف واقعی ضرورت سے زیادہ ہے بہر حال تمہاری خوشی یہی ہے تو ہم بھی تمہاری اس خوشی میں شریک ہیں"

مس پال نے کہا "اب آپ لوگ چائے سے فارغ ہو ہی لیں ورنہ وہ حضرت آ جائیں گے تو سب ان ہی کی طرف متوجہ ہو جائیں گے"

چنانچہ چائے شروع ہو گئی اور مس پال تواضع میں مصروف رہیں۔ ابھی ہم لوگوں نے چائے ختم بھی نہ کی تھی کہ مس پال کے ملازم نے آ کر کہا کہ وہ حضرت مع ایک اور صاحب کے آ گئے ہیں"

ہم میں سے کسی کی سمجھ میں نہ آ سکا کہ یہ دوسرے کون صاحب ہیں بلکہ اندیشہ یہ پیدا ہو گیا کہ ان دوسرے صاحب کی وجہ سے کہیں رنگ میں بھنگ نہ پڑ جائے۔ بہر حال مس پال نے اس کمرے کا دروازہ بند کرتے ہوئے اس کمرے کا دروازہ کھولا تو شبو میاں کی آواز آئی۔ تشریف لائیے"

اور پھر مس پال سے یہ کہتے ہوئے داخل ہوئے "آپ مرزا صاحب سے ہرگز پریشان نہ ہوں اپنے ہی آدمی ہیں اور آپ کے بڑے مداح ہیں بلکہ ان بیچارے نے اس زمانے میں میرا بڑا ساتھ دیا ہے اور میرا ہاتھ دیکھ کر مجھ کو بتا چکے ہیں کہ محبت میں کامیابی کے علاوہ اور کوئی خاص بات میرے ہاتھ میں نہیں ہے"

مس پال نے کہا "مگر مجھے مرزا صاحب سے ڈر لگتا ہے یہ ہمارے نواب صاحب کے خاص دوستوں میں سے ہیں اگر وہاں جا کر انہوں نے یہ خبر کر دی کہ آپ کا یہاں آنا جانا ہے تو میں وہاں نہ رہ سکوں گی"

مرزا صاحب نے اپنے مخصوص انداز سے کہا "کمال فرماتی ہیں آپ بھی پال بیگم"

اور اس پال بیگم پر رعنا نے اپنے منہ میں رومال ٹھونس لیا۔ مرزا صاحب کہہ رہے تھے "میں اس قسم کا آدمی نہیں ہوں اول تو میرے اور آپ کے نواب صاحب کے مراسم صرف اس قدر ہیں کہ وہ نہایت بیوقوف قسم کے آدمی ہیں اور ان کو کبھی کبھی میرے مشوروں کی ضرورت ہوتی ہے"

شبو میاں نے کہا "آپ گویا ہر ایک کے خضر بن جاتے ہیں"

مرزا صاحب نے کہا "من آنم کہ من دانم۔ میں تو اس لئے ان کے ہمراہ آیا ہوں کہ میں بھی ان کی سفارش آپ سے کروں کہ اب تو ان کی حالت خدا دیکھی نہیں جاتی خدا کے لئے ان پر رحم کیجئے"

شبو میاں نے کہا "یہ کیا رحم کریں گی آسرا دے کر اتنے دن تک غائب رہیں ملازمت کے معنی یہ نہیں ہیں کہ آدمی اپنے گھر کا رہنے ہی نہ پائے"

مرزا صاحب نے کہا "یہ مس پال ہیں ہی نہایت سادہ لوح نہ ہوا ان کی جگہ

http://www.paklinkplace.com

میں ، اس بڈھے کو ایسا شیشے میں اتارتا کہ ساری دولت اس گھر کے بجائے اس گھر میں نظر آتی۔ ایسے بیوقوف رئیس تو نعمت خداوندی ہوتے ہیں“

مس پال نے کہا ”مگر مصیبت یہ ہے کہ میں اکیلی جان اگر روپیہ بھر بھی لوں تو آخر کس کے لئے“

شبو میاں نے ذکر بدلا ”یہ فرمایئے کہ اب رنگ کیا ہے وہاں سنا ہے کہ ہمارے احمق چچا جان نے اپنی صاجزادی کو کسی دن نواب کے لونڈے کے ساتھ دیکھ کر وہ مرمت کی ہے صاجزادی کی وہ بستر لگ گئی ہیں“

مس پال نے کہا ”یہ آپ سے کس نے کہا وہاں تو اس کے برعکس پھر دونوں کی شادی طے ہو رہی ہے اور میں خوش ہوں کہ یہ شادی ہو جائے تو مجھے آپ پر اعتماد پیدا ہو“

شبو میاں نے مرزا صاحب سے کہا ”ان کو ایک شبہ یہ پیدا ہو گیا ہے خواہ مخواہ کہ میں کہیں رعنا سے شادی نہ کر بیٹھوں۔ حالانکہ بھئی خدا لگتی کہئے گا مرزا صاحب میں کر سکتا ہوں رعنا سے شادی“

مرزا صاحب نے کہا ”اجی لاحول ولا قوۃ اور یہ گویا اتنے بیوقوف ہیں کہ آپ کے ہوتے ہوئے رعنا کو پسند کر سکیں گے۔ اس لونڈیا میں دھرا ہی کیا ہے۔ پھر یہ کہ اللہ جانتا ہے وہ لڑکی ہے کچھ گڑبڑ ضرور مجھے تو وہ پاکباز معلوم ہوتی نہیں“

اور عین اسی وقت ایک رونما آواز فضا میں گونجی ”خبردار جواب ایک لفظ بھی تیرے منہ سے نکلا نمک حرام احسان فراموش تیری یہ مجال کہ تو رعنا کے متعلق ایسی باتیں کہے“

اور ہم نے دیکھا کہ والد محترم غصے سے مغلوب اس کمرے سے نکل کر اس کمرے میں پہنچ چکے ہیں۔ مرزا صاحب کا تو جو عالم ہو سکتا ہے وہ ظاہر ہی ہے

مگر ہم بھی تعجب میں تھے کہ یہ ایک دم ہوا کیا۔ والد صاحب کے وہاں پہنچ جانے کے بعد خان بہادر صاحب بھی اس کمرے میں پہنچ گئے اور بڑے تلخ انداز سے شبو کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ”اور تم تو اس قابل ہو کہ چوراہے پر کھڑا کر کے گولی ماردی جائے تمہیں بے غیرت اپنے بہن کے متعلق اس قسم کی باتیں ایک غیر آدمی سے بیٹھا سن رہا ہے۔

والد صاحب نے کہا ”یہ دونوں آج اپنے اپنے اصل رنگ میں نظر خوب آئے میں واقعی بیوقوف تھا کہ اس خطرناک انسان کو نہایت احمق قسم کا مصاحب سمجھتا رہا۔ اپنی حیثیت ہی بھول گیا ہے کہ دستر خوان کی لکھی تو ہے آپ کی حقیقت اور مشغلہ ہے جس تھالی میں کھائیں اسی میں چھید کرنے کا......۔“

اور مرزا صاحب نے قدموں پر گر کر والد صاحب کے پیر پکڑ لئے مگر والد صاحب نے وہاں سے ہٹ کر کہا ”میں نہیں چاہتا کہ تو میرے پیروں کو ناپاک کرے خیریت اسی میں ہے کہ قبل اس کے کہ میں واقعی تیرا خون پی لوں دور ہو جا میرے سامنے سے“

خان بہادر صاحب نے کہا ”خیر یہ تو ہے ہی لگس قاب اخنیا مگر ذرا اس ننگ خاندان بے حیا کو تو دیکھئے گیا ہے وہاں سے مس پال سے محبت جتانے یہ منہ اور مسور کی دال۔ جی چاہتا ہے کہ جوتے مار کر نکالوں یہاں سے مس پال اپنے ملازم سے کہئے ان دونوں کی گردن میں ہاتھ دے کر نکال دے یہاں سے“

ہم نے آگے بڑھ کر کہا ”بس یہ اپنی سزا کو کافی پہنچ چکے ہیں اب یہ خود چلے جائیں گے تشریف لے جایئے آپ دونوں“

شبو میاں اور مرزا صاحب دونوں سر جھکائے ہوئے کمرے سے نکل گئے اور ان کے جانے کے بعد پہلے تو کچھ ویران ہی دونوں کا ذکر ہوتا رہا اور آخر میں